اوّل
عرفانِ رضا
در مدحِ مصطفیٰ
مناظر اہلِ سنّت حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی مصروف برکاتی نوری
مرکز اہلسنت برکاتِ رضا
امام احمد رضا روڈ، پور بندر ، گجرات

عرفان رضا

در

مدحِ مصطفیٰ ﷺ

(حصہ اوّل)

مصنف

مناظر اہل سنت، ماہر رضویات علامہ عبدالستار ہمدانی "مصروفؔ"

برکاتی، نوری

ناشر

مرکز اھل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڑ، پوربندر۔ گجرات

کتاب : عرفان رضا در مدحِ مصطفیٰ (حصہ اوّل)

مصنف : علامہ عبدالستار ہمدانی "مصروفؔ" برکاتی، نوری

کمپوزنگ : ارشد علی جیلانی و محمد معین ترکی

پروف ریڈنگ : علامہ نعمان اعظمی الازہری و جناب علی احمد، ایم-اے

ناشر : مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پوربندر۔ گجرات

سن اشاعت بار اول : ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

سن اشاعت بار دوم : ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۶ء

www.Markazahlesunnat.com

ملنے کے پتے

- فاروقیہ بک ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔
- کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔
- مکتبہ شیریہ، نزد اقرأ، محمد علی روڈ، ممبئی۔

فہرست عناوین

58	نصر ابی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ دے حیات دیں محی جاں فزا کے واسطے	430
59	جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو نہ کچھ قصد کیجئے یہ قصد دلی ہے	436
60	خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں کیا صبح نور بار ہے شام ابو الحسین	442
61	خلق تمہاری جمیل خُلق تمہارا جلیل خلق تمہاری گدا تم پہ کروروں درود	448
62	اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دوجہان کی اِنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہ ہی جان ہے	452
63	میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں	461
64	جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں	470
65	لو وہ آیا مرا حامی مرا غمخوار امم آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے	475
66	تانوں کی بینوں میں پھر لہرا بجا گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چکیں	484
67	جس کے آگے سر سروراں خم رہے اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام	488

68	خوب مسعٰی میں بامید صفا دوڑ لیے رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو	497
69	مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا نہ یہاں نہ ہے نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے	503
70	رُسُل و مَلَک پہ درود ہو وہی جانے ان کے شمار کو مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے	509

عرضِ مصنف

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَ حَبِیۡبِهٖ الۡکَرِیۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ عَلٰی آلِهِ الۡمُطَهَّرِیۡنَ وَ اَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ ۔

اما بعد

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اوراس کے پیارے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل، حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض وکرم سے، مارہرہ مطہرہ مقدسہ کے اولیاء کاملین حضور سیدنا شاہ برکت اللہ، حضور خاتم الاکابر سید آل رسول، حضور سید شاہ ابوالحسن احمد نوری ودیگر اولیاء خانقاہ برکاتیہ کی نظر عنایت سے، عاشق رسول، مجدد دین و ملت، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت امام احمد رضا محدث بریلوی، میرے پیرومرشد میرے ماویٰ وملجا، میرے آقا ومولیٰ، آقائے نعمت، تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتیٔ اعظم ہند مصطفیٰ رضا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وارضاہم عنا کے فیض وکرم اور نگاہ لطف و عنایت سے فقیر سراپا تقصیر نے امام اہل سنت، امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' سے فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل (تام) کے ۱۳۰؍ اشعار کی تشریح و توضیح کا کام تکمیل کو پہنچایا۔ اس کتاب کا نام ''عرفان رضا در مدح مصطفیٰ'' میرے مخدوم ومعظم، واجب التعظیم والاحترام حضرت قبلہ سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دامت برکاتہم القدسیہ نے تجویز فرمایا ہے۔ ''عرفان رضا'' کا کام مؤرخہ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو آغاز کیا اور آج ۱۴؍ مئی ۱۹۹۸ء کو تکمیل کو پہنچا، کل ۶؍ ماہ اور ۴؍ دن میں کام پورا ہوا۔ لیکن اس دوران راقم الحروف کو شدید بیماری وعلالت کی وجہ سے دومرتبہ جیل سے ہسپتال منتقل کیا گیا۔ اس طرح ایک ماہ اور ۱۵؍ دن (ڈیڑھ ماہ) بیماری وعلالت میں ضائع ہوئے۔ اس حساب سے کل ۴؍ ماہ

اور ۱۹؍ دن میں ''عرفان رضا'' کا تصنیفی کام پورا ہوا۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں میری اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور عوام کے لئے فائدہ بخش اور میرے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور گناہوں کی مغفرت فرما کر مسلک سرکار اعلیٰ حضرت پر تصلب کے ساتھ قائم رکھتے ہوئے خیر البلاد مدینہ منورہ میں مدفن عطا فرمائے! آمین بجاہ سید المرسلین۔

خاکپائے سادات مارہرہ مقدسہ
وبارگاہ رضا کا ادنیٰ سوالی

عبدالستار ہمدانی ''مصروف''

۱۷؍ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ / مطابق ۱۴؍ مئی ۱۹۹۸ء
بروز پنج شنبہ۔ خاص جیل۔ پوربندر۔

تقریظ جلیل

حضرت الحاج سید آل رسول حسنین میاں نظمی

سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مقدسہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَ التَّسْلِیْمِ

میں آج بھی اکثر یہی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا احمد رضا خاں محقق بریلوی کو کیسا غیر معمولی ذہن عطا کیا تھا کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ فلسفہ، ریاضی و ہیئت، فقہ تقریباً ۵۴ علوم میں اتنا کچھ سرمایہ عطا کیا کہ دنیا انہیں علوم ظاہر و باطن کا امام ماننے پر مجبور ہوگئی۔ مسند افتاء پر تشریف فرما ہیں اور بیک وقت کئی کاتبوں کو مختلف زمروں کے فتوے املا کرا رہے ہیں۔ ایک ایک پیراگراف سب کو باری باری لکھواتے ہیں، مگر جب بھی پہلے کاتب کی طرف لوٹتے ہیں تو مضمون کا تسلسل وہی کا وہی، کہیں ذرہ بھر کنفیوزن نہیں۔ مکان کے باہر بیٹھک میں متوسلین کا ہجوم ہے۔ دور دور سے لوگ آئے ہیں، اپنے ساتھ الگ الگ مسائل لائے ہیں، مگر سوداگران محلّہ کا یہ درویش سب کی تسلی کر رہا ہے۔ مصلیٰ بچھا ہوا ہے عبادت میں مصروف ہیں۔ مرشد کے آستانے سے جو اجازتیں عطا ہوئی ہیں انہیں وظیفے کے روپ میں ڈھالا جا رہا ہے۔ کبھی مراقبے میں چلے جاتے ہیں تو مارہرہ شریف ہو کر مدینہ پہنچ جاتے ہیں، پھر زمینداری کے معاملات بھی تو ہیں۔ کہیں زمین کا مقدمہ ہے، کہیں کھیت کا، کہیں لگان کا، کہیں چک بندی کا سب کچھ انہیں ہی دیکھنا ہے۔ اور سارے کاموں کے ساتھ ساتھ اللہ اور رسول کے دشمنوں کی دشنام طرازیوں اور بہتان تراشیوں کا جواب دینا ہے۔ سنی لٹریچر تیار کرنا ہے۔ یہ کیسا دماغ ہے کہ ایک ساتھ یہ سارے کام کر رہا ہے۔ اور وہ بھی انتہائی نظم وضبط کے ساتھ۔ مجھے جو خیال

اکثر ستاتا ہے، وہ یہ کہ اتنی ساری مصروفیات کے ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی اتنا وقت کیسے نکال لیتے تھے کہ عروس شاعری بھی کیسی! کہ جس کے قدم قدم پر خطرے۔ مگر امام احمد رضا نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ایک مفتی، ایک فقیہ، ایک مفسر، ایک محدث، ایک محقق، ایک مجدد کا ذہن بھی ہے اور ایک سچے عاشق کا دل بھی۔ انہوں نے شاعری کی اور اس میدان میں یگانہ روزگار اساتذۂ فن سے اپنی سخن وری کا لوہا منوایا اعلیٰ حضرت نے ہندوستان میں اردو شاعری کو ایک نیا سلیقہ، ایک نیا آہنگ، نیا رنگ، نیا روپ عطا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے شاعری کی سب سے مشکل صنف یعنی نعت کو مشق سخن کے لئے منتخب کیا۔ انگریزی ادب میں لارڈ ٹینی سن، فارسی میں سعدی شیرازی اور اردو میں جوش کے ذخیرۂ الفاظ کی بڑی دھوم ہے۔ ذرا حدائق بخشش کے اوراق الٹیے زبان وادب کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جس رنگ و آہنگ کو پیش کیا وہ دوسروں کے نصیب میں اس لئے نہیں کہ دوسرے یا تو معشوق کی زلفوں کے خم میں پھنسے رہ گئے یا پھر غلو مبالغہ کی دلدل میں۔ اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا قرآن مقدس اور حدیث حمید کی روشنی میں لکھا۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ

●

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت کی سیرت کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شاعری میں کسی استاد سخن کے آگے زانوئے تلمذ نہیں تہہ کیا۔ وہ اپنے ہی شاگرد تھے اور اپنے ہی استاد۔ میرا خیال ہے کہ امام احمد رضا کو شاعری کا سلیقہ رب تعالیٰ کی بارگاہ سے ملا تھا اور داد گنبد خضریٰ سے۔ امام احمد رضا کی نعتوں میں جو خاص بات میں نے نوٹ کی ہے وہ یہ ہے کہ جتنی بار پڑھی

جائیں نئی لگتی ہیں۔انھوں نے الفاظ کی ایسی بندشیں استعمال کی ہیں کہ ان میں نغمگی ہے،صوتی ہم آہنگی ہے،موسیقیت ہے اور ان سب کے ساتھ ساتھ احتیاط ہے،تقویٰ ہے،صداقت پسندی ہے،قرآن ہے،حدیث ہے۔

پاکستان میں پروفیسر مسعود احمد صاحب نے اعلیٰ حضرت پر بہت کام کیا ہے اور کر رہے ہیں۔پچھلی دو دہائیوں میں رضویات پر اتنا کچھ سرمایہ سینوں کے پاس جمع ہو گیا ہے کہ آج برصغیر ہند و پاک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا پر باقاعدہ ریسرچ ہو رہا ہے اور ڈاکٹریٹ حاصل کی جارہی ہے۔اعلیٰ حضرت کی سند اپنے وطن ہندوستان میں اس میدان میں کام فی الحال شروع ہوا ہے وہ بھی پاکستان سے تحریک پا کر۔اعلیٰ حضرت کی شخصیت ایسی ہے کہ فی زمانہ ان کی عظمت کا اعتراف سبھی کو کرنا پڑ رہا ہے۔کسی نے مسرور ہو کر کیا ہے کسی نے مجبور ہو کر۔اعلیٰ حضرت سے عناد رکھنے والے اپنی نجی نشستوں میں کچھ بھی بکتے رہیں مگر جب وہ عوام کے سامنے آتے ہیں تو امام احمد رضا کا قصیدہ پڑھتے نظر آتے ہیں۔

گجرات کے ایک نامور تاجر ہیں عبدالستار ہمدانی، اعداد و شمار کی دنیا کے بادشاہ۔کس کو کتنا دیا کس سے کتنا لیا،اس لین دین میں ماہر،مگر مثل مشہور ہے۔نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں،حضور مفتیٔ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا برکاتی،نوری کے حلقہ ارادت میں آتے ہی ہمدانی صاحب کی کایا پلٹ گئی اور ان کی صلاحیتوں کا دھارا رضویات کی طرف مڑ گیا۔ہمہ دانی ہمدانی کی خصوصیت بن گئی۔غالباً پچھلے سال کی معرکۃ الآرا تصنیف ''امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر'' جب ان کی منظر عام پر آئی تو ہر شخص یہی کہتا تھا کہ امام احمد رضا کو مظلوم لکھ دیا ہے۔ مگر پھر لوگوں نے غور کیا تو احساس ہوا کہ واقعی ان پر ظلم ہوا ہے۔اپنوں کی طرف سے بھی اور غیروں کی طرف سے بھی اعلیٰ حضرت کے اپنے خاندان میں ان کا چرچا بہت کم ہے۔بریلی شریف سے رسالہ نکلتا ہے''اعلیٰ حضرت''۔سچ بتایئے! اعلیٰ حضرت پر کتنے مضمون اس میں شامل کئے جاتے ہیں؟ اور جو مضمون کبھی کبھار آتے بھی ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور

ان کے دینی علمی کارناموں کا کیا تناسب ہوتا ہے؟ تو کیا ہمدانی صاحب نے لفظ ''مظلوم'' درست نہیں لکھا؟

ہمدانی صاحب کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پچھلے تین چار برس سے سلاخوں کے پیچھے رکھا گیا ہے۔اس سازش میں پوربندر کے ایک نام نہاد برکاتی کا بھی ہاتھ ہے،لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی محبوبیت سے نوازتا ہے اور اس سے اپنے دین کا کام لیتا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کو زنداں میں ڈالا گیا وہ بھی ایک سازش تھی،مگر اللہ کے اس پیارے بندے نے زنداں میں بھی اپنا راستہ نہیں چھوڑا اور تبلیغ جاری رکھیں۔بلاتشبیہ و بلاتمثیل،ہمدانی صاحب نے بھی جیل کی چار دیواری میں رہ کر دین کی خدمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔بظاہر وہ قید میں ہیں مگر ان کی اس قید پر سازشی کپڑے کے تاجر کی ہزار آزادیاں قربان! قابل رشک ہے وہ زنداں جس کی ایک بند کوٹھری میں بیٹھ کر ہمدانی صاحب رات دن سنی لٹریچر تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں،اور یہ لٹریچر سارا کا سارا رضویات سے متعلق ہے۔زنداں کا باشی تذکرہ رضا کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور بہ بانگ دہل اعلان کر رہا ہے۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے میں انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

ہمدانی صاحب کی یہ نئی کاوش جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اپنی نوعیت کی انفرادی تصنیف ہے۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب آپ کو اعلیٰ حضرت سے ملواتی ہے،انہیں پہچنواتی ہے،ان کی شاعری کی گہرائیوں میں لے جاتی ہے اور جب آپ محسوس کریں گے امام احمد رضا کی شاعری تو ہم برسوں سے سنتے اور سر دھنتے آئے ہیں مگر یہ معنی یہ مفہوم تو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھے۔آپ کا یہ احساس ہی درحقیقت ہمدانی صاحب کی محنت کی قیمت ہے۔ ورق ورق سے ان کی محنت آشکار ہے۔کتاب کی معنویت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمدانی صاحب نے اپنی قید کا ایک ایک لمحہ ایک عاشق رسول میں گزارا ہے۔سبحان اللہ! یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل

گیا۔

کاغذ اور وقت کی بچت کا خیال نہ ہوتا تو میں ہمدانی صاحب کے قلم کی اس انگڑائی کی باریکیوں سے آپ کو روشناس کراتا۔لیکن مجھے پوری امید ہے کہ آپ ان اوراق کی شناوری کر کے علم وآگہی کے سچے موتی ضرور چنیں گے۔

ایک قلم کار کے لئے اس کی ہر نئی تصنیف ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔لہٰذا میں علامہ عبدالستار ہمدانی کو ان کی اس نئی زندگی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

سید آل رسول نظمی، برکاتی
سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ
ممبئی ۲۱ رشوال المکرّم ۱۴۱۹ھ

(1)

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

حل لغت:

قرن: ستاروں کا ملاپ، دس یا بارہ یا چالیس یا اسی یا ایک سو برس کا زمانہ، بڑی مدت، زمانہ دراز، حیوان کی شاخ یعنی سینگ، جُگ۔

(فیروز اللغات، ص۹۵۴ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۲)

بدلی: تبدیلی، منتقلی، بادل کا ٹکڑا، بادل کی تصغیر، ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا۔

(فیروز اللغات، ص۱۸۸)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''بدلی'' ہے، اس کا مطلب ''تبدیلی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بدلی'' ہے، اس کا مطلب ''بادل کا ٹکڑا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں اپنے آقا و مولیٰ کی مدح وثنا میں سمندر کو کوزے میں سمودیا ہے۔ظاہری معنی کے اعتبار سے یہ شعر بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی بدلی ہوتی رہی ہے اور اب بدلی کا چاند یعنی کہ ہمارے نبی جلوہ فگن ہوگئے ہیں۔اس شعر میں لفظ ''بدلی'' کا استعمال دو مرتبہ ہوا ہے۔لیکن دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔پہلے مصرع میں جو لفظ ''بدلی''

ہے وہ تبدیلی یا ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بدلی'' ہے اس کے معنی بادل کا ٹکڑا ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ بدلی قابل غور اور قابل توجہ ہے۔ بدلی کا ایک معنی یہ ہے کہ ایک شخص کے کام پر یا جگہ پر دوسرے کا جانا، اور یہی معنی اس شعر میں موزوں ہے۔ کیوں کہ انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی بدلی یعنی یکے بعد دیگرے کی آمد کا سلسلہ اسی منشاء کے تحت ہوتا رہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عالم بالا میں تمام ارواح عالمین سے ایک میثاق یعنی کہ وعدہ واقرار لیا ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تمام ارواح نے متفقہ طور پر جواب دیا ''بَلٰی'' کیوں نہیں، بیشک تو ہمارا رب ہے۔ اس جلسہ میثاق میں نبی رسول، مومن، کافر، مشرک، نیک، بد، فاسق، فاجر، وغیرہ تمام انسان کی ارواح موجود تھیں۔ جب تمام نبی اور رسول موجود تھے تو ہمارے آقا و مولیٰ بھی یقیناً موجود تھے۔ اتنی بات ذہن کے ایک گوشہ میں محفوظ رکھ کر اب ایک اور بات کی طرف خاص توجہ فرمائیے۔ میثاق مذکور عام تھا۔ اس میں سب شامل ہیں۔ لیکن اس میثاق اول کے بعد ایک اور میثاق بھی لیا گیا۔ لیکن وہ میثاق عام نہیں۔ بلکہ خاص تھا۔ وہ دوسرا میثاق صرف انبیاء کرام ہی کی ارواح طیبہ سے لیا گیا۔ اور اس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔

''وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَا اٰتَیْتُکُمْ مِنْ کِتَابٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشّٰاھِدِیْنَ۔''

(سورہ آل عمران، آیت ۸۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور

میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (کنزالایمان)

مندرجہ بالا آیت اور اس کا ترجمہ چند مرتبہ تلاوت کر کے ذہن نشین کرلیں، اس میثاق ثانی میں انبیاء کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی کتنی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اب آیئے میثاق اول کو سمجھئے۔ اس میں تمام ارواح کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار فرمایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سید الموحدین ہیں۔ خدا کی توحید کا پرچم لہرانے میں آپ سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی ظاہری زندگی میں توحید کے علم کو لہرانا ہی اپنا مقصد اصلی بنایا اور یہی آپ کی حیات طیبہ کا اہم کام تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی'' کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا کہ ''جَعَلْتُکَ اَوَّلَ النَّبِیّٖنَ خَلْقًا وَ آخِرَھُمْ بَعْثًا وَ جَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَ خَاتَمًا۔''

یعنی اے محبوب! میں نے تمام نبیوں سے پہلا نبی خلق میں آپ کو بنایا مگر ان تمام کے آخر میں مبعوث کیا۔ اور میں نے آپ ہی کو افتتاح کرنے والا اور انتہاء کرنے والا بنایا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، ص ۲۰)

اب اس شعر میں وارد لفظ بدلی کا صحیح مفہوم معلوم کریں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اول نبی بنایا اور نبی کا کام ہوتا ہے توحید کا پرچم لہرانا، پرچم وحدانیت لہرانے کی سب سے پہلی ذمہ داری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تھی، لیکن بعثت کے اعتبار سے آپ آخر میں تشریف لانے والے تھے۔ کام آپ کا تھا، لیکن انجام دینے کے لئے حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام تک یکے بعد دیگرے انبیاء آتے رہے، جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا اپنا میثاق (وعدہ) کامل طور پر پورا کیا۔ اس میثاق میں صرف دو ہی باتیں تھیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا، اور دوسرا یہ کہ آپ کی مدد کرنا، ایمان تو تمام انبیائے کرام یقیناً

لائے، لیکن مدد کس طرح کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کا جو کام توحید کا پرچم لہرانا تھا، وہ کام بخوبی انجام دیا اور وہ کام انجام دینے ہی میں حضور کی مدد کرنی ہوئی۔ اب جب حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے تو ان کے ذمہ دو کام تھے۔ پہلے جو کام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمہ ہے اس میں حضور کا ہاتھ بٹانا اور ساتھ میں اپنے امتیوں کو حضور کی آمد کا مژدہ سنانا، اور ان پر ایمان لانے کی تاکید کرنا، گویا حضرت آدم علیہ السلام تبلیغ وتوحید کے فرائض منصب نبوت کے تحت انجام دے رہے تھے۔ لیکن درحقیقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمہ کا کام آگے بڑھا رہے تھے اور یہی معنی ہے بدلی کا یعنی ''ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا'' تو مطلب یہ ہوا کہ حضور کے کام پر حضرت آدم آئے تھے، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے وصال فرمایا تو ان کے بدلے (بدلی) میں حضرت نوح آئے۔ حضرت آدم کو حضور کا کام انجام دینے کے ساتھ ساتھ حضور کی رسالت کا مژدہ بھی سنانا تھا۔ بعینہ یہی کام حضرت نوح علیہ السلام نے بھی انجام دیا۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جاری رہا۔ ہر نبی اپنی ظاہری حیات میں اپنی قوم کو توحید کا پیغام دینے کے ساتھ سید الانبیاء والمرسلین کی آمد کا مژدہ سناتے رہے۔ آپ کے مناقب بھی بیان کرتے رہے۔ نیز آپ پر ایمان لانے کی بھی تاکید کی۔ اور یہی مفہوم ادا کیا ہے حضرت رضا بریلوی نے اپنے شعر میں لفظ ''بدلی'' کے استعمال سے۔ قرنوں یعنی برسہا برس نبیوں کی بدلی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ تمام انبیاء کرام آسمان نبوت پر درخشندہ ستارے کی حیثیت سے چمکتے رہے۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ آسمان نبوت کا چاند بدلی سے نمودار ہوا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت نبوت کے سلسلے کو ختم کر کے اسے خاتم النبیین کے منصب پر فائز فرمایا۔

(2)

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

حل لغت:

مرے: مر جانا، بجھ جانا، انتقال کر جانا، فریفتہ ہو جانا، عاشق ہونا، تباہ ہو جانا، فرو ہو جانا، سخت نقصان ہو جانا، کسی دھات کا کشت ہو جانا، شرمندہ ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۳۳)

مرے: مردہ، بے جان، بے روح، مرا ہوا، فوت شدہ، متوفیٰ، کمزور، ناتواں، نحیف، لاغر، بہت بوڑھا، مرجھایا ہوا، افسردہ، لاش، میت، جنازہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۲۸)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''مرے'' ہے اس کا مطلب ''مر جائے'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''مرے'' ہے اس کا مطلب ''مرا ہوا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ کمال کر دکھایا ہے کہ ایک مصرع میں مومن کی شان ایمان کا ذکر کر دیا اور دوسرے مصرع میں منافقین اسلام یعنی نجدی وہابی کی تقیہ بازی اور فریب کاری کو ظاہر کر دیا۔ اس شعر کی ایک خوبی یہ ہے کہ مومن کے ایمان کی تعریف، اور منافق کے نفاق کی مذمت کے لئے آپ نے دونوں مصرعوں میں ''مرے دل'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اور ان دونوں ''مرے دل'' میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پہلے مصرع میں ''مرے دل'' کی تفسیر یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وعظمت اور حرمت پر جان ودل سے نثار وقربان ہو جائے اور شرعاً مومن کی یہی

تعریف ہے جس کو عہد رسالت میں صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین سے لے کر آج تک ہر دور کے عشاق نبی نے عملی جامہ پہنایا، اور ناموس رسالت پر مرمٹنے کا پیغام ملت اسلامیہ کو دیا، دوسرے مصرع میں ''مرے دل سے'' دور حاضر کے نجدی، وہابی اور عظمت و تعظیم نبی کے منکرین مراد ہیں جو ہارے اور مرجھائے ہوئے دل سے کبھی کبھار تعظیم نبی کر لیتے ہیں لیکن ان کا یہ فعل دل کی رغبت کی بجائے ریا کاری، تقیہ، دکھاوا، اور نفاق پہ مشتمل ہوتا ہے۔

پہلے مصرع میں ''مرے'' فعل مضارع ہے، اور دوسرے مصرع میں ''مرے'' دل کی صفت ہے اور دونوں میں معنوی اعتبار سے ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ایمان و کفر، نور وظلمت، زمین وآسمان، بہار وخزاں، گل وخار کے مابین ہے۔ یہ ہے امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی کے علم وفن کا کمال اور جذبۂ عشق رسول کا سوز وگداز۔

مومن کی تعریف میں حضرت رضا نے ''مرے دل سے'' فرما کر سیر وتاریخ کے ان تمام واقعات کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ مجاہدین اسلام نے عشق رسول کے جذبے کے تحت ناموس رسالت کے تحفظ وبقا کے لئے اپنا سب کچھ بلکہ اپنی جان تک قربان کردیں ''سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب'' میں امام احمد رضا نے یہی اشارہ فرمایا ہے۔

● حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے کافروں سے جہاد کرنے کے لئے اپنی قوم کو حکم دیا تو ان کی قوم نے کہا کہ ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔'' (سورہ مائدہ، آیت ۲۴)

ترجمہ: آپ جایئے اور آپ کا رب، تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ (کنز الایمان)

لیکن جب کفار مکہ نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنایا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے دفاع کے لئے صحابۂ کرام کی رائے طلب فرمائی، تو شمع رسالت کے پروانوں نے ایک زبان ہوکر عرض کیا کہ ہم یوں نہ کہیں گے جیسا کہ قوم موسیٰ نے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب لڑو، حضور! ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آپ کے آگے پیچھے ہو کر

لڑیں گے۔ (بخاری شریف، جلد۲، ص۵۶۴) عزت رسول پہ مرمٹنے کا جذبہ مومنین کے دلوں میں اتنا موجزن تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی عزت رسول پہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ جنگ بدر کے موقع پر حضرت معاذ، حضرت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نام کے دو چھوٹے بچوں نے دشمن رسول ابوجہل کو قتل کردیا۔ اور وہ دونوں لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرماگئے۔ ناموس رسالت پر مرمٹنے کا جذبہ وہ مقدس جذبہ ہے کہ جس نے صحابۂ کرام اور دیگر عشاق کو حیات جاودانی بخشی اور جذبۂ فداکاری کا نتیجہ ہے کہ اسلام حدود عرب سے نکل کر اسپین تک پھیل گیا۔ علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام واقعات کو اپنی کتاب ''فتوح الشام'' میں بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔

نجدی منافق کی ہجو میں حضرت رضا بریلوی نے ''مرے دل سے'' فرما کر منافقین کی خصلت، تقیہ بازی اور خوئے مکر کا پردہ چاک کیا اور ان کو دنیا کے سامنے بے نقاب بھی کیا۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ عظمت رسول کا منکر اور تعظیم رسول سے کدورت رکھنے والا اور صلاۃ وسلام پڑھنے کو طنطنے کے ساتھ شرک وبدعت کہنے والا اگر کسی سنی کی محفل میں آ پھنستا ہے تو وہ شرک کے سارے فتوے اپنے لمبے کرتے کے گہرے جیب میں ڈال لیتا ہے۔ اور لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنے لگتا ہے۔ لیکن اس کا یہ فعل فقط دکھاوا اور ریاکاری ہوتا ہے۔ رغبت دل بالکل مفقود ہوتی ہے۔ اور مردہ دلی سے یہ عمل کرتا ہے۔ اسی کا نام تو نفاق ہے۔ منافقین کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ زبان پر کچھ ہوتا ہے دل میں کچھ اور۔ لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنے جال میں پھنسانے کے لئے نت نئے ہتھکنڈے آزماتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے دام فریب سے بچنے کے لئے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ان کو جانچ کر ان کی صحیح شناخت کرلینی اشد ضروری ہے۔ اور اسی ضرورت کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی نے ان کی تعظیم کو مرے دل کی تعظیم کہہ کر قرآن وحدیث کی تعلیم کا مدعا بیان کردیا۔

منافقین کی دھوکہ بازی سے مومنین کو بچانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن

مجید میں مستقل ایک سورہ بنام ''منافقون'' نازل فرمائی اور اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں منافقین کی زبانی اقرار ایمان کو کذب صریح کہتے ہوئے ارشاد فرمایا ''وَ اللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ'' (سورہ منافقون، آیت ۱)

ترجمہ: اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (کنزالایمان)

علاوہ ازیں سورۂ توبہ میں اور دیگر مقامات پر منافقین کی خوئے نفاق اور حیلہ سازیاں تفصیل سے مذکور ہیں۔ ان آیات قرآنیہ کی تفسیر اور احادیث نبویہ کی تشریح میں کتب موجود ہیں۔ اور محبوب رب العالمین سید القاہرین علی المنافقین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے عین خطبۂ جمعہ کے دوران منافقین کی پوری جماعت کے افراد کو نام لے لے کر کھڑا کیا اور ان کو اپنی مسجد سے باہر نکال دیا۔

۞......۞......۞

(3)

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضؔا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

حل لغت

کریم: بخشنے والا، سخی، بزرگ، فیاض، مہربان، گناہ بخشنے والا، خدا تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔
(فیروز اللغات، ص ۱۰۰۶ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۹)

کرم: بزرگی، بخشش، دان پن، عنایت، مہربانی، ہمت، جواں مردی، سخاوت۔
(فیروز اللغات، ص ۱۰۰۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۹)

صدقہ: قربان، فدا، طفیل، بدولت، واری، خیرات، وہ کھانا وغیرہ جو سر پر اتار کر دیا جائے، فقیروں کو دینا۔ (فیروز اللغات، ص ۸۶۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۴ ☆ کریم اللغات ص، ۱۰۲)

لئیم: کنجوس، جو نہ خود کھائے اور نہ دوسروں کو کھلائے، کمینہ، رذیل، سفلہ، کم ظرف، نالائق، ناکس۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۷۳ ☆ لغات کشوری ص، ۶۴۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۸)

حساب: گنتی، شمار، نرخ، بھاؤ، قیمت، حالت، کیفیت، سمجھ، میزان، جوڑ، قاعدہ، ڈھنگ، طور، علم۔ (فیروز اللغات، ص ۵۶۸ ☆ لغات کشوری، ص ۲۳۲ ☆ کریم اللغات، ص ۵۷)

بے قدر: ذلیل، بے عزت، ناشکرا، ناقدر دان، قدر نہ کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۴۸)

حساب لینا: حساب پوچھنا، پڑتال کرنا، آمد و رفت کا جائزہ لینا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۶۸)

شرمانا: لجانا، ذلیل کرنا، شرمندہ کرنا، شرمندہ ہونا، نادم ہونا۔
(فیروز اللغات، ص ۸۴۱)

دوسرے مصرع میں پہلا جو لفظ ''حساب'' ہے، اس کا مطلب ''حساب پوچھنا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرا جو ''حساب'' ہے، اس کا مطلب ''گنتی میں ہونا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ خداوندی میں ایک انوکھے انداز میں اپنی مغفرت وبخشش کی التجا کرتے ہیں۔ شعر کے الفاظ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان رحیمی اور کریمی پر کامل اعتماد ہے اور ساتھ ہی ساتھ از راہ تواضع وانکساری اپنی بے مائیگی ناکسی اور ذنوب وعصیاں کا بھی اعتراف فرما رہے ہیں۔ شعر کے دوسرے مصرع میں دو مرتبہ لفظ ''حساب'' کا استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو حساب ہے وہ فعل ہے اور حساب پوچھنا یا آمد ورفت کا جائزہ لینے کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ حساب ہے وہ اسم ہے، اور گنتی یا شمار کے معنی میں ہے۔

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اے رب کریم! تو اپنے کرم کے طفیل مجھ جیسے رذیل اور ذلیل کو شرمندہ مت کر، کیوں کہ میرے نامۂ اعمال میں صرف عصیاں ہی عصیاں ہیں اور حساب لینے میں وہ میری ذلت ورسوائی کا باعث ہوں گی۔ اے رب کریم! تو رحیم ورحمٰن مولیٰ ہے۔ اپنے اعمال کا حساب دینا تو ہم پر لازم ہے، لیکن حساب لینا تجھ کو لازم نہیں۔ اگر تو چاہے تو حساب لے اور نہ چاہے تو حساب بھی نہ لے۔ اگر حساب لے تو یہ تیرا عدل وانصاف ہے اور اگر حساب نہ لے تو تیرا رحم وکرم ہے۔ اگر حساب لے کر برائی کے بدلے بندے کو سزا دے تو کسی کو مجال شکایت نہیں اور اگر بے حساب لئے بخش دے تو کسی کو مجال اعتراض بھی نہیں۔ اے رب کریم! تو سب کا مالک اور سب سے اعلیٰ احکم الحاکمین ہے۔ گنہگار کو سزا دے یا معاف کر دے تیرے اختیار میں ہے، اس سے تیری قدرت میں کوئی فرق نہیں آنے والا، اور نہ ہی تیری شان کریمی میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ اے رب کریم! تیری ہی صفت شان ستاری ہے۔ تو اپنے بندوں کے

عیوب ونقائص کو چھپاتا ہے۔ اس پر پردہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اے رب کریم! اے ستار! اگر تو نے رضا سے آج یعنی میدان محشر میں حساب لیا تو مخلوق کا جم غفیر جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ میرا نامۂ اعمال کیسا ہے وہ تو بھی جانتا ہے اور میں بھی جانتا ہوں۔ حساب لینے میں میری رسوائی ہے، انکشاف عیوب میں ذلت ہی ہے اور کھچا کھچ بھرے ہوئے میدان میں بے شمار لوگوں کے سامنے مجھے نادم اور شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اور تیری شان ستاری یہ ہے کہ تو اپنے بندوں کے عیوب چھپاتا ہے۔ اے رب کریم! تیرے کرم کا واسطہ حساب نہ لے اور حساب لئے بغیر مغفرت فرما۔ اے خالق کائنات، اے مالک حقیقی! اگر تو نے رضا سے حساب نہ لیا تو تیرا کچھ بھی نقصان نہیں کیوں کہ رضا کس حساب اور کس شمار میں؟ میری حیثیت اور وقعت ہی کیا ہے! تیرے کرم کے ایک اشارے میں ہے کہ میرے نامۂ اعمال کے حساب وکتاب کا معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ میرا کام بن جائے گا۔ میرا بھلا ہو جائے گا۔ اور تیرا نہ تو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی تیرا کچھ خرچ ہوگا۔ لہٰذا جس میں تیرا کسی قسم کا نقصان نہیں اسے معاف فرمادے۔ اور جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں عطا فرمادے۔ ایک اور مقام پر حضرت رضا بریلوی نے ایک دل کش اور اچھوتے انداز میں بارگاہ خداوندی میں استدعا کرتے ہوئے عرض کیا ہے:

نقصان نہ دے گا تجھے میرا عصیاں
غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا

●

جس میں تجھے نقصان نہیں کردے معاف
جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں دے دے مولیٰ

حضرت رضا بریلوی نے حساب نہ لینے کی گزارش کرکے خدائے تعالیٰ کی عنایت تامہ کو سراہا ہے۔ کیوں کہ ایک تو ہوتا ہے حساب لینا، لیکن رعایت کرنا اور کمی بیشی کو درگزر کرنا اور معاف کر دینا، اور دوسرا یہ کہ سرے سے حساب ہی نہ لینا، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلے میں خجالت

اور شرمندگی کی گنجائش ہے مگر دوسرے میں شرمندگی کا امکان ہی نہیں۔ اور پورا معاملہ ڈھکا چھپا رہ جائے گا۔ بند مٹھی لاکھ کی والا معاملہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک آقا نے اپنے خادم کو سو روپیہ دے کر سودا لانے کے لئے بازار بھیجا۔ دوپہر کا وقت تھا، شدت کی گرمی تھی۔ خادم نے نوے روپیہ کا سودا خریدا اور بچے ہوئے باقی دس روپیہ کا ٹھنڈا شربت پی لیا۔ سو کی نوٹ ختم، اب وہ سودا لے کر واپس آقا کی خدمت میں آیا۔ اگر آقا حساب لے تو کہنا پڑے گا۔ دس روپئے کا شربت پیا ہے، غلطی ہوگئی ہے، میری تنخواہ سے کاٹ لینا۔ پھر آقا اگر چاہے تو اس کو معاف کردے اور تنخواہ سے نہ کاٹے۔ حساب دیتے وقت آقا کے پاس کچھ ملنے والے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حساب دینے میں ان مہمان لوگوں کے سامنے نادم ہونا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ تمہارے پیسہ سے شربت پی لیا، اس کے برعکس خادم سودا لے کر آیا اور آقا کو حساب دینا ہی چاہتا تھا کہ آقا نے از راہ کرم کہا اجی رہنے دو، حساب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عیش کرو! اس صورت میں خادم کو آقا اور دیگر لوگوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ خداوندی میں حساب نہ لینے کی درخواست کی ہے۔

(4)

ترا قدّ مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے
اسے بو کر ترے رب نے بِنا رحمت کی ڈالی ہے

حل لغت

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بدن، جسم۔
(فیروز اللغات، ص۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۳)

گلبن: گلاب کا پودا، گلاب کے پودے کی جڑیں، کسی درخت کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہے۔ درخت، گل سرخ۔
(فیروز اللغات، ص۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)

ڈالی: شاخ، ٹہنی، چمڑے کی پٹی، ٹوکری جس میں پھول یا پھل سجا کر امراء کو پیش کئے جاتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۶۷۶)

ڈالی: بمعنی ڈالنا، بنیاد رکھنا، جوڑنا، لگانا، ملانا، رکھنا، دھرنا، پرونا۔ (فیروز اللغات، ص۶۷۶)

بِنا: جڑ، بنیاد، نیو، اصل، باعث، سبب، شروع، آغاز۔
(فیروز اللغات، ص۲۱۶ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۵)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''ڈالی'' ہے۔ اس کا مطلب ''ٹہنی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''ڈالی'' ہے۔ اس کا مطلب ''لگانا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے افضل الخلق

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو گلبن رحمت کی ڈالی یعنی شاخ سے تشبیہ دی ہے۔ اور گلبن رحمت کی ڈالی کہنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اوصاف عالیہ کی مدح وثنا ہے۔ رحمٰن ورحیم رب العالمین جل جلالہ نے اپنے محبوب اعظم کو رؤف، رحیم، رحمۃ للعالمین بنا کر کائنات پر عظیم احسان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے ''وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ''یعنی نہیں بھیجا آپ کو مگر رحمت تمام جہان کے لئے۔ جس ذات مقدسہ کو خود ان کا رب اور ان کا خالق ہی رحمت فرما رہا ہے۔ اس کی رحمت عامہ کا کیا کہنا! خالق رب العالمین اور اس کا محبوب رحمۃ للعالمین دونوں عالمین کا ذکر ہے، ایک عالمین کا رب ہے جو حقیقی مالک وخالق ہے۔ اور اس کی عطا سے اس کا محبوب عالمین کے لئے رحمت ہے تو جہاں جہاں خدا کی خدائی پائی جائے گی وہاں وہاں محبوب کی رحمت پائی جائے گی۔ اور بلاشبہ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی قدرت کے تحت ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ محبوب کی رحمت سے بہرہ مند ہے۔ حضور اقدس کی رحمت کا تذکرہ ایک دو اوراق میں ممکن ہی نہیں۔ اس کے لئے تو دفاتر درکار ہیں۔ یہاں اختصاراً شعر اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لئے کچھ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ''ڈالی'' لفظ استعمال ہے۔ پہلے مصرع میں جو لفظ ڈالی ہے وہ ٹہنی کے معنی میں ہے اور اسم ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ ڈالی ہے وہ ڈالنا، لگانا، بونا، کے معنی میں ہے۔ اور فعل ہے۔ اس اعتبار سے یہ شعر اردو ادب کی صنعت تجنیس مستوفی ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ ڈالی جو اسم ہے وہ باعتبار تشبیہ استعمال کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں جو لفظ ڈالی ہے وہ فعل ہے اور اس کا ذکر باعتبار فعل ماضی کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے ''بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے۔'' اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے کون سی ٹہنی (ڈالی) کی بنیاد (ڈالی)؟ یہ معمہ حل کرنے کے لئے

قرآن مجید کی آیات کی روشنی درکار ہے۔

اہل جنت پر اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ مَآ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ فِىۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ'' (سورہ الواقعہ، آیت ۲۷، ۳۰)

ترجمہ: اور داہنی طرف والے کیسے داہنی طرف والے، بے کانٹوں کی بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور ہمیشہ کے سایہ میں۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں مذکور ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ کی تفسیر حدیث شریف میں موجود ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ میں سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظل ممدود کی تفسیر میں فرمایا:

''اِنَّ فِی الۡجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيۡرُ الرَّاكِبُ فِیۡ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقۡطَعُهَا۔''

ترجمہ: جنت میں ایک درخت ہے اگر سو سال تک سوار اس کے سایہ میں سفر کرے تو بھی وہ ختم نہ ہوگا۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ غَرَسَهَا بِيَدِهٖ'' یعنی اللہ نے اس درخت کو خود اپنے دست قدرت سے لگایا ہے۔ علاوہ ازیں متعدد احادیث ''ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ'' کے تعلق سے وارد ہیں۔ مثلاً:

- اس کی ٹہنیاں جنت کے احاطے کے باہر تک چھائی ہوئی ہیں۔
- جنت میں جو بھی نہر ہے وہ اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہے۔
- اس کے پتوں سے جنت کو رنگ وروغن کیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔
- ''ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ'' کی تشریح میں تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ وہ سایہ دراز ہر طرف پھیلا ہوا ہے جو نہ سمٹے، نہ سکڑے، جو دائم اور باقی ہے اور کبھی بھی زائل نہ ہو یہاں تک کہ اسے سورج بھی ختم نہ کر سکے۔

"ظِلٍّ مَمْدُوْدٍ" کے جتنے بھی اوصاف ذکر ہوئے وہ تمام اوصاف آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں کامل طور پر جلوہ افروز ہیں۔

"ظِلٍّ مَمْدُوْدٍ" کے درخت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لگایا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق بھی دست قدرت کا سب سے بہترین شاہ کار ہے۔ جس طرح جنت کی ہر نہر اس درخت سے فیضیاب ہے۔ اسی طرح وہ درخت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیض یافتہ ہے۔

کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ "اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَ کُلٌّ مِّنْ نُوْرِیْ" یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور میرے نور سے سب۔ تو ثابت ہوا کہ حضور کا سایۂ رحمت تمام مخلوق پر اللہ کی رحمت کا کبھی نہ زائل ہونے والا سایہ ہے۔ اور اسی کو رحمت کی ڈالی کہنا مناسب اور موزوں ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں حضرت رضاؔ بریلوی نے "بنا رحمت کی" یعنی رحمت کی جڑ کا استعمال کر کے سارا معاملہ ہی حل کر دیا کہ کائنات میں جس کو بھی، جہاں بھی، جب بھی، جیسے بھی نعمت ملی۔ یا مل رہی ہے یا آئندہ ملے گی وہ سب اس رحمت عالم کی رحمت کا صدقہ ہے۔ جو تمام نعمتوں اور رحمتوں کی اصل اور بنیاد ہے۔

(5)

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

حل لغت:

آس: اردگرد، قرب وجوار، اغل بغل، گردوپیش، پڑوس، ایک پھل کا نام۔

(فیروز اللغات، ص۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۳۱)

آس: آشا، امید، خواہش، آرزو، آسرا، بھروسہ، سہارا، آٹا پیسنے کی چکی۔

(فیروز اللغات، ص۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۳۱)

رفاقت: ہمراہی، ساتھ، اتحاد، خیر خواہی، ہمدردی، وفاداری، معاونت، محبت، دوستی۔

(فیروز اللغات، ص۷۱۳ ☆ لغات کشوری، ص۳۲۷ ☆ کریم اللغات، ص۸۰)

ہارا: آشا، امید، خواہش، آرزو، آسرا، بھروسہ، سہارا، آٹا پیسنے کی چکی۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۲۸)

پالی: پالا کی تانیث، تعلق، واسطہ، سروکار، سابقہ، جان پہچان۔

(فیروز اللغات، ص۲۶۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ "آس" ہے اس کا مطلب "قریب، قریب" ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ "آس" ہے اس کا مطلب "امید" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے دور میں

پھیلے ہوئے فتنے اور الحاد و بے دینی کے ماحول سے دل برداشتہ ہوکراس بگڑے ماحول سے ٹکرانے میں اپنی تنہائی اور عدم حمایتی کا افسوس کرتے ہوئے بڑی حسرت سے فرماتے ہیں کہ میں اس الحاد اور بے دینی کے دور میں دین پاک مصطفیٰ کی خدمت اور نصرت کرنے میں اپنے کوتنہا محسوس کرتا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ مجھے کوئی مضبوط ساتھی مل جائے جو ''اِعلَاءِ کَلِمَةِ الْحَقّ '' کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت اور جذبہ رکھتا ہواور اس امید میں ہر طرف نگاہ دوڑاتا ہوں کہ شاید کوئی ساتھی مل جائے لیکن حال یہ ہے کہ نہ کوئی آس (گرد) ہے اور نہ کوئی پاس (قریب) ہے، الحاد و بے دینی کے لشکر عظیم سے مجھے تنہا ہی ٹکر لینی ہے ۔ میں حسب استطاعت سعی پر خلوص کر رہا ہوں اور ساتھ میں کسی معاون و ہمدرد ملت مل جانے کی امید بھی رکھتا ہوں کہ وہ میرا ہاتھ بٹائے لیکن میری آس (امید) پوری نہیں معلوم ہوتی، گویا ہمت ہار چکا ہوں ۔کوئی یار نہیں ۔کوئی رفیق نہیں ۔کوئی معین و مددگار نہیں، کوئی ساتھی نہیں ۔لیکن ان تمام حالات کے باوجود ایک ٹوٹی ہوئی آس (امید) ہے اور اسی آس نے میرے ٹوٹے ہوئے دل سے رفاقت یعنی ہمراہی و ہمدردی اور دوستی قائم کی ہے اور اسی کے سہارے میں اپنے حوصلے کو بلند رکھ کر فریضۂ اعلاء کلمۃ الحق ادا کر رہا ہوں اور حوادث زمانہ سے ٹکر لے رہا ہوں ۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ '' آس '' کا استعمال دو مرتبہ کیا ہے ۔مصرع اول میں لفظ '' آس '' کا مطلب ارد گرد، قرب و جوار وغیرہ ہے ۔اور مصرع ثانی میں لفظ آس کا مطلب امید، آشا، بھروسہ، آسرا وغیرہ ہے ۔ دونوں لفظ '' آس '' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومفہوم کے اعتبار سے متفرق ۔لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا نمونہ ہے ۔ یہ شعر حضرت رضا بریلوی کی اس نعت کا ہے جس میں آپ نے ملت اسلامیہ کے افراد کو ایمان کے لٹیروں سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمائی ہے ۔جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو ، چوروں کی رکھوالی ہے

آپ نے ملت اسلامیہ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اپنے اس کلام کے ذریعہ جھنجھوڑا ہے اور ایمان کے لٹیروں کی فریب کاریوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا ہے:

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا ، مت کیسی متوالی ہے

●

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں، یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

●

سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی ، تیری مت ہی نرالی ہے

حضرت رضا بریلوی ملت اسلامیہ کی خیر خواہی اور اس کے ایمان کے تحفظ کے لئے غایت درجہ فکرمند تھے اور آپ نے ہر ممکن کوشش کرکے بھولے بھالے مسلمانوں کو ایمان کے لٹیروں اور ٹھگوں کے دام فریب میں آنے سے بچایا اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ساعت ملت اسلامیہ کی خدمت میں صرف فرمائی ۔آپ پنے ذاتی معاملے کے لئے کبھی پریشان اور فکرمند نہیں ہوئے ۔البتہ ملت اسلامیہ کی بھلائی ،اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے آپ ہمہ وقت فکرمند اور بے چین رہے ۔آپ نے دشمنان رسول کے عقائد باطلہ کی دھجیاں اڑانے کے لئے اپنے قلم کو مسلسل حرکت میں رکھا۔ عقائد باطلہ کی تردید میں قرآن وحدیث کے قوی براہین پیش فرما کر منافقوں کو دم بخود اور مسکت کردیا۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی محبت میں کئے جانے والے جائز اور مستحسن امور کے ثبوت میں آپ نے دلائل کے انبار لگادیئے اور ملت

اسلامیہ کی بھاری اکثریت کو گمراہ ہونے سے بچالیا۔

آپ کو اپنے آقا و مولیٰ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا اور اپنے آقا و مولیٰ کی نصرت و امداد پر غایت درجہ اعتماد تھا۔ جس کی تفصیل شعر نمبر 9، 21، 27، 37، 43، 63، 65، 87، 96، 97، 104۔ کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر جو اعتماد و یقین تھا اس کا آپ نے کچھ اس طرح اظہار فرمایا ہے:

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں
ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں

●

ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں
چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں

●

جلتی جانیں بجھاتے یہ ہیں
روتی آنکھیں ہنساتے یہ ہیں

●

لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن
کون بچائے بچاتے یہ ہیں

●

مرقد میں بندوں کو تھپک کر
میٹھی نیند سلاتے یہ ہیں

آپ نے اپنے آقا و مولیٰ پر اعتماد و بھرسہ کا ذکر کرتے ہوئے مصرع ثانی میں فرمایا ہے

کہ ''ہاں ایک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے'' اور آپ کی امید یقین کے درجہ تک پہنچی ہے اور بارگاہ رسالت سے آپ پر فضل و کرم کی بے شمار نوازشیں ہوئی ہیں۔

❁......❁......❁

(6)

آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا
ماہ سنت مہر طلعت لے لے بدلا نور کا

حل لغت

بدعت: دین میں کوئی نئی بات یا رسم نکالنا، نیا دستور، نئی رسم، نیا رواج، سختی، ظلم جھگڑا، فساد، شرارت۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۸☆لغات کشوری، ص۸۹☆ کریم اللغات، ص۲۲)

ظلمت: تاریکی، اندھیرا، سیاہی

(فیروز اللغات، ص۸۸۵☆لغات کشوری، ص۷۷۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۷)

رنگ: لون، فام، رنگت، روپ، انداز، طرز، روش، وہ سفوف اور سیاہ چیز جس سے رنگتے ہیں، قسم، نوع، بہار، خوبصورتی، رونق، مانند، نظیر، دستور، قاعدہ، رسم، حال، تماشا، سیر، سماں، موسم، خون، حصہ، نصیب، طریقہ، طاقت، قوت، سلوک، برتاؤ، ہم سیر، جوڑ، مکر، حیلہ، فریب، کیفیت حالت، عیب، شرم، رنج، محنت، خوبی، زبردست، خوشی، تندرستی، غصہ، غضب، خیانت وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص۷۲۰☆لغات کشوری، ص۳۳۲ ☆ کریم اللغات، ص۸۱)

طلعت: چہرہ، شکل، رخ، دیدار، نظارہ۔ (فیروز اللغات، ص۸۸۰☆ کریم اللغات، ص۴۷۰)

بدلا: بدل جانا، تبدیل ہوجانا، اور کا اور ہوجانا، پھر جانا، مکر جانا، وعدہ خلافی کرنا۔

(فیروز اللغات، ص۱۸۸)

بدلا: انتقام، عوض لینا، معاوضہ لینا، قصاص، اجر، صلہ، احسان، بخشش۔

(فیروز اللغات، ص۱۸۸)

پہلے مصرع میں لفظ ''بدلا'' کا مطلب ''تبدیل ہونا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''بدلا'' کا مطلب ''انتقام'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کی مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین، نور مبین، سید الموحدین، ماحیٔ شرک و بدعت، قاطع ظلمات، ہادی الناس کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے پوری دنیا اور خصوصاً ملک عرب کی حالت بہت ہی خستہ تھی۔ انسانیت اور اخلاق سے لوگوں کو بہت ہی کم واسطہ تھا۔ شرک وکفر، بدعت وضلالت، ظلم و جفا، قتل و غارت، ظلمت و جہالت، بداخلاقی و بدتہذیبی، بت پرستی وشراب نوشی، حرام خوری وزنا کاری، قمار بازی وچوری اور ڈکیتی وغیرہ جیسے بے شمار امور مذمومہ کا بازار گرم تھا۔ شرم وحیا کا نام ونشان نہ تھا۔ انبیاء سابقین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات وہدایات کو لوگوں نے فراموش کردیا تھا۔ رشد وہدایت کی شمع گل ہوچکی تھی۔ بلکہ انبیاء سابقین جو پیغام توحید لائے تھے اس کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ ان کی شریعتوں کے قوانین وضوابط بھی مسخ ہوکر اصل صورت پر برقرار نہ تھے۔ بلکہ لوگ اپنی مرضی ومنشاء کے موافق اس میں تحریف وترمیم کرنے میں قطعاً جھجھک محسوس نہیں کرتے تھے۔ لوگ دین میں نئی نئی باتیں ایجاد واختراع کرتے تھے۔ دنیا نور ہدایت سے بچھڑ کر ظلمات ضلالت میں بھٹک رہی تھی۔ دین ابراہیمی صرف نام کا رہ گیا تھا۔ جس خانۂ کعبہ کو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست اقدس سے تعمیر کرکے اس کو خدا کی عبادت و بندگی کے لیے خاص فرمایا تھا وہی خانہ کعبہ بتوں کا مسکن اور گہوارہ بنادیا گیا تھا۔ الغرض کفر وشرک وضلالت کا

ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔نئی نئی باتیں اور رسمیں مذہب کے نام پر ایجاد کی جا رہی تھیں ۔ ہر طرف بدعت کا دور دورہ تھا۔اور نور یعنی ہدایت جو دین ابراہیمی کے ذریعہ پہلے قائم و رائج تھی اس کا دستور ہی تبدیل ہوگیا تھا۔لوگوں نے اپنے مفاد کے لئے آسمانی کتابوں یعنی توریت و انجیل میں بھی تحریف ورد وبدل کرنے سے احتراز نہیں کیا۔جس کے جی میں جو آتا تھا کرتا تھا۔ خوف خدا، پاس شریعت، لحاظ دین، شرم وحیا، مروت، ایفائے عہد اور ایمان وغیرہ سے خالی ہوکر لوگ عیش وعشرت، شراب وشباب، فسق وفجور اور لہو ولعب میں مبتلا تھے۔تقویٰ و پرہیزگاری، خداترسی اخلاق حسنہ، ایمانداری، دیانت داری، فرائض کی بجا آوری، ہمدردی، بردباری، شفقت ومحبت، احسان مندی، احسان شناسی اور وفاداری وغیرہ کا فقدان تھا۔شریف انسان کو شرافت سے جینا دشوار تھا۔الغرض ماحول اتنا سنگین تھا کہ بقول حضرت رضا بریلوی ''آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا'' ماحول تھا۔

اس شعر میں لفظ ''بدلا'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔پہلی مرتبہ جو لفظ بدلا ہے وہ بدل جانا، تبدیل ہونا، متغیر ہونا، مکرنا وغیرہ کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ بدلا ہے وہ انتقام، معاوضہ، اجر، قصاص وغیرہ کے معنی میں ہے۔دونوں لفظ ''بدلا'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کی مثال ہے۔

شعر کی ابتداء میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ آئی بدعت، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بدعت پہلے نہ تھی بلکہ بعد میں آئی۔اس کی وضاحت کرنے سے پہلے قارئین سے ایک ضروری گزارش یہ ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت اعتقادی ہے جو کفر اور شرک پر مشتمل ہوتی ہے۔حالاں کہ بدعت کی بہت سی قسمیں ہیں، بدعت عملی، بدعت حسنہ، بدعت سیئہ، بدعت جائزہ، بدعت مستحبہ، بدعت واجبہ، بدعت مکروہہ، اور بدعت حرام، یہاں اس کی تفصیلی

بحث ممکن نہیں، اس شعر کی تشریح کے اختتام پر ممکن ہوا تو بحث کروں گا۔ ورنہ انشاء اللہ کسی اور موقع پر۔

لفظ آئی صیغہ ماضی مونث ہے۔لفظ آیا کا اور آنا کا مطلب ہے وارد ہونا، نمودار ہونا، آپہنچنا، داخل ہونا جو جانا کی ضد ہے۔(فیروز اللغات ص ۳۲) تو حضرت رضا بریلوی کے شعر میں آئی بدعت کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مکہ معظّمہ اور دیگر جزیرہ عرب میں بدعت پہلے نہ تھی، بلکہ باہر سے بعد میں لائی گئی۔

ابو المنذر ہشام کلبی (متوفی ۸۱۹ھ) نے اپنی تصنیف ''کتاب الاصنام'' جو مصر سے ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی ہے، اس میں ذکر کیا ہے کہ پہلے عرب دین ابراہیمی پر تھے۔حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان کے صاحبزادے نابت خانۂ کعبہ کے متولی ہوئے تھے۔ان کے بعد قبیلہ جرہم متولی ہوا۔اس قبیلہ کو بیت اللہ شریف سے نکال کر قبیلہ خزاعہ کا مورث اعلیٰ عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی متولی بن گیا۔یہی عمرو بن ربیعہ عرب میں بت پرستی کا بانی اور موجد ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ عمرو بن ربیعہ بیمار ہوا۔بہت علاج ہوا لیکن صحت یاب نہ ہوا۔کسی نے اس سے کہا کہ ملک شام (syria) میں بلقاء نامی مقام پر گرم پانی کا ایک چشمہ ہے اگر تم اس میں غسل کرلو تو تندرست ہوجاؤ گے۔عمرو بن ربیعہ بلقا گیا اور چشمہ میں غسل کر کے اچھا ہوگیا۔عمرو بن ربیعہ نے ملک شام میں لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ شام کے لوگوں نے کہا کہ ہم ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے ہیں اور انھیں کے وسیلہ سے دشمن پر فتح پاتے ہیں۔یہ سن کر اس نے درخواست کی کہ ان میں سے کچھ مجھے عنایت کیجئے۔چنانچہ وہ ملک شام سے کچھ بت اپنے ساتھ لایا، اور مکہ آکر اس نے ان بتوں کو خانۂ کعبہ کے گرد نصب کر دیا اور لوگوں کو ان کی پوجا کی دعوت دی۔اس طرح ملک عرب میں بت پرستی رائج ہوئی۔

ملک عرب میں بت پرستی اتنی پھیلی کہ لوگ ہر بات میں بتوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔ توحید سے منھ موڑ کر لوگ بت پرستی میں ایسے منہمک ہوئے کہ ہر قبیلہ کا بت الگ تھا۔ ہر قبیلہ والا اپنے بت کو اپنا حاجت روا، محافظ، نگہبان اور معبود سمجھ کر اس کی پرستش کرتا تھا۔ خانۂ کعبہ کے علاوہ ہر مقام پر بت نصب کئے گئے اور ان کی پوجا کی جانے لگی۔ عرب میں جن بتوں کو بہت اہمیت اور شہرت دی جاتی تھی ان میں سے چند بتوں کے نام یہ ہیں۔ لات، عزی، منات، فلس، نسر، یعوق، یغوث، سواع، ود، ذوالخلصہ، سعد، ذوالکفین، ذوی الشری، اقیصر، نہم، رضی، سعیر، عمیانس، ہبل وغیرہ ان کے علاوہ عرب میں اور بھی کثیر تعداد میں بت تھے۔ بت پرستی کے علاوہ اور بھی بہت سارے خرافات عرب میں رائج تھے۔ ایک طائرانہ نظر سے اس وقت کے ماحول کا جائزہ لیں۔

● ستاروں کی بھی پوجا ہوتی تھی، قبیلہ حمیر سورج کی پوجا کرتا تھا، قبیلہ کنانہ چاند کو، قبیلہ بنو تمیم دبران کو، قبیلہ قیس شعری کو، قبیلہ اسد عطارد کو، قبیلہ لخم اور قبیلہ جذام مشتری کو پوجتے تھے۔

(طبقات الامم، از ابن سعد اندلسی، مطبوعہ بیروت، ص ۴۳)

● عرب میں درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی مکہ شریف کے قریب ایک بڑا سبز درخت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ سال میں ایک دفعہ وہاں آتے اور اپنے ہتھیار اس درخت پر لٹکاتے اور اس درخت کے پاس جانوروں کو ذبح کرتے۔ کہتے ہیں کہ عرب جب حج کو آتے تو اپنی چادریں اس درخت پر لٹکا دیتے اور حرم شریف میں تعظیم کی غرض سے بغیر چادر کے داخل ہوتے اسی لئے اس درخت کو ''انواطہ'' کہتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

● بتوں پر عموماً حیوانات کا خون بہایا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات تو انسان کو بھی بتوں کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ عرب میں دومہ کے باشندے سال میں ایک بار اپنے بتوں کو ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے تھے۔ اور اس لڑکے کو بھینٹ چڑھانے کے بعد اسے قربان گاہ کے نیچے

دفن کر دیتے تھے۔ (مذہب واخلاق کی انسائیکلو پیڈیا، تحت عرب قدیم)

● عرب میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت بھی رائج تھی۔ چنانچہ قبیلہ حمیر، کنانہ، بنو حارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت، قبیلہ ربیعہ، غسان اور قضاعہ میں نصرانیت اور قبیلہ بنو تمیم میں مجوسیت تھی۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کا زور اور تسلط تھا۔ خیبر میں بھی یہودیوں کی اکثریت تھی، مجوسیت بھی تھی لیکن کم تھی۔ کیوں کہ مجوسیت، بت پرستی، یہودیت سب نصرانیت میں جذب ہو گئی تھی۔ (حیات الحیوان، جزء اول، ص ۱۶۹)

● عرب میں ازواج کی کثرت تھی۔ چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے تو ان کے تحت دس عورتیں تھیں۔ علاوہ ازیں دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ضحاک بن فیروز کا بیان ہے کہ جب میرے والد ایمان لائے تو ان کے تحت دو سگی بہنیں تھیں۔ (سیرت رسول عربی، از توکلی ص ۵۳)

● جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو میراث میں پاتا، چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا ورنہ اپنے کسی بھائی یا رشتہ دار کو شادی کے لئے دے دیتا۔ (ایضاً)

● شراب خوری اور قمار بازی (جوا) معاشرہ میں عام طور سے رائج تھیں، مہمان نوازی کی طرح ان دونوں میں مال و دولت لٹانے میں لوگ فخر محسوس کرتے تھے۔ ملک عرب میں انگور یا کھجور سے جو شراب بنائی جاتی تھی وہ ان کے لئے کافی نہ تھی، اس لئے شراب بڑی مقدار میں دیگر ممالک سے منگائی جاتی تھی۔ جو بہت تیز ہوتی تھی۔ ملک شام و فلسطین وغیرہ سے شراب آتی تھی۔ (سیرت رسول عربی، ص ۵۴)

● بعض عرب اجرام فلکیہ، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ بعض تشبیہ کے قائل تھے۔ اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ توریت اور انجیل میں تحریف اور ترمیم کی جا چکی تھی۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور تین خدا کے قائل تھے۔

• قساوت قلب کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ لڑائیوں میں آدمیوں کو زندہ جلا دینا، عورتوں کا پیٹ چاک کرنا، اور بچوں کو تہہ تیغ کر دینا عموماً جائز سمجھتے تھے۔ (سیرت رسول عربی، ص۵۵)

خلاصہ یہ ہے کہ دین ابراہیمی جو عرب کا اصل دین تھا، سوائے چند رسموں کے عرب میں معدوم ہو چکا تھا۔ بجائے توحید کے عموماً بت پرستی اور دیگر مراسم شرک رائج تھے، یہ حالت صرف ملک عرب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں اس طرح کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

• اہل فارس آگ کی پوجا کرتے تھے اور اپنی ماؤں کے ساتھ وطی (ہم بستری) کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ (شرح فقہ اکبر، از ملا علی قاری)

• ترکستان کے لوگ شب و روز بستیوں کو تباہ کرنے اور بندگان خدا کو اذیت دینے میں مصروف رہتے تھے، ان کا دین بتوں کی پوجا کرنا اور ان کا کام مخلوق پر ظلم و ستم کرنا تھا۔

(سیرت رسول عربی، ص۵۵)

مذکورہ حالات کے سبب تقریباً پوری دنیا پر بے دینی اور گمراہی کے بادل چھا گئے تھے۔ اصل دین یعنی دین ابراہیمی جو اللہ کا دین تھا، جو ہدایت کا نور تھا، شریعت ابراہیمی جو نور و روشنی تھی، معرفت الٰہی کا اجالا تھی اس شریعت کو لوگوں نے اپنے ارتکاب مذمومہ سے بدل ڈالا تھا۔ اور وہ دین ابراہیمی سوائے چند رسموں کے معدوم ہو گیا تھا، دین داری کا ماحول نام کا ہی رہ گیا تھا۔ توحید کے بجائے شرک عام ہو چکا تھا۔ گویا مذہب کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ بقول رضا بریلوی ''رنگ بدلا نور کا'' ماحول ہو چکا تھا۔ ایسے پرفتن ماحول میں ایک ہادیٔ کامل کی اشد ضرورت تھی، جو ''ماہ طلعت لے لے بدلا نور کا'' کی شان عالی وقار سے، اپنے اسوۂ حسنہ سے اور دنیا کو توحید کے نور سے منور کر دے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے ''ماہ سنت'' اور ''مہر طلعت'' استعمال فرمایا ہے،

لفظ ''ماہ'' سے مراد چاند اور ''مہر'' سے مراد سورج کے علاوہ مہربانی بھی ہے۔

• لغت میں مہر کے معنی محبت، الفت، دوستی، ہمدردی، رحم اور ترس وغیرہ بھی ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۲۲) یعنی اے سنت کے چاند! آپ طلوع یعنی ظاہر ہونے کی مہربانی فرمائیں، یا اے دستور خداوندی کے ماہتاب آپ طلوع فرماؤ، یعنی دنیا کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں! کیوں کہ آپ اللہ کے نور ہیں۔ اور دنیا میں کفر و ضلالت کی گھٹا چھا گئی ہے۔ اس ظلمت کو صرف آپ کا نور منور ہی دور فرما سکتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کے مصرع ثانی کا ہر لفظ اتنا معنی خیز ہے کہ اس کی کما حقہ تشریح کرنا مجھ جیسے ناکارہ اور کم علم کے بس کی بات نہیں، ماہ سنت کا معنی تو میں نے اپنی بساط کے مطابق سنت کا چاند کیا ہے۔ لیکن یہاں سنت سے مراد دستور الٰہی زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں لفظ سنت وارد ہے۔

• ''سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِی قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلُ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا''

(پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۳)

ترجمہ: اللہ کا دستور ہے کہ پہلے سے چلا آتا ہے اور ہرگز تم اللہ کا دستور بدلتا نہ پاؤ گے۔

(کنز الایمان)

اس آیت میں سنت سے مراد دستور ہے۔ اللہ کا دستور یہ ہے کہ جب گمراہیت اور بے دینی بڑھ جاتی ہے اور لوگ اندھیروں میں بھٹکتے ہیں تو خالق کائنات، رب العالمین جو رحمٰن و رحیم ہے اپنے بندوں پر رحم فرما کر ان کی ہدایت اور بھلائی کی خاطر نبی اور رسول کو بھیجتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل اللہ کے بہت سے برگزیدہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ و السلام تشریف لائے اور ان حضرات نے اپنا فریضۂ تبلیغ و ہدایت اچھی طرح انجام دیا۔ اور پھر وہ پردہ فرما گئے، ان کے پردہ فرمانے کے بعد اب پھر گمراہیت اور ضلالت کا بازار گرم ہے اور اللہ تعالیٰ کے دستور کے مطابق اب پھر ایک ہادی و رہنما کی تشریف آوری ہونے والی ہے۔ لیکن ان ہادی کی شان یہ ہے کہ وہ دستور الٰہی کے تحت آنے والے انبیاء و مرسلین کی انجمن کا

چاند ہے۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ﷺ

اس رسولِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا شدت سے انتظار ہے، جن کی تشریف آوری کی سخت ضرورت ہے۔ جو قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ''نور'' ہے اور اس کے نور کی برکت سے ظلمت کی گھنگھور گھٹائیں بکھر جانے والی ہیں۔ اس نورِ منور کی تشریف آوری سے عالم جگمگا اٹھنے والا ہے۔ اس نور کی بارگاہ میں عرض ہے کہ ''مہرِ طلعت'' اپنا دیدار کرانے کی مہربانی کرو۔ شعر کے دوسرے جزء میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''لے لے بدلا نور کا'' اس کے ظاہری معنی تو یہ ہوئے کہ نور کا انتقام لے لے۔ لیکن اس جملے کے معنی بہت ہی اعلیٰ معیار کے ہیں جو بعد میں عرض کرتا ہوں۔ پہلے یہ عرض کردوں کہ حضرت رضا بریلوی کے اشعار کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے کئی کئی مطالب ہوتے ہیں۔ کم واقفیت رکھنے والا مجھ جیسا کم علم بلکہ بے بضاعت اس کے باطنی معنی اور رموز تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ صرف شعر کے الفاظ کو لغت سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اسی شعر کو لے لیجئے، ایک صاحب نے اس شعر کی تشریح یہ کی ہے کہ جب بدعت آئی تو ظلمت چھا گئی، تو نور کا رنگ بدل گیا۔ یعنی جلال آگیا اور کہا کہ اے سنت کے چاند! اے طلعت کے سورج! بدلا لے لے۔ اب آپ غور کریں کہ اس شرح میں شعر کا صحیح مفہوم و مطلب ہی بدل گیا۔ آخری جملہ لے لے بدلہ نور کا اتنا وسیع المعنی ہے کہ اس کی تشریح میں دفاتر مرقوم کرنے کے باوجود بھی اس کی تشریح کا حق ادا نہ ہوسکے گا۔ لے لے بدلا نور کا مطلب یہ نہیں کہ انتقام لے لے یعنی دشمنوں نے جو ظلم کیا ہے اس کے انتقام میں دشمنوں پر سختی کرو بلکہ یہاں بدلہ سے مراد نعم البدل ہے۔ اور معنی کو ذہن نشیں کرنے کے لیے وضاحت ضروری ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں لوگوں کا جو ایمان تھا

توحید الٰہی کی جو عظمت تھی جو دین کی پاسداری تھی، شریعت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی جو پابندی تھی، خدا اور رسول کی جو اطاعت تھی، دین و مذہب کا جو غلبہ تھا، لوگوں میں جو جذبۂ ایمان تھا، تقوی اور پرہیزگاری تھی، اعمال صالحہ کی جو رغبت تھی، اجتناب معاصی کا جو حوصلہ تھا، وہ بدعت و ظلمت کے دور میں کالعدم ہوگیا۔ لہٰذا دستور الٰہی کے مطابق لوگوں کی ہدایت کے لئے تشریف لانے والے گروہ انبیاء کے چاند! آپ طلعت کی مہربانی فرماؤ اور لے لے بدلا نور کا یعنی جو ماحول حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ پاک میں تھا اس سے بھی اچھا ماحول قائم فرما کر دور ابراہیم کا نعم البدل دور محمدی کو فرمادو۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں دین حنیفی ایک محدود سرحد تک ہی پھیلا تھا۔ لیکن یا رسول اللہ! آپ طلعت فرما کر، دین محمدی کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلا دو۔ دین اسلام دنیا کے تمام ادیان پر غالب آجائے اور قیامت تک غالب رہے۔

کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ ''هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ''

(پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب فرمادے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خواہ وہ مشرکین کے دین ہوں یا اہل کتاب کے دین ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطائی فرمائی اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمادیا۔ (تفسیر خزائن العرفان) قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق دین اسلام کو بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل وہ فروغ اور عروج حاصل ہوا کہ تمام ادیان مغلوب ہوگئے اور اسلام جزیرۂ عرب کی سرحدوں میں مقید نہ رہ کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ اور ملک عرب جو زمانہ جاہلیت میں شرک، کفر، بدعات اور دیگر رذائل کا مرکز و منبع تھا۔ وہ ملک

عرب شریف مالک عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے امن وآشتی کا گہوارہ بن گیا، اور صرف نور نہ ہوکر بلکہ منارۂ نور بن کر دنیا کو توحید ورسالت کی معرفت سے روشن کرنے لگا، شرک وکفر کی بدی، بدعات ومنہیات کی برائی اور دیگر افعال قبیحہ وارتکاب سیئہ کا ایسا استیصال ہوا کہ ایک زمانہ میں جو شرک کے ٹھیکہ دار تھے وہ اب توحید کے علمبردار بن گئے، اور یہی مطلب ہے لے لے بدلا نور کا کے جملہ کا۔ اس کو اور اچھی طرح سمجھنے کے لئے ایک بہت آسان مثال عرض خدمت ہے۔

کسی شہر میں شریف لوگوں کا محلّہ ہے۔ لیکن اس محلّہ میں آہستہ آہستہ کچھ بدمعاش اور غنڈے قسم کے لوگ آ کر بس گئے اور ماحول کو خراب کر دیا، محلے کے نوجوانوں کو شراب وزنا، چوری وجوا اور لوٹ مار میں ملوث کر دیا اور ایک زمانے میں جو شریفوں کا محلّہ کہلاتا تھا۔ وہ اب بدمعاشوں کے محلّہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ محلّہ کا ماحول اب اتنا خراب ہو گیا کہ برائی کے خلاف آواز اٹھانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس محلّہ کے چند محدود خاندان ہی برائی سے محفوظ تھے۔ باقی محلے کے اکثر لوگ برائیوں میں سر سے لے کر پاؤں تک غرق تھے، ایک نیک بخت شہزادہ دوسرے شہر سے یہاں چند دنوں کے لئے مہمان آیا، محلے کی حالت دیکھ کر اسے ملال ہوا۔ لیکن وہ مایوس نہ ہوا۔ اس نے برائیوں کے خلاف بہت ہی سنجیدگی سے مہم چلائی، حالاں کہ بدمعاشوں کی جماعت کے سردار بہت ہی خطرناک لوگ تھے۔ اس شہزادے نے اپنے اخلاق حسنہ اور حسن تدبیر سے غنڈوں کی اصلاح شروع کی اور چند دنوں میں یہ تبدیلی پیدا کر دی کہ جو غنڈوں کے ہمنوا تھے، جو تمام برائیوں کے دلدادہ تھے وہی ان غنڈوں کے برے ارتکاب سے بیزار ہو گئے۔ اور نیکی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اور ایک دن وہ آیا کہ اس محلّہ میں برائی بالکل باقی نہ رہی، بلکہ پہلے سے زیادہ اس محلّہ میں شرافت اور اچھائی اب نظر آنے لگی بلکہ اس محلّہ کی شرافت کا اثر پورے شہر نے لے لیا۔ محلّہ کو اچھی حالت میں واپس لانے

کے بعد وہ شہزادہ واپس چلا گیا۔ اس نے غنڈوں کے ساتھ مار پیٹ کر کے بدلہ نہ لیا۔ بلکہ برائی کو ہی نیست ونابود کر کے فضا کو برائیوں سے پاک اور منزہ کر دیا اور یہی سب سے بڑا بدلہ تھا۔ بلاتمثیل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدعت وظلمت کو دور فرما کر دین ابراہیمی سے بھی زیادہ پرچم توحید کو بلند فرمایا۔

(7)

وہ رضاؔ کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

حل لغت

نیزہ: برچھی، بھالا، بلم، کلک، قلم کی چھڑ، پتلے اور لمبے بانس سے بنایا ہوا قلم۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۹۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۹)

مار: چوٹ، ضرب، مار، پیٹ، زدوکوب، دھکا، صدمہ، آسیب، دکھ، درد، تکلیف، عذاب، رنج، کوفت، تنگی، مفلسی، ٹوٹا، خسارہ، گھاٹا، حق تلفی، خیانت، لوٹ، غارت، سزا، غضب الٰہی، وبال، کثرت، بہتات، افراط، لالچ، طمع، علاج، دفعیہ، مصلح، فریب، دغا، دھوکہ، چال، توڑ، زور، سعی، کوشش، کاروبار، خرچ، لعنت، بددعا، دھمکی، ہلاک کرنے والا، سانپ، ظالم، بے رحم۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۲)

غار: پہاڑ کی کھوہ، گڑھا، بھٹ، جنگلی جانوروں کا مسکن، جنگلی جانوروں کے رہنے کا بل، زمین پست۔ (فیروز اللغات، ص۸۹۲ ☆ لغات کشوری، ص۵۰۹)

وار: حملہ، چوٹ، مار، زخم، گھاؤ، موقع، گھات، بوجھ، بھرا ہوا، مثل، مانند، لائق، روش، دستور، باری، داؤں، الزام، بہتان، دن، روز، ڈھیر، مقدار، صدقہ، نچھاور، دریا کا قریبی کنارہ، اس طرف، ادھر، طرز، مناسب، بموجب، بموافق، پانے والا، رکھنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۰۱ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۹)

پار: گزرا ہوا سال، پچھلا سال، جھیل یا دریا کا دوسرا کنارہ، دوسری طرف، آخری حد،

تمام، عمق، گہرائی، غیر بے گانہ۔ (فیروز اللغات، ص۲۶۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۵)

غار پڑ جانا: گڑھا ہو جانا، گہرا زخم ہو جانا، ناسور ہو جانا۔ (فیروز اللغات، ص۹۰۹)

چارہ: علاج، تدبیر، مدد، مکر وفریب، درد، دوستی، سرانجام۔

(فیروز اللغات، ص۵۱۲ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۵)

جوئی: نرالی، جدا، علیٰحدہ، الگ۔ (فیروز اللغات، ص۴۸۶)

چارہ جوئی: استغاثہ، یا دعویٰ کرنا، نالش وفریاد کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۵۱۲)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''وار'' کا مطلب ''موقع'' ہے۔

دوسرے مصرع میں درمیان والے دوسرے لفظ ''وار'' کا مطلب ''زخم'' ہے۔

دوسرے مصرع میں تیسرے لفظ ''وار'' کا مطلب ''بھرنا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت کے گستاخ اور بے ادب ملت اسلامیہ کے عدو یعنی دشمن فرقوں پر اپنے قلم کی ضرب کاری کا تذکرہ فرما رہے ہیں اور ''وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ'' پر عمل کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے ساتھ ساتھ دشمنان رسول کو للکار بھی رہے ہیں کہ اے بارگاہ رسالت کے گستاخو! اے دشمنان رسول! دنیوی مال ومتاع اور جاہ ومنصب کی لالچ میں آکر چند سکوں کے عوض اپنی دولت ایمان فروخت کر کے تم قرآن کی آیات کے غلط تراجم اور احادیث رسول کے غلط معانی ومطالب بیان کر کے تعلیمات دین کی آڑ میں ملت اسلامیہ کے ایمان پر ڈاکا ڈالتے ہو۔ اگر تم میں دم خم ہے تو میدان دلائل وبراہین میں آؤ اور بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلام کے نیزے یعنی قلم سے مقابلہ کرو۔ لیکن الحمد للہ! در مصطفیٰ کے ادنیٰ غلام احمد رضا کے نیزے کی وہ مار

ہے کہ اس نیزے کا وار دشمنان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے میں غار یعنی پہاڑ کی مانند گہرا زخم کردیتا ہے۔ اور رضا کے قلم (نیزے) کا جو وار (زخم) ہے وہ وار (بھرنے) سے پار یعنی غیر ممکن ہے اور اس زخم کی چارہ جوئی یعنی علاج، مدد یا استغاثہ وفریاد کرنے کا کسی کو وار (موقع) نہیں ملتا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''وار'' کا استعمال تین مرتبہ فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ وار ہے اس کا مطلب موقع ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ وار ہے اس کا مطلب بھرنا ہے۔ تینوں لفظ وار حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے قلم کو نیزہ سے تعبیر کیا۔ حالاں کہ قلم کے لئے اردو زبان میں کلک، خامہ وغیرہ الفاظ بھی وارد ہیں۔ اور لفظ نیزہ بھی قلم کے معنی میں مستعمل تو ہے لیکن بہت کم، لفظ نیزہ کا زیادہ تر استعمال برچھی، بھالا اور بلم کے لئے ہوتا ہے، اور یہ تینوں چیزیں آلات جنگ میں سے ہیں۔ ان کا استعمال دشمن پر حملہ کرنے، اس کو زخمی کرنے، یا اس کا سر قلم کرنے، یا اس کا سینہ چاک کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ عوام کی اصطلاح میں لفظ نیزہ بولنے سے لڑائی کا ہتھیار بھالا ہی مراد ہوتا ہے۔ حالاں کہ نیزہ کا معنی قلم صحیح ہے۔

صحت معنی کے باوجود اس کا استعمال قلم کے معنی میں شاذ ونادر ہے۔ بلکہ نیزہ بمعنی بھالا ہی مشہور ہے۔ قلم کے لیے کلک، خامہ یا قلم ہی لفظ اکثر وبیشتر استعمال کیا جاتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام میں اس کا استعمال اس طرح فرمایا ہے:

بس خامۂ خام نوائے رضؔا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

●

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلم دان گیا

●

کلک رضؔا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

مذکورہ اشعار میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ خامہ، قلم اور کلک استعمال فرمایا ہے۔ لیکن اس وقت ہم جس شعر کی تشریح کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس میں قلم کے بجائے لفظ ''نیزہ'' استعمال فرمایا ہے۔

ویسے باعتبار لغت قلم، کلک، خامہ اور نیزہ ہم معنی الفاظ ہیں۔ لیکن ان کا استعمال سیاق و سباق اور موقع ومحل کی مناسبت کے اعتبار سے بدلتا ہے۔ مثلاً: کسی کو انعام واکرام کے طور پر کوئی جاگیر یا دستاویز تحریر کرنے کے لیے لفظ قلم کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے دستاویز قلم بند کرنا۔ یہاں پر دستاویز نیزہ بند کرنا نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح محرر اور منشی کو قلم زن کہا جاتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۹۲۲) اب اگر کوئی شخص قلم اور نیزہ کو ہم معنی گردان کر اور سیاق وسباق کا لحاظ نہ کرتے ہوئے منشی جی یا محرر صاحب کے لئے قلم زن کے بجائے نیزہ زن اور قلم کار کے بجائے نیزہ باز کا لقب استعمال کرے تو معنی میں فتور لاحق ہوں گے، کیوں کہ لغوی اعتبار سے نیزہ باز کے معنی ہیں بلم بردار یا بھالا لے کر جنگ کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۹۳)

الحاصل! قلم، کلک، خامہ اور نیزہ چاروں الفاظ ہم معنی ہونے کے باوجود ان کا استعمال سیاق وسباق کے اعتبار سے بدلتا ہے۔ قلم، کلک اور خامہ عام تحریر کے وقت کسی کی تعریف میں یا فن وادب یا علمی بات مرقوم کرنے میں مستعمل ہیں، لیکن لفظ نیزہ کا قلم کے معنی میں استعمال اسی وقت ہوتا ہے جب کہ قلم سے دشمن کی ہجو کی جائے یا کسی کے لئے کوئی سزا تجویز کی جائے یا کسی کو صدمہ پہنچایا جائے یا کسی کے الزامات واتہامات کا دندان شکن رد لکھا جائے۔ ایسے

ماحول میں قلم کے لئے لفظ نیزہ کا استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیوں کہ اس وقت قلم کے ذریعہ مخالف کو مجروح وزخمی کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ایک بات اور بھی ہے کہ نیزہ آلات جنگ میں سے ہے اور نیزہ کا استعمال ہمیشہ حملہ اور وار کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اور دفاع یعنی بچاؤ کے لئے ڈھال ہوتی ہے۔ ڈھال حملہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ دفاع اور حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ تو جب نیزہ کا استعمال حملہ کر کے دشمن کو قتل وزخمی کرنا ٹھہرا، لہٰذا قلم کے ذریعہ دشمن پر وار کیا جانا ممکن ہوا اس وقت قلم کو نیزہ سے تشبیہ دے کر استعمال اس لیے درست ہوتا ہے کہ اس سے بھی مخالف مجروح ہوتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیزہ کے علاوہ تلوار، چھری، برچھی، سیف وغیرہ آلات بھی زخم پہنچانے کے لیے ہیں۔ اور ان سب کے ذریعہ بھی دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ علمی جنگ میں استعمال ہونے والے قلم کو نیزہ کہا جاتا ہے۔ سیف، تلوار، چھری یا برچھی نہیں کہا جاتا؟ اس کی کئی وجوہات ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تلوار، برچھی، چھری وغیرہ نیزہ کے مقابل چھوٹی ہیں۔ نیزہ ان آلات حرب سے لمبا ہوتا ہے اور دشمن پر فاصلے سے وار کرنے میں آسانی ہوتی ہے جب کہ تلوار، چھری یا برچھی کا وار کرنے کے لئے مدمقابل سے بہت قریب ہونا پڑتا ہے اور اس صورت میں دشمن کے حملہ کا نشانہ بننا زیادہ ممکن ہوتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نیزے کا وار زیادہ تر سینہ یا سر اور حلق پر ہوتا ہے اور سامنے سے ہوتا ہے، پیٹھ کے پیچھے سے بہت ہی کم وار ہوتا ہے۔ پیٹھ کے پیچھے سے وار کرنا بزدلی اور نامردی کی علامت ہے۔ اور سینے پر سامنے سے للکار کر وار کرنا بہادری اور جواں مردی کی علامت ہے۔

مختصر یہ کہ نیزہ بمقابل دیگر آلات جنگ نمایاں، محفوظ اور بہادری سے جنگ کرنے کی علامت ہے۔ لہٰذا قلم کو نیزہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ قلم کا وار کرنے والا اپنے مقابل سے قریب نہیں ہوتا بلکہ فاصلہ اور دوری پر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں قلم سے وار کرنے والا ہمیشہ اپنے نام سے مضمون شائع کرتا ہے اور اپنے تردیدی بیان میں مخالف کو للکارتا ہے۔ اپنے براہین و

شواہد کی تیز دھار سے دشمن کے سینے کو چھلنی کرتا ہے۔ ملامت گر کی ملامت سے بے پرواہ بہادری اور دلیری سے قلم کا جوہر دکھاتا ہے۔

لہٰذا صاحب قلم کی دلیری اور بے باکی کے پیش نظر اس کے قلم کو نیزہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ لغت میں نیزہ اس قلم کو کہتے ہیں جو پتلے اور لمبے بانس سے بنایا گیا ہو، حالاں کہ چھوٹے قد کے قلم کو بھی قلم ہی کہتے ہیں اور درمیانی قد کے قلم کو کلک یا خامہ کہتے ہیں، لیکن ان چھوٹے اور درمیانی قد کے اقلام پر نیزہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی بھی اکثر لمبے اور پتلے بانس کے تراشے ہوئے قلم سے تصنیف و تالیف فرمایا کرتے تھے لہٰذا ان تمام وجوہات کی بناء پر حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

''وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے'' اس جملے میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''مار'' کا استعمال فرمایا ہے۔ مار کے لغوی معنی چوٹ، ضرب، مار، پیٹ، زد وکوب، دھکا، وغیرہ ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۸۱) اس اعتبار سے شعر کے ابتدائی جملے کا مطلب یہ ہوا کہ رضا کے قلم کی وہ چوٹ ہے، یا ضرب ہے، یا زدوکوب ہے یا دھکا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قلم کی لمبائی ایک بالشت ہوتی ہے۔ ایک بالشت لمبے اور ایک انگشت چوڑے اور وہ بھی بانس جیسی نرم لکڑی سے بنے ہوئے قلم سے کسی کو چوٹ کرنا ممکن نہیں۔ قلم سے کسی کو ضرب لگانے کی صورت میں خود قلم ہی ٹوٹ کر رہ جائے گا۔ مضروب کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ وہ زخمی اور مجروح نہ ہوگا۔ تو پھر قلم کی مار کا مقصد کیا؟

جیسا کہ ابھی تمہید میں گزرا کہ نیزہ سے اکثر وبیشتر سینہ پر وار کیا جاتا ہے اور سینہ پر کیا گیا وار مہلک اور کارگر ہوتا ہے۔ نیزہ کی ہیئت سے قلم کے ذریعہ کیا گیا وار بھی ہمیشہ مخالف کے سینہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بلکہ اہل ضمیر کے نزدیک نیزے کے وار سے قلم کا وار شدید تر ہوتا ہے۔ نیزے کا زخم تو بھر سکتا ہے۔ مگر قلم کا زخم جلدی مندمل نہیں ہوتا، اسی لئے اردو زبان میں ایک مثل

مشہور ہے کہ ''تلوار کا گھاؤ بھر جاتا ہے، زبان کا نہیں'' یعنی طعن وتشنیع کا اثر دل سے کبھی نہیں جاتا۔(فیروز اللغات ص ۳۷۷)

قلم زبان کی ترجمانی کرتا ہے۔ بلکہ زبان سے نکلی ہوئی بات کو الفاظ کی زنجیروں میں مقید کرکے اسے ثبات و دوام بخشتا ہے۔قلم کی طاقت کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اور سلطنتیں جھک گئی ہیں، قلم کی مار سے زخمی ہونے والا کبھی صحت یاب نہیں ہوا ہے۔قلم کی غیر محصور طاقت کے سبب اردو زبان میں قلم کے تعلق سے کئی مثل اور کہاوت رائج ہیں۔مثلاً: قلم جاری رہے یعنی حکم چلتا رہے۔حکومت برقرار رہے(فیروز اللغات، ص ۹۶۳) قلم زد کرنا یعنی کسی چیز کو مٹا دینا، کاٹ دینا وغیرہ (فیروز اللغات، ص ۹۶۲) قلم روشن رہے یعنی حکومت قائم رہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ قلم کی طاقت کا اندازہ نہیں ہوسکتا آج کے پرفتن دور میں منافقین کے ساتھ قلمی جنگ جاری ہے۔ پہلے کے زمانے میں تلوار، بلم، برچھی، بھالے تیر وتفنگ وغیرہ سے جنگیں لڑی جاتی تھیں۔لیکن دور حاضر میں قلمی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ پہلے عیسائی، یہودی، رومی، مجوسی، کافر، مشرک اور دیگر ادیان باطلہ کے متبعین متفق ہوکر اسلام سے لڑے تھے لیکن اسلامی لشکر کے بہادر جاں نثار مجاہدین کے سامنے ان کا کوئی بس نہیں چلتا تھا۔اسی طرح آج کے پرفتن دور میں نجدی، وہابی، دیوبندی، تبلیغی، غیر مقلد، نیچری، چکڑالوی، قادیانی وغیرہ باطل فرقے متحد اور متفق ہوکر اہل سنت و جماعت سے ٹکراتے ہیں، لیکن ان کا کچھ بس نہیں چلتا اور ان کا حربہ کارآمد نہیں ہوتا کیوں کہ اہل سنت و جماعت کے امام اہل سنت، بہادر مجاہدین کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں نیزہ (قلم) لئے ہوئے قلمی میدان جنگ میں سینہ سپر ہیں، منافقوں کو اپنے نیزے (قلم) سے ضرب کاری لگا کر ان کے سینوں کو چھلنی کرنے کے لیے برسرپیکار ہیں۔عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پرچم ہرسو لہرانے کے لیے آمادہ ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر کے مصرع اول میں فرمارہے ہیں کہ وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے۔یعنی رضا کا نیزہ (قلم) دشمن پر ہی وار کرتا ہے۔ یہاں جن اعداء کا ذکر ہے اس سے مراد کون ہیں؟ اور ان پر رضا کے نیزے کی مار کیوں اور کس طرح پڑی؟ اس کی کچھ مختصر گفتگو یوں ہے۔مسلمانوں کا اتحاد پاش پاش کرکے ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے ناپاک ارادوں سے حکومت برطانیہ نے وہابی نجدی فرقہ ایجاد کیا۔اس فرقۂ باطلہ کے مورث اعلیٰ اور موجد مولوی ابن عبدالوہاب نجدی، مولوی اسماعیل دہلوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی غلام احمد قادیانی، مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم نے اپنی رسوائے زمانہ کتابوں میں گندی اور گستاخانہ عبارتیں لکھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کھلی ہوئی گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں اور اس پر طرفہ یہ کہ اپنی ان کفری عبارات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیات کے غلط تراجم وتفاسیر اور احادیث نبوی کے جھوٹے مفاہیم تراش کر غلط استدلال کیا اور اپنے غلط نظریات کو عین اسلامی و ایمانی قرار دیا۔قرآن و حدیث کے نام اور ان کی ریاکاری اور تقیہ بازی پر مشتمل ظاہری ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے بھولے بھالے اور سیدھے سادے مسلمان دام فریب میں آگئے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مذہب کے نام پر پھیلائی جانے والی لامذہبیت نے ماحول کو پراگندہ بنا رکھا تھا۔حکومت برطانیہ کی پشت پناہی اور صاحب اقتدار لوگوں کی شمولیت و اعانت کی وجہ سے ان کے خلاف بلند کی جانے والی ہر آواز کو بزور بازو دبا دیا جاتا تھا۔فرقۂ باطلہ کا لٹریچر کوڑیوں کے دام فروخت یا مفت تقسیم ہوتا تھا۔مسلمان آپسی خانہ جنگی میں مذہب کے نام پر الجھ گئے تھے۔حق کیا اور باطل کیا ہے؟ اس کا امتیاز بآسانی عوام المسلمین کے لئے دشوار ہوگیا تھا۔کیوں کہ دونوں فریق اپنے حق اور صادق ہونے کے ثبوت میں قرآن و احادیث کے دلائل و براہین پیش کرتے تھے۔لوگ اس بنا پر شش و پنج کی

گہری کھائی میں گر گئے تھے۔ ایسے سنگین ماحول میں امام احمد رضا محدث بریلوی تن تنہا ان فتن سے ٹکرائے اور اپنے قلم کا جوہر دکھا کر دشمنان رسول کے گروہ میں ماتم برپا کر دیا۔ حضرت امام احمد رضا کے دور میں تقریباً ایک سو سے زائد فتنوں نے سر اٹھایا تھا اور حشر برپا کر رکھا تھا۔ ان میں اہم فتن یہ تھے۔

- امکان کذب باری تعالیٰ۔
- عدم اعتقاد علم غیب انبیاء و اولیاء۔
- نفاذ شرک در استغاثہ وتوسل مع انبیاء و اولیاء۔
- انکار عقیدۂ ختم نبوت۔
- توہین انبیاء و اولیاء۔
- حرمت ذبیحہ برائے ایصال ثواب۔
- انکار حیات انبیاء۔
- دعویٰ تماثل مع انبیاء کرام۔
- انکار شفاعت مصطفیٰ۔
- عدم جواز تقبیل ابہامین عند سماع اسم النبی۔
- عدم جواز کتابت علی الکفن۔
- عدم جواز معانقہ عید۔
- عدم جواز سفر زیارت مزارات اولیاء۔
- انکار معراج جسمانی۔
- حلت اکل زاغ۔
- انکار ایمان ابوین کریمین لرسول اللہ۔
- عدم جواز اذان قبر۔

- انکار اختیارات وتصرفات انبیاء و اولیاء۔ وغیرہ

ان فتنوں نے مسلمانوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا اور ان تمام فتنوں کا اصل مقصد و منشاء صرف اور صرف توہین وتنقیص انبیائے کرام اور اولیائے کرام تھا۔ ان تمام فتن کے رد و ابطال کے لئے حضرت رضا بریلوی نے کمر باندھی، معرکۃ الآراء شہرۂ آفاق تصانیف کے ذریعہ دلائل وشواہد کے انبار لگا دیئے اور اپنے نیزے (قلم) کو ہر وقت جنبش میں رکھا اور اس نیزے کی چقاچاق سے اعدائے دین لرزنے اور کانپنے لگے۔ کیوں کہ رضا کے نیزے (قلم) کی ضرب کی تاب لانے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ حضرت رضا نے اپنی حیات میں تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان میں سے کسی بھی کتاب کا مدلل جواب یا رد لکھنے سے آج تک فرقۂ باطلہ کے علماء عاجز وقاصر رہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دور میں کل کتنے فتنے تھے؟ ان فتنوں کی کیا تفصیل تھی؟ ان فتنوں کے رد میں حضرت رضا نے کون کون سی کتاب لکھی؟ اس کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے فقیر کی کتاب ''امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر'' کا ضرور مطالعہ کریں۔

بات کہاں سے کہاں نکل گئی، آیئے! ہم پھر حضرت رضا کے شعر میں مستعمل لفظ عدو پر گفتگو کریں۔ لفظ عدو کے لغوی معنی ہیں دشمن، بدخواہ، مخالف، وغیرہ۔ شعر میں حضرت رضا اپنے نیزے (قلم) سے دشمن کے سینے میں زخم لگنے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ تو وہ عدو یعنی دشمن کیا ان کے ذاتی دشمن تھے؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے کبھی بھی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں کی۔ حدیث شریف کے فرمان عالی، ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ'' یعنی اللہ ہی کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے عداوت۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ''

ترجمہ: جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے دشمنی کی اور اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے روکا، تو بیشک اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

ان دونوں احادیث پر حضرت رضا بریلوی نے کامل طور پر عمل کیا۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی آیت کریمہ ''لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَ ہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَ ہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ وَ یُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔'' (سورۂ مجادلہ، آیت ۲۲)

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔ اور انہیں باغوں میں لے جائے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ۔ یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ کی جماعت کامیاب ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت مقدسہ کا ماحصل یہ ہے کہ سچا مومن اللہ اور رسول کے معاملہ میں کسی کی بھی رعایت نہیں کرتا اگر اللہ و رسول کا دشمن اس کا باپ ہو، یا بیٹا ہو، یا بھائی ہو، یا کوئی رشتہ دار ہو، مومن کبھی بھی اس کی رعایت نہیں کرتا اور جو اس طرز عمل کو اختیار کرتا ہے اس کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان نقش فرما دے گا اور اپنی طرف سے فرشتوں کے ذریعہ اس کی مدد فرمائے گا اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ وہ اللہ سے راضی اور اللہ اس سے راضی ۔ اور وہ اللہ کی جماعت والا کہلائے گا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس آیت کریمہ پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے دنیا میں ضرب المثل ہوئے۔ انہوں نے اللہ اور رسول کے مقابلے میں اپنے باپ، بیٹے، بھائی یا کسی رشتہ دار کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

- عبداللہ بن ابی بن سلول منافقین کی جماعت کا رئیس اور سردار تھا، اس کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخلص مومن اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منافق باپ عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر حضور چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر اتار کر لے آؤں؟ کیوں کہ اس منافق نے یہ کہا تھا کہ ''لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡہَا الۡاَذَلَّ '' یعنی اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور ہم عزت والے وہاں سے ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔ (معاذ اللہ) اور اس نے اَعَزُّ یعنی عزت دار سے خود کو اور اَذَلَّ یعنی ذلیل تر سے اصحاب رسول کو مراد لیا تھا۔ یہ ناپاک جملہ کہنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جب مدینہ لوٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر شہر کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ جب وہ قریب آیا تو حضرت عبداللہ نے اپنے منافق باپ سے کہا اب تو اپنی زبان سے یہ کہہ کہ ''اَنَا اَذَلُّ النَّاسِ وَ اَصۡحَابُ مُحَمَّدٍ اَعَزُّ النَّاسِ '' یعنی میں لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور اصحاب رسول لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ اگر تو اپنی زبان سے اس کا اعتراف نہیں کرتا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق اپنے بیٹے کی بات سن کر حیرانی میں پڑ گیا اور اس نے بیٹے سے کہا کہ تو سچ کہتا ہے اور ایسا ہی کرے گا۔ حضرت عبداللہ نے اپنے منافق باپ سے فرمایا کہ ہاں! میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اپنے بیٹے کے تیور دیکھ کر وہ منافق لرز گیا اور اپنی جان بچانے کے لئے اپنی زبان سے مذکورہ الفاظ ادا کئے اور اس کا اقرار کیا۔ تب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۳۱)

- امین ملت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار عشرۂ مبشرہ یعنی ان دس اشخاص میں ہوتا ہے جن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت

دی ہے۔ وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالی عنہ جنہوں نے جنگ احد میں اپنے باپ عبداللہ کو قتل کردیا۔ نیز اپنے حقیقی باپ کو دنیا سے مٹانے کے بعد باپ کے نام کو بھی ہمیشہ کے لئے مٹادیا۔ اورتاحیات اپنے نام مبارک کے ساتھ اپنے دادا کا نام لکھتے تھے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۸۰)

- امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں اپنے بیٹے کو جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔ مبارزت یعنی اپنے سامنے لڑنے کے لئے طلب فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۸۰)
- حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حقیقی بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا۔ (ایضاً)
- جنگ بدر میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رشتہ دار ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔
- اسی طرح حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رشتہ دار شیبہ بن ربیعہ کو اور حضرت عبید بن الحارث نے عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۱۴۹)

- امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا۔ (تفسیر خزاین العرفان، ۹۸۰)
- حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نامی دو حقیقی بھائی تھے۔ ان میں سے چھوٹا بھائی پہلے ایمان لے آیا ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس یہودی شخص کو قتل کرنے پر مقرر فرمایا تھا جو بہت بڑا فسادی تھا۔ چھوٹے بھائی سے ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم اس آدمی کو مارڈالو گے جس کی نعمتوں کے آثار ہمارے پیٹ کی چربیوں میں ہیں؟ چھوٹے بھائی نے جواب میں کہا کہ کیا ہوا؟ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے حکم دیں

کہ میں تجھے مارڈالوں، میں اسی وقت تجھے قتل کردوں گا۔ چھوٹے بھائی کی زبانی یہ بات سننے کے بعد بڑا بھائی اپنے گھر آیا اور انصاف سے سوچنے لگا اور کہنے لگا کہ عجیب دین ہے جسے تو نے اختیار ہے۔ اس سے تیری کتنی محبت ہے؟ اس کے بعد بڑا بھائی بھی مسلمان ہوگیا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ محدث عبدالحق دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص ۵۳۱)

مذکورہ تمام واقعات اس امر کی نشاندہی کررہے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اللہ و رسول کے معاملہ میں اپنے باپ، بیٹے، رشتہ دار یا کسی بھی عزیز کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ حضرت رضا بریلوی نے صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چل کر سورۂ مجادلہ شریف کی مذکورہ آیت مقدسہ پر کامل طور پر عمل کیا، بلکہ اس آیت کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا اور علی الاعلان للکارتے ہوئے فرمایا:

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

حضرت رضا بریلوی نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمنوں سے اپنی علمی جنگ جاری رکھی اور اپنے نیزے (قلم) کے وار سے وہابیت کے سینے کو چھلنی کرتے رہے اور اپنے اعزاء و متوسلین کو اس کی تلقین کرتے رہے۔

شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں ''وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے'' اس مصرع کے لفظ نیزہ، مار اور عدو کی مختصر وضاحت قارئین نے ملاحظہ فرمائی اب سینے میں غار ہے پر کچھ التفات فرمائیں۔ سینے میں غار کے ذریعہ حضرت رضا بریلوی نے اپنے نیزے (قلم) کے وار کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ رضا کے نیزہ کی ضرب پڑی تو دشمن کا سینہ غار ہوگیا، یعنی کہ مثل غار کے زخم پڑ گیا۔ لفظ غار کا استعمال فرما کر حضرت رضا نے شعر کو معنی خیز بنادیا ہے۔ غار کے لغوی معنی پہاڑ کی کھوہ، گڑھا، بھٹ وغیرہ ہے۔ پہاڑ کی کھوہ، گڑھا اور بھٹ

وغیرہ کی ہیئت ایک مسکن کی طرح ہوتی ہے جس میں آدمی یا جانور پناہ لے سکتا ہے اور اس میں ٹھہر سکتا ہے اس کھوہ کا عرض وطول اکثر یکساں ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کھوہ اور بھٹ سخت پتھر میں ہی ہوتا ہے۔ نرم مٹی یا ریت کے ڈھیر میں غار نہیں۔

(8)

دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشقی عشق انتما کے واسطے

حل لغات:

برکات: برکت کی جمع، زیادتی، بہتات، کثرت، نیک بختی، نعمت کی زیادتی، خوش قسمتی، رونق، عروج، بنئے تولتے وقت پہلے تول پر ایک کی بجائے برکت کہتے ہیں، افزائش۔ (فیروز اللغات، ص ۱۹۶ ☆ لغات کشوری، ص ۹۴)

عشق: محبت، فریفتگی، پریم، پیار، چاہ، شوق، خواہش، عادت، لت، سلام رخصت۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۷ ☆ لغات کشوری، ص ۴۹۲)

عشقی: عشق سے منسوب ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۷)

عشقی: حضرت سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی علیہ الرحمۃ کا تخلص ہے۔

انتما: انتساب، نسبت عشق رکھنے والا، بڑھنا، افزوں ہونا، پھولنا۔ (لغات کشوری، ص ۶۴)

پہلے مصرع میں پہلے والے لفظ ''برکات'' کا مطلب ''نعمتیں'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''برکات'' کا مطلب ''کثرت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ خداوندی میں استدعا کرتے ہیں کہ اے رب العالمین! مجھے دین اور دنیا کی نعمتوں اور برکتوں سے ہم کنار کر دے، اور وہ برکتیں مجھے تھوڑی نہیں بلکہ کثرت سے عطا کر اور اے خالق کائنات مجھے

عشق حق دے، عشق سے نسبت رکھنے والے عشقی یعنی حضرت سیدی شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ عنہ کا تجھے واسطہ۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی، حالاں کہ لغوی معنی بھی وضاحت سے نہیں کئے گئے۔ آئندہ سطور میں وضاحت کی جائے گی، اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا نے دو مرتبہ لفظ ''برکات'' کا استعمال فرمایا ہے۔ دونوں جگہ یہ لفظ اسم ہے لیکن دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا تجنیس کامل مماثل کی صنعت ہوتی ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ برکات ہے اس کے معنی ہیں نعمتیں اور دوسری مرتبہ جو لفظ برکات ہے اس کا مطلب کثرت و زیادتی ہے۔ یعنی نعمتیں وہ بھی بہت زیادہ لیکن وہ نعمتیں صرف دنیوی نہیں بلکہ ساتھ میں دینی ہوں بلکہ دین کو ترجیح دیتے ہوئے دین کو مقدم لا کر آپ نے پہلے دین کی نعمتیں مانگی ہیں۔ اور دین کی نعمتوں کے صدقہ میں دنیا کی نعمتیں چاہی ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے مصرع اول میں مالک بے نیاز سے دل کھول کر مانگا۔ عطا کرنے والے کے خزانے میں جب کمی کا امکان ہی نہیں تو پھر مانگنے میں کیوں کوتاہی کی جائے، جب مانگ ہی رہے ہیں تو جتنا ہو سکے زیادہ ہی مانگ لیا جائے۔ اور اس نظریہ کی تائید مصرع کے ابتداء کے الفاظ کر رہے ہیں دین اور دنیا کی نعمتیں کیا کیا ہیں؟ اس کا تو ہم شمار ہی نہیں کر سکتے بلکہ ممکن ہی نہیں۔ اللہ کی نعمتوں کی تعداد و حصار ناممکن ہے کہ قرآن میں تمام ذریت انسانی کو للکار کر اعلان کیا گیا ہے ''وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' یعنی اللہ کی نعمتوں کو تم گننا چاہو تو نہیں گن سکتے۔ اسی طرح سورۂ رحمٰن میں تو تکرار کے ساتھ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے لوگو! تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

الحاصل! اللہ کی نعمتیں شمار اور تعداد میں منحصر کرنا محال ہے۔ حضرت رضا بریلوی اپنے رب غنی و حمید سے دین و دنیا کی لاتعداد نعمتیں مانگ رہے ہیں اور ان بے شمار نعمتوں کو بھی کثرت سے مانگ کر ملت اسلامیہ کو یہ مزاج دے رہے ہیں کہ جب خدا سے مانگو تو فراخ دلی

سے مانگو۔ جتنا ہو سکے اتنا زیادہ مانگو مانگنے والا لیتے لیتے تھک جائے گا مگر وہ دینے والا کریم مولیٰ نہیں روکنے والا۔ مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں کہ ''عشق حق'' دے۔ ظاہری معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ سچا عشق دے۔ لفظ حق کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں بھی اس کے بہت معنی وارد ہیں۔ مثلاً: سچ، صدق، لائق، واجب، ثابت، فرض، جائز، انعام وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۱)

عشق کے لغوی معنی حل لغات میں درج ہیں۔ اس کے صرف ایک ہی معنی محبت ہی کو لیجئے، عشق یعنی محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ محبت کا اثر سیدھا دل پر ہوتا ہے۔ اور نتیجتاً دل جوش و جذبات سے متأثر ہو کر بے خود ہو جاتا ہے۔ عالم بے خودی میں راہ عشق کی مسافت جلد از جلد طے کر کے منزل مقصود تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے اور جلد بازی میں اپنے قدم صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں مطلقاً نہیں سوچتا۔ لہٰذا خطا کا امکان زیادہ رہتا ہے۔ علم نفسیات اور علم تصوف کے ضوابط کے مطابق انسان کے جسم کے تمام اعضاء دل کے متبوع ہوتے ہیں۔ کیوں کہ آدمی کے دل میں جو آتا ہے وہی کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل دیگر اعضائے بدن بجالاتے ہیں۔ برعکس اس کے دل دیگر اعضا کا تابع نہیں ہوتا بلکہ خود مختار ہوتا ہے اسی لئے اردو زبان کے محاورات میں آزاد یا خود مختار آدمی کو دل کا بادشاہ کہتے ہیں۔ دل کو بادشاہ کا منصب ضرور حاصل ہے مگر وہ بے چارہ بھولا ہوتا ہے کسی کے دام فریب میں بہت جلد گرفتار ہو جاتا ہے۔ آدمی کی عقل کو ماہرین نفسیات وزیر کی حیثیت دیتے ہیں۔ اس وزیر (عقل) کا کام ہوتا ہے۔ بادشاہ (دل) کو مشورہ دینا اور غلط فیصلوں سے روکنا۔ حالاں کہ وزیر ضرورت سے زیادہ چالاک ہے۔ اس میں سوءِ ظن (Negative thinking) کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ صرف دل کے فیصلے پر چلنے میں بھی خطرہ ہے اور صرف عقل کے پروں سے پرواز کرنا بھی مہلک ہے۔ دل اور دماغ دونوں کا مشترکہ فیصلہ مفید ہے۔ اسی لئے اردو زبان میں کسی اہم اور پیچیدہ معاملے

کے فیصلے کے وقت کہا جاتا ہے کہ ''دل و دماغ سے سوچو'' صرف دل کا فیصلہ اسی لئے خطرناک ہے کہ دل میں جب ایک بار کوئی بات گھر کر جاتی ہے تو آدمی اس کو راست اور درست مانتا ہے اور اپنے اعتقاد کو ہی حق مانتا ہے۔ چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں دل اپنے فیصلے کے مقابلہ میں کسی کی بات قبول نہیں کرتا۔ چاہے وہ بات سو فیصد حق ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے فیصلے کے حق ہونے کے گمان کی اسے بیماری لگ جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہے:

''فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ'' یعنی ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اور اسی بیماری کی وجہ سے دل میں گھس کر قبضہ کر لینے والی غلط بات دور نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی سچی بات اندر جا سکتی ہے۔ دل مقفل ہو جاتا ہے اسی بات کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ'' یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔

دماغ یا عقل یعنی جسم کا وزیر اپنی رائے اور فیصلے کے حق ہونے کے اصرار میں ضد کی حد تک پہنچ کر حق و صداقت سے منحرف ہو کر کذب وابطال کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے اور آدمی کو دینی، دنیوی اور سماجی اعتبار سے مفلوج کر دیتا ہے۔ بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی غلط نظریات اور فاسد خیالات کا شکار ہو کر سچائی کی مخالفت اور برائی کی موافقت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اسی لئے تو قرآن مجید میں متنبہ کیا گیا ہے ''اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ'' بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اسی طرح حدیث میں ارشاد ہے ''ظُنُّوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ خَیۡرًا'' کہ مومن کے ساتھ اچھا گمان رکھو، بدگمانی سے بچنے اور اچھے خیالات اپنانے کے تعلق سے احادیث میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ یہ سب تاکیدیں دماغ (وزیر) کو سرکشی سے قابو میں رکھنے کے لئے ہی وارد ہیں۔ البتہ دماغ اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرے تو جسم کے بادشاہ (دل) کو امور حسنہ کی ہی

ترغیب دے گا۔ اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی نے عشق حق مانگا۔ کیوں کہ ہر عشق حق نہیں ہوتا، عشق کے جذبات میں آدمی بہہ کر راہ راست سے ہٹ جاتا ہے۔ مثلاً: عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عشق میں اتنے بڑھے کہ غلو کی حد تک پہنچے۔ اور معاذ اللہ حضرت عیسیٰ روح اللہ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ رافضی اور شیعہ فرقہ حضرت علی مرتضیٰ مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شریعت کے قوانین سے متجاوز محبت میں گمراہ ہوئے۔ حالاں کہ ان عیسائیوں اور رافضیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ عشق ہے لیکن عشق حق نہیں۔ اسی طرح عشق سے خالی دل پر صرف عقل کا تسلط ہو جائے اور آدمی ہر بات کو عشق سے پرے ہو کر صرف عقل کے میزان میں اگر تولنا شروع کر دے تو بھی گمراہ ہو جائے گا۔ مثلاً: یہودی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عداوت میں اور خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت میں گمراہ ہوئے۔ لہٰذا امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو درمیانی امت بنایا گیا ہے جو عشق اور عقل دونوں کے درمیان رہ کر تقاضائے عشق اور ایفائے قوانین کو باہم بجا لانے کا توازن برقرار اور قائم رکھے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا'' (سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۲)

ترجمہ: اور بات یوں ہے ہم نے تم کو بنایا درمیانی امت۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کے فرمان کے مطابق امت مسلمہ کو درمیانی امت اس لئے کہا گیا ہے کہ سچا مومن وہ ہے جو عشق اور عقل کے درمیان رہے۔ ایک طرف عشق کی لکیر حد ہے اور دوسری طرف عقل کی حد کی نشان دہی کرنے والی لکیر ہے۔ مومن ان دونوں حدوں کے درمیان رہ کر تقاضائے عشق اور قوانین دین کی پاسداری کرتا ہے۔ اور کسی دینی معاملہ میں حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ بلکہ دونوں حدود کے بیچ میزان کے کانٹے کی مانند رہتا ہے۔ یہی سچا اور درست عشق ہے جس میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے

رب سے وہی عشق مانگ رہے ہیں اسی عشق کی زندہ تصویر حضرت سیدنا صدیق اکبر، حضرت سیدنا فاروق اعظم، حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا مولیٰ علی اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے۔ جنھوں نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم ناز پر اپنا سر کٹا دیا لیکن ہرگز ہرگز ان کو لائق پرستش سمجھ کر ان کے آگے سجدے میں سر نہ جھکایا۔ اور نہ ہی کسی کو جھکانے دیا اپنے آقا کو افضل الخلق کہا اور مانا لیکن خالق نہ کہا اللہ کا نور ضرور کہا لیکن الٰہ نہ کہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب اعظم ضرور مانا لیکن بشریت اور عبدیت سے خارج نہ مانا۔ باعث تخلیق کائنات مانا لیکن الوہیت کی منزل تک نہ پہنچایا۔ اسی طرح اپنے آقا کو بندہ اور بشر ضرور مانا لیکن عام انسانوں کی طرح شمار نہ کیا۔ زمین پر جلوہ افروز ضرور مانا لیکن آسمان اور بالائے آسمان کی خبر سے بے خبر نہ مانا، زمانہ حال میں ضرور دیکھا لیکن زمانہ مستقبل کے ہر لمحہ سے باخبر مانا۔

الحاصل! حضرت رضا بریلوی اپنے رب سے صحابۂ کرام والا عشق حق مانگ رہے ہیں۔ عیسائیوں اور رافضیوں جیسا عشق نہیں مانگ رہے ہیں جو اندھی محبت میں حدود عشق دیکھنے سے قاصر ہوکر گمراہ ہوجائیں۔ یہ عشق نہیں ہے بلکہ عقل کا اندھا پن ہے۔ جیسے کہ مرزائی لوگ غلام احمد قادیانی کے عشق میں اندھے ہوکر اس کو نبی و رسول مان بیٹھے اور اسی طرح زمانہ حال کے وہابی، نجدی، دیوبندی، غیر مقلد، تبلیغی جماعت کے متبعین نجدی ابن الوہاب، شہید لیلیٰ نجد، مولوی اسماعیل دہلوی، گنگوہی، نانوتوی، تھانوی وغیرہم کی محبت میں اندھے ہوکر بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو شہید، امام ربانی، قاسم العلوم، حکیم الامت، محدث، مقتداء، پیشوا وغیرہ مان کر گمراہی وارتداد کی راہ پر چل نکلے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی میں جس عشق حق کا تذکرہ فرمایا ہے اس کی مندرجہ بالا سطور میں بہت ہی مختصر وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن اس وضاحت میں حق کے معنی سچ، اور درست اخذ کرکے میں نے اپنی ناقص معلومات کے تحت

وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اگر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شعر کے لفظ حق کو راست، سچا وغیرہ معنی کے بجائے دیگر معنوں میں لیا جائے تو بھی شعر اپنی جامعیت اور معنویت کے اعتبار سے اصلاً متغیر نہ ہوگا۔ لفظ حق کے لغوی معنی سچ، صدق، لائق، واجب، ثابت، فرض، جائز اور عدل وغیرہ ہیں۔ ان میں سے سچ اور صدق کے معنی اخذ کر کے سطور سابقہ میں کچھ گفتگو ہم کر چکے ہیں علاوہ ازیں حق اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ قرآن شریف میں متعدد مقامات پر لفظ حق اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام کی حیثیت سے وارد ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے زیر بحث شعر کے مصرع کا بہ اعتبار وضاحت بالا ایک معنی یہ بھی ہوا کہ عشق دے یعنی سچا یا صادق عشق دے۔

لیکن حضرت رضا بریلوی کے اس شعر میں مستعمل حق کے معنی لائق لئے جائیں تو معنی یہ ہوا کہ اے اللہ! ہم کو وہ عشق دے جو لائق ہے۔ اس معنی کے ساتھ بھی شعر کا مطلب درست ہے۔ یعنی وہ عشق دے جو ہر مومن کو لائق ہے۔ یعنی اللہ اور اللہ کے محبوب اور دیگر محبوبوں سے عشق ومحبت رکھنا۔ ہر مومن کو لائق یعنی مناسب ہے۔ (لائق کے معنی مناسب۔ فیروز اللغات، ص ۱۱۴۵) اللہ اور اس کے محبوبان بارگاہ کے علاوہ ہر اس شخص سے محبت کرنا ہر مومن کو مناسب ہے جس کی وجہ سے اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل ہو۔ مثلاً: ماں باپ سے محبت کرنا ہر مومن بھائی سے محبت کرنا وغیرہ۔

اگر لفظ حق کے معنی فرض لئے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ! ہم کو وہ عشق دے جو فرض ہے اور وہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان کے لیے پہلی شرط ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس سید المحبوبین لرب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَّ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ“ یعنی تم میں کا کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں اس کی اولاد سے اس کے ماں باپ سے اور تمام انسانوں سے (مشکوٰۃ) بعض

روایات میں ''وَنَفْسِہٖ'' یعنی (اس کی جان سے) کے الفاظ وارد ہیں۔تو جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی اولاد، والدین تمام انسان بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے وہ مومن نہیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہر ایمان والے پر فرض ہے بلکہ حضور کی محبت کا نام ہی ایمان ہے۔

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اور بقول دوسرے شاعر:

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اسی طرح لفظ حق دیگر مندرجہ بالا معنوں میں لیں۔تو عشق حق کے کئی معنی ہوں گے۔ مثلاً: عشق واجب، عشق ثابت، عشق جائز، بلکہ ہر عشق کے تعلق سے الگ بحث کی جا سکتی ہے۔ لیکن خوف طوالت سے صرف اشارہ ہی کر دیا ہے۔اہل علم وفن حضرات اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق تشریح کرلیں۔

اگر لفظ حق کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام کے معنی میں لیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنا عشق عطا فرمائے اور یہ فنا فی اللہ کی منزل ہے۔اللہ کے عشق سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔تمام انبیاء کرام اور خصوصاً سید الانبیاء حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فنا فی اللہ تھے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو بے شمار نعمتوں رحمتوں اور انعامات سے نوازا تھا۔ اور انہیں نعمت عظمیٰ کے طور پر فنا فی اللہ کا درجہ عطا فرمانا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی میں ایک عجیب حسن پیدا کر دیا ہے۔آپ بارگاہ الٰہی میں عشق حق کی دعا کی مقبولیت کے لئے عرض کرتے ہیں۔ عشق انتما کے واسطے۔اور اس کے لغوی معنی یہ ہوں گے کہ عشق سے نسبت بڑھانے کی عادت

رکھنے والے، عشقی کے لغوی معنی یہ ہیں کہ عشق سے نسبت رکھنے والا، یہاں عشق کے معنی ہیں عادت اور انتما کے معنی ہیں بڑھانے والا، مصرع ثانی میں لفظ عشق کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں، پہلی مرتبہ جو لفظ عشق ہے وہ محبت کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ عشق ہے وہ عادت کے معنی میں ہے۔لہٰذا مصرع ثانی میں بھی تجنیس کامل ہے۔ایک شعر کے دونوں مصرعوں میں تجنیس کامل بیان کرنا اور وہ بھی معنی خیز انداز میں، صرف حضرت رضا بریلوی ہی کا حصہ ہے۔

مصرع ثانی کا مطلب باعتبار لغت آپ نے ملاحظہ فرمایا، لیکن حضرت رضا بریلوی کی مراد دیگر ہے۔عشق سے مراد سلطان العاشقین، قدوۃ الواصلین، سید المتوکلین، ہادی السالکین، صاحب البرکات، حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔آپ عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبان میں شاعری میں کمال رکھتے تھے۔عربی فارسی اور اردو میں اپنا تخلص ''عشقی'' اور ہندی میں ''پیمی'' استعمال فرماتے تھے۔لہٰذا حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کے تخلص عشقی کو ذکر فرما کر بارگاہ خداوندی میں آپ کے واسطہ کا اظہار کیا ہے۔حضرت رضا نے لفظ عشقی کو ذو معنی استعمال فرمایا ہے۔یعنی شعر کے مصرع میں آپ نے ایک کمال یہ بھی پیدا کیا ہے کہ عشق لفظ کا استعمال تین مرتبہ کیا ہے لیکن درمیانی لفظ عشق میں ''ی'' کی اضافت کر کے اس کو لفظ عشقی بنایا۔لیکن عشقی ایک ہی لفظ دو معنوں میں اور اول و آخر جو لفظ عشق ہیں ان دونوں کو بھی دو الگ معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک لفظ دو معنوں میں اور دو معنی ایک لفظ میں استعمال فرما کر حضرت رضا نے بڑے بڑے ماہرین فن کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔مصرع ثانی میں حضرت رضا علیہ الرحمۃ و الرضوان کی مراد کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ اے رب کریم! مجھے عشق حق عطا فرما، واسطہ حضرت سید شاہ برکت اللہ ''عشقی'' مارہروی رضی اللہ عنہ کا جو عشق کی نسبت بڑھانے کی عادت

رکھتے ہیں، اور اللہ و رسول کے ساتھ رشتہ محبت خود بھی بڑھاتے ہیں اور اپنے متوسلین کا بھی بڑھاتے ہیں۔ عشق کی راہ میں اپنی منزل کے حصول کے عشق میں سرشار ہو کر عشق کے مراحل طے کرتے کرتے سراپا عشق بن کر، عشق میں فنا ہو کر ''عشقی'' بن گئے۔ اور عشق سے عشق کرنے کا اہل جہاں کو ایسا انداز سکھایا کہ عشق کی برکت سے خاندان برکاتیہ اور سلسلہ برکاتیہ میں عشق کی بہتات نظر آتی ہے۔

حضرت سلطان العاشقین، سید شاہ برکت اللہ ''عشقی'' مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالات زندگی فضل و کمال اور کرامات وغیرہ کا ذکر اختصاراً شعر نمبر 45 میں ملاحظہ فرمائیں۔

❁......❁......❁

(9)

فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں
اس پر شہادت آیت و وحی و اثر کی ہے

حل لغت:

فضل: زیادتی، افزونی، علم و ہنر، رحم، مہربانی، بخشش، بزرگی، غلبہ کرنا کسی پر فضیلت میں۔
(فیروز اللغات، ص۹۳۳ ☆ لغات کشوری، ص۵۳۷)

غیب: غیر موجود، غائب، پوشیدہ، اوجھل، نا پیدا ہونا، پست زمین، شک، گمان، جمع غیوب۔
(فیروز اللغات، ص۹۱۸ ☆ لغات کشوری، ص۵۲۲)

شہادت: علم ہونا، گواہی، خبر درست، ظاہر ہونا، سرٹیفکیٹ۔
(فیروز اللغات، ص۸۵۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۳۳)

آیت: فقرۂ قرآن، فقرۂ توریت، فقرۂ انجیل، شان، حجت ظاہری۔
(فیروز اللغات، ص۴۵ ☆ لغات کشوری، ص۳۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۹)

وحی: خدائی پیغام، کتاب الٰہی، خدا کے احکام و پیغام جو نبیوں پر اترتے تھے، سخن نرم۔
(فیروز اللغات، ص۱۴۰۷ ☆ لغات کشوری، ص۸۰۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۱)

اثر: سنت نبوی، حدیث، حدیث کی قسموں سے ایک قسم، تاثیر، نشان، کھنڈر، زخم کا داغ، کھوج، نتیجہ، فائدہ، آسیب کا سایہ، جمع آثار۔
(فیروز اللغات، ص۶۸ ☆ لغات کشوری، ص۱۵)

پہلے مصرع میں لفظ ''شہادت'' کا مطلب ''علم ہونا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''شہادت'' کا مطلب ''گواہی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت، حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ کی شان غیب کوایک نرالے انداز میں بیان کرتے ہیں۔

ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوخدائے تعالیٰ کے فضل سے غیب کا علم بھی ملا ہے۔ ہمارے آقا کوعلم غیب حاصل ہے۔ یہ کوئی بے بنیاد بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی صداقت پر قرآن مجید کی آیات اور احادیث شاہد ہیں۔

حیرت تو ان لوگوں پر ہے جوحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی مانتے ہیں لیکن آپ کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ نبی کا لغوی معنی ہی نبی کی غیب دانی پر دلالت کرتا ہے۔لفظ نبی نباء مصدر کا اسم فاعل ہے اور نباء کا لغوی معنی ہے خبر، اطلاع (لغات کشوری، ص ۷۶۸) اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت، دوزخ، عذاب، قبر، حشر، جزاء اور سزا وغیرہ متعدد ایسی باتوں کی خبریں دی ہیں جو ہم سے مخفی اور پوشیدہ ہیں لہٰذا نبی کا معنی ہوا غیب کی خبر دینے والا۔لفظ نبی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو صاحب نبوت ہے یقیناً غیب پر مطلع ہوتا ہے بلکہ نبی کے لئے غیب داں ہونا ضروری ہے۔اس بات کو بہت آسانی سے ذہن نشیں کرنے کے لئے ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

موٹر کار وغیرہ چلانے والے کوڈرائیور کہا جاتا ہے۔ایک شخص بیش قیمت موٹر کار چلا کر آیا۔اس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی ہے اور ایک عرصہ سے وہ بہت اچھی طرح کار چلا رہا ہے۔اب اگر کوئی خبط الحواس شخص اس موٹر کار چلانے والے کے متعلق یہ کہے کہ اس کو موٹر کار ڈرائیونگ کرنے کا علم نہیں تو لوگ اسے یہی مشورہ دیں گے کہ آپ جلد از جلد آگرہ کے پاگل خانے میں داخل ہو جائیں، کیوں کہ ڈرائیور لفظ ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ

ڈرائیونگ جانتا ہے۔ڈرائیونگ کرنے والے کو ہی ڈرائیور کہتے ہیں اسی طرح غیب جاننے والے کو ہی نبی کہتے ہیں۔توجب آپ نے کسی مقدس ذات گرامی کو نبی تسلیم کرلیا ہے۔تو اس کو غیب داں بھی خود بخود تسلیم کرلیا۔نبی کے بتانے سے بے شمار غیب کی باتوں پر ایمان لے آنا لیکن نبی کو غیب کے علم سے بے خبر ہونے کا عقیدہ رکھنا بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے قرآن وحدیث کی گواہی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے غیب کا علم ثابت فرمایا ہے۔قرآن شریف میں کئی مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انبیائے کرام کے لئے غیب کا اثبات فرمایا ہے۔مثلاً:

''وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'' یعنی اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگ تمہیں غیب کا علم دے دے۔ہاں چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۷۹، کنزالایمان)

''وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' (سورہ نساء، آیت ۱۱۳)

ترجمہ: تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ (کنزالایمان)

- اسی طرح پارہ ۷، سورۂ الانعام میں آیت نمبر ۲۸
- پارہ ۱۱، سورۂ یونس کی آیت نمبر ۲۷
- پارہ ۱۴، سورۂ النحل کی آیت نمبر ۸۹
- پارہ ۲۷، سورۂ الرحمٰن کی آیت نمبر ۱، ۲
- پارہ ۲۹، سورۂ الجن کی آیت نمبر ۲۷
- پارہ ۳۰، سورۂ تکویر کی آیت نمبر ۲۴

اور بھی دیگر آیات سے انبیائے کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب اظہر من الشّمس کی طرح عیاں ہے۔

آیاتِ قرآن کے علاوہ علمِ غیب کے ثبوت میں کتبِ احادیث لبریز ہیں، جس کی تفصیلی گفتگو یہاں ممکن نہیں۔ صرف تبرکاً عرض کرتا ہوں کہ جب سورۂ النساء کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو غیب جاننے والے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا'' عَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ''یعنی زمین وآسمان کی ہر چیز میرے علم میں آگئی۔ (مشکوٰۃ شریف) اور فرماتے ہیں'' فَرَأَیْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَھَا '' یعنی میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص۵۰۴) اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ساری کائنات اور اس میں ہونے والے واقعات میرے سامنے اس طرح ہیں جیسے یہ میری ہتھیلی میرے سامنے ہے۔

(المواہب اللدنیہ، جلد۲، ص۱۹۲)

انبیاء واولیاء کے لئے علم غیب کے اثبات میں امام احمد رضا کی چودہ تصانیف ہیں جن میں سے:

(۱) الدولة المكية بالمادة الغيبية

(۲) خالص الاعتقاد

(۳) انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ

(۴) ازاحة العيب بسيف الغيب کا ضرور مطالعہ کریں۔ علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثبوت میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے علم کا دریا بہا کر عاشقِ نبی کے لئے بے بہا موتی صفحۂ قرطاس پر بکھیر کر مومن کے ایمان کو ضیاء بخشی ہے۔

۞......۞......۞

(10)

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

حلِ لغت:

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، کیوں کہ، کس طرح، راکھ، خمیر، سرشت، دھرتی، بالکل نہیں۔

(فیروز اللغات، ص۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے کو دھیمی آگ پر رکھنا، طاقت، قوت، زور، تلوار کی دھار، نیزے کی نوک، خوبی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت، اولوالعزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، مکر، دغا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن، خون، لہو، شیخی۔

(فیروز اللغات، ص۶۴۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص۴۷)

دوسرے مصرع کے شروع والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''زندگی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''سانس'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امامِ عشق ومحبت، حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ملتِ اسلامیہ کو

ایک ایمانی درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر اور بارگاہ رسالت کے گستاخ اپنے غیظ میں چاہے جل کر خاک ہو جائیں، لیکن اے رضا! ہم تو یہی کریں گے کہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک ذکر کرتے رہیں گے۔ ان کا ذکر جمیل سنتے بھی جائیں گے اور سناتے بھی جائیں گے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''دم'' کا استعمال دو مرتبہ کیا ہے۔ دونوں لفظ دم حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی و مطلب الگ الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ شعر کی ابتدا آپ نے لفظ ''خاک'' سے فرمائی ہے۔ اور یہ خاک بھی دشمن رسول کے اوپر ہی ڈال رہے ہیں۔ کون سی خاک؟ عداوت میں جلن کی خاک، بغض وحسد کی خاک، بلکہ وہ خاک جو فرقۂ وہابیہ کے امام نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ معاذ اللہ ''میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں'' امام الوھابیہ کی عقل پر واقعی مٹی پڑ گئی تھی۔ جبھی تو اس نے ایسا ناپاک جملہ لکھا۔ خیر اس پر تفصیلی گفتگو کسی اور مقام پر کریں گے۔

شعر میں ارشاد ہے کہ ''خاک ہو جائیں'' یعنی مٹی ہو جائیں، کون مٹی ہو جائیں؟ عدو یعنی دشمن۔ لیکن کن کے دشمن؟ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن۔ کس طرح مٹی ہو جائیں؟ جل کر مٹی ہو جائیں۔ کیوں جل جائیں؟ حسد کی آگ میں۔ دشمنی کی اگنی میں جل جائیں۔ لیکن کس طرح؟ اس طرح کہ اے رضا! ہم اپنے آقا کا ذکر کریں، کب تک؟ جب تک ہمارے جسم میں روح ہے، جب تک ہماری سانس چلتی ہے۔ جب تک ہماری رگوں میں خون جاری ہے، جب تک ہماری حیات باقی ہے۔ بس ہر وقت انہیں کا ذکر پاک کرتے رہیں گے اور اپنے ایمان کو تازگی اور تقویت دیتے رہیں گے۔ لیکن جو عظمت رسول کا منکر

ہے۔ جو بزرگیٔ رسالت کا منکر ہے وہ ہماری زبان وقلم ہمارے قول وفعل سے ذکر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتا دیکھ کر عداوت کی آگ میں جل کر خاک ہو جائے گا۔ خاک ہوتا ہے تو ہو جائے، بلکہ ضرور ہو جائے ہم کو اس کی پرواہ نہیں۔ ہم کو تو صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ خصوصاً ان مقدس صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنا ہے جنہوں نے اپنے آقا و مولیٰ کی تعریف وتوصیف میں نعت پڑھ کر دشمنوں کے دلوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ان کا یہ فعل آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند آیا کہ آپ نے ان حضرات کو سراہا۔ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان کو دعائیں دیں۔ انعام واکرام سے نوازا اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش کرنے کے ساتھ بارگاہ رسالت کے دشمنوں کی مذمت وہجو کرنے کے عوض ثواب کے حقدار بھی ہوئے لیکن بہترین صلہ ان کو یہ ملا کہ وہ قلوب مسلمین میں بس گئے اور قیامت تک بسے رہیں گے۔ مداح رسول کی حیثیت سے ان کا نام عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا رہا ہے۔ ان میں حضرت حسان بن ثابت کا نام سرفہرست ہے۔

- حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان کے لئے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تاکہ وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت بیان کریں۔ اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّ اللّٰـہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا دَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ'' یعنی بیشک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کراتا ہے۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تبارک وتعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت وقدرت بخشے اسے چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت میں کوتاہی نہ کرے۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۰۱۲)

● جب بنی تمیم کا وفد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا تب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فی البدیہہ منتخب اشعار کا ایک قصیدہ مرتب کیا اور حضور کے سامنے پڑھا، جس کو سن کر بنی تمیم کے وفد نے اپنے عجز اور نادانی کا اقرار واعتراف کیا اور کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے شاعر ہمارے شاعر اور خطیب سے بہتر ہیں۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۰۱۲)

● حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''حسان مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان علامت ونشانی ہیں۔ منافق ان کو دوست نہیں رکھتا۔ اور مسلمان ان سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھتا۔'' (ایضاً)

● حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام، یہ چاروں یعنی حضرت حسان اور ان کے والد، ان کے دادا، اور ان کے پردادا سب کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوسرے شاعر کا نام کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ ان کا ایک ہی کام تھا کہ وہ کافروں کو جنگ سے ڈرانے کے لئے رجز کے اشعار پڑھتے اور کافروں کی ہجو کر کے ان کی برائیاں اور قباحتیں بیان کرتے تھے۔ ستر سال کی عمر میں انہوں نے ۵۰ھ یا ۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔

● حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تیسرے شاعر کا نام حضرت عبداللہ بن رواحہ ہے۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ مشرکوں کو شرک وبت پرستی پر تنبیہ وتوبیخ کرتے تھے۔ غزوۂ احد وخندق اور تمام مشاہدات میں حاضر تھے۔ بجز فتح مکہ اور بعد کے غزوات۔ کیوں کہ وہ غزوۂ موتہ ۸ھ میں شہید ہوگئے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکے دیگر شعراء میں:

(۱) حضرت ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب (۲) حضرت عباس سلمی اور

(۳) حضرت عدی بن حاتم کا شمار ہوتا ہے۔ وہ کفار اور مشرکین کو شاعرانہ انداز میں جواب دے کر للکارتے تھے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور اپنے آقا کے دشمنوں کی مذمت اور ہجو کرتے تھے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۰۱۴)

بارگاہ رسالت کے ایک اور عمدہ شاعر، جن کا نام حضرت حمید بن نور الہلالی ہے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر فی البدیہہ ایک قصیدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مرتب کیا جس کا پہلا شعر یعنی مطلع حسب ذیل ہے۔

اَصۡبَحَ قَلۡبِیۡ مِنۡ سَلِیۡمِیۡ مَقۡصِدًا
اِنۡ اَخۡطَأَ مِنۡهَا وَ اِنۡ تَعۡبُدًا

اس قصیدہ کا آخری شعر یوں ہے۔

حَتّٰی اَتَانَا رَبَّنَا بِحَمۡدٍ
نَتۡلُو مِنَ اللّٰهِ كِتَابًا مُّرۡشِدًا

سرتاج مورخین زبیر بن بکار محمد بن سلام جمحی اور مرزبانی نے حضرت حمید بن نور الہلالی کو فصحاء شعراء میں شمار کیا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کی ہجو کرتا تو آپ فوراً اس کا دنداں شکن جواب دے کر اس پر غالب آجاتے تھے۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۰۱۴ تا ۱۰۱۵)

● بارگاہ رسالت کے ایک اور شاعر ہیں۔ ان کا نام مبارک حضرت ابوالطفیل بن عامر واثلہ لیثی کنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

● حضرت لبید بن ربیعہ جن کی کنیت ابوعقیل ہے انھوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے مذموم بنوجعفر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کا رد کیا۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر شریف پر فرمایا'' اَصۡدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ لَبِيۡدٌ اَلَا كُلُّ شَيۡءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ '' یعنی لبید شاعر نے کتنی

سچی بات کہی ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

● ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے لبید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارہ ہزار اشعار بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت لبید نے ایک سو چالیس سال کی عمر پائی، بعض روایتوں میں ایک سو ستاون اور بعض میں ایک سو ساٹھ کا بھی ذکر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

● ایک اور شاعر اسلام قیس بن عبداللہ بن عمر بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ ہیں لیکن وہ ''نابغہ جعدی'' کے نام سے مشہور تھے۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت وصفت پر مشتمل دو سو اشعار کا قصیدہ پڑھا۔ جس کو سن کر حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ٹھیک کہا تم نے اور اچھا کہا۔ بعدہٗ حضور نے ان کو دعا دی کہ ''لَا يَفِيضَ اللّٰهُ فَاكَ''، یعنی اللہ تمہارے منھ کو سلامت رکھے۔ حضرت ابن عبدالرب فرماتے ہیں کہ میں نے نابغہ جعدی کو ایک سو بیس سال کے بعد دیکھا تو ان کے تمام دانت بہترین اور دوسرے لوگوں سے زیادہ سخت ترین تھے۔ اگر کوئی دانت اکھڑ جاتا تو دوسرا دانت بہت جلد اس کی جگہ نمودار ہو جاتا۔ اور ان کے تمام دانت ژالہ (اولا، پالہ) کی طرح روشن اور چمکدار تھے۔ اور برق (بجلی) کی مانند تاباں تھے۔ اس سبب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے منھ کو دعا دی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت نابغہ مسلسل خلفائے راشدین کی خدمت میں آتے رہے۔ اور مسجد نبوی میں اشعار کہتے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے نابغہ! تمہارے یہ اشعار تمہارے وسیلہ اور مددگار ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں ذکر ہیں تمہیں اس کی جزا ضرور ملے گی۔ حضرت نابغہ نے ایک سو اسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

● بارگاہ رسالت کے دیگر شعراء میں حضرت ایمن بن خزیمہ اسدی، حضرت اعشٰی بن ماذن، بن عمرو بن تمیم، حضرت ابوعبداللہ اسود بن سریع ساعدی تمیمی، حضرت عامر بن اکوع،

حضرت زبیر بن صرف جشمی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شمار ہوتا ہے۔ یہ تمام حضرات اپنے آقا و مولیٰ کی بارگاہ میں والہانہ انداز سے اپنے جذبات عشق ومحبت کو اشعار کا جامہ پہنا کر ولولہ انگیز طریقہ سے سناتے اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ رسالت کے دشمنوں کی مذمت وہجو کر کے ان کا دندان شکن جواب دے کر ساکت ومبہوت کرتے رہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان انہیں مقدس شعرائے کرام کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش وتمنا کر رہے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اس پر شاہد عادل ہے کہ آپ اپنے کریم ورحیم آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور تعریف و توصیف میں ہمیشہ محو رہے اور ایسے محو رہے کہ خود اپنے رب سے ایسی بے خودی کی دعا کی:

ایسا گما دے ان کی ولاء میں خدا ہمیں
ڈھونڈا کریں پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

●

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جاچکے دل کو قرار آئے کیوں

●

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھادے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

بارگاہ رسالت کے گستاخوں کی ہجو و مذمت میں حضرت رضا بریلوی کو دسترس حاصل تھی۔ یہاں کچھ منتخب اشعار بطور نمونہ حاضر خدمت ہیں۔

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

•

کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

•

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی ﷺ

•

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش
اس مردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

•

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

•

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی !
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

•

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو!
واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

•

وہ جسے وہابیہ نے دیا لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

•

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

•

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

•

ان کے نام پاک پر دل ، جان و مال
نجدیا سب تج دیا پھر تجھ کو کیا

•

دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض
ہم ہیں عبد المصطفیٰ پھر تجھ کو کیا

•

پڑی ہے اندھے کو عادت کہ شوربے ہی سے کھائے
بٹیر ہاتھ نہ آئی تو زاغ لے کے چلے

•

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار ، وار سے پار ہے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ رسالت کے مقدس شعرائے کرام کے نقش قدم کی پیروی کی ۔ اور اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں عشق ومحبت سے لبریز نعتیں قلم بند فرمائیں ۔ اور ساتھ میں بارگاہ رسالت کے گستاخوں کی مذمت وہجو

میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا۔جس کا صلہ ان کو بارگاہ رسالت سے یہ ملا کہ ان کا کلام ''امام الکلام'' کی حیثیت سے مشہور ہوگیا۔اور وہ اہل سنت کے دلوں کی دھڑکن بن کر ''امام اہل سنت'' کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوگئے۔

❁......❁......❁

(11)

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

حل لغت:

سونا: زرد رنگ کی مشہور دھات جس سے زیورات بنتے ہیں۔زر،طلاء۔

(فیروز اللغات،ص۸۲۱)

سونا: خالی،غیر آباد،اکیلا،اجاڑ،ویران،بے رونق،سنسان،خاموش۔

(فیروز الغات،ص۸۲۲)

سونا: نیند لینا،آنکھ لگنا،مرنا،ہمیشہ کے لئے آنکھ بند ہونا۔ (فیروز اللغات،ص۸۲۲)

زہر: سم،بس،جس کو کھانے سے انسان مر جائے،ہلاہل،مہلک،قاتل،کڑوا،تلخ،مضر، آزار رساں،کوئی چیز جو نہایت کڑوی ہو،غصہ،غضب۔

(فیروز اللغات،ص۷۵۵☆لغات کشوری،ص۳۵۵)

مت: سمجھ،بوجھ،عقل،دانش،فہم،ادراک،دانائی،رائے،نصیحت،عبادت،مذہب، ملت،دھرم،عقیدہ،اعتقاد۔ (فیروز اللغات،ص۱۱۹۴)

نرالی: نرالا کی تانیث،انوکھی،سب سے الگ۔ (فیروز اللغات،ص۱۳۵۶)

پہلے مصرع میں پہلا لفظ ''سونا'' کا مطلب ''سونا''یعنی زر،گولڈ(Gold) ہے۔

پہلے مصرع میں دوسرے لفظ ''سونا'' کا مطلب ''نیند لینا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان قوم مسلم کوخواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہیں اور ان کو اپنی متاع بیش قیمت کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے غفلت کی نیند سونے والو! بیدار ہوجاؤ، تمہارے پاس قیمتی مال سونا ہے اور تم ایسے مقام وماحول میں ہو جو سونا یعنی ویران ہے، چاروں طرف لٹیرے گھوم رہے ہیں۔ ایسے وقت میں تیرا نیند سے سونا مناسب نہیں۔ لیکن پھر بھی تو میٹھی نیند میں غرق ہے۔ تیری عقل و دانش انوکھی ہے۔ یہ تو ہوئے ظاہری معنی لیکن پند ونصیحت اور فن شاعری کے اعتبار سے یہ شعر اپنی مثال آپ ہے۔ اس شعر میں اردو ادب کی دو صنعتیں (۱) تجنیس کامل (۲) تجنیس ناقص ایک ساتھ مجتمع ہیں۔ اردو ادب میں تجنیس کامل اور تجنیس ناقص کی مثالیں کئی شعراء کے کلام میں موجود ہیں۔ لیکن وہ الگ الگ اشعار میں۔ ایک ہی شعر میں دو تجنیسات کا جمع کردینا وہ بھی ایسے حسین انداز سے ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس شعر میں پہلے مصرع کی ابتداء اور مصرع کے آخر میں جو سونا ہے۔ وہ حروف اور اعراب دونوں اعتبار سے مساوی ہیں دونوں سونا میں واؤ مجہول ہے۔ ابتداء میں جو سونا کا لفظ ہے وہ اسم ہے۔ اور اس کے معنی ہیں زرد رنگ کی مشہور دھات جس کے زیورات بنتے ہیں۔ جس کو انگریزی میں گولڈ (Gold) کہتے ہیں اور آخر سونا مصدر ہے۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں نیند لینا۔ البتہ درمیان میں جو لفظ سونا ہے وہ حروف کے اعتبار سے شروع اور آخر والے لفظ سونا سے مساوی ہے۔ لیکن اعراب کے اعتبار سے مختلف ہے کیوں کہ اس کا واؤ معروف ہے۔ علاوہ ازیں وہ نہ اسم ہے اور نہ ہی مصدر بلکہ اسم صفت ہے اور اس کے معنی ویران، سنسان وغیرہ ہیں۔ علاوہ ازیں اس شعر میں نیند اور اٹھنا دو متضاد لفظ کے استعمال کی وجہ سے یہ شعر اردو ادب کی صنعت تضاد کا بھی حامل ہے۔ المختصر!

اس شعر میں فن شاعری کے اعتبار سے تجنیس کامل، تجنیس ناقص اور تضاد تینوں صنعتیں پائی جاتی ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرمارہے ہیں کہ اے پیارے مومن بھائی ایمان کے لٹیرے بھیس بدل کر گھوم رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر ڈالنے، ان کی جان و روح ایمان اور ایمان کی روح، محبت وعظمت رسول کو دلوں سے نکال دینے کے لئے منافقین اسلامی ٹوپیاں پہن کر ناصح امت کا لبادہ اوڑھ کر شب وروز اپنی تحریک باطل میں منہمک ہیں۔ ان منافقین کا استیصال کرنے والے حضرات کا فقدان ہے۔ جس کے جی میں جو آتا ہے بکتا رہتا ہے۔ ماحول کی سنگینی کے پیش نظر ایمان کی حفاظت سے لا ابالی ہو کر تیرا سونا، یعنی غفلت کرنا تیرے ایمان کے حق میں زہر قاتل ہے۔ نیند سے بیدار ہوجا! منافقین زمانہ وہابیہ نجدیہ کے مکروفریب سے آگاہ ہو کر اپنے ایمان (سونے) کی حفاظت کے لئے غفلت کو ترک کر، مگر افسوس کہ تو بے اعتنائی کا دبیز لحاف اوڑھ کر میٹھی نیند کی آغوش میں پڑا ہے۔ تو جسے میٹھی نیند سمجھ رہا ہے وہ تیرے ایمان کے لئے سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے۔ تیری عقل پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیرا یہ طرز عمل بھی انوکھا اور عقل وفہم سے وراء ہے۔ دنیا کا دستور ہے جب چور ڈاکو کا دور دورہ ہوتا ہے اور چوری یا ڈکیتی کا ڈر ہوتا ہے تو ہر شخص اپنے قیمتی متاع کی حفاظت وفکر کرتا ہے۔ اور اپنے قیمتی متاع کو ایسی محفوظ جگہ چھپا دیتا ہے کہ کسی چور یا ڈاکو کے ہاتھ نہ لگے۔ متاع ایمان کے آگے دنیا کے سونا وچاندی کی کوئی وقعت نہیں۔ دنیا کی متاع فانی اور ایمان کی متاع باقی ہے۔ اے پیارے اپنی مت (عقل) کو فہم سلیم سے آراستہ کر، اور سوچ کہ ایمان کی متاع کی حفاظت کے سلسلے میں غفلت کرنا اور دنیا کی حقیر متاع کے تحفظ کے لئے ہر وقت مستعد رہنا کوئی عقل مندی ہے؟ ہرگز نہیں، لہٰذا غفلت کو چھوڑ، اور اپنے ایمان کی حفاظت میں لگ جا۔ بارگاہ رسالت کے گستاخوں کے کفری عقائد سے آگاہ ہو کر ان

سے کنارہ کش ہوجا۔ دشمن رسول کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا ان کے یہاں نکاح کرنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے وعظ و بیان سننا جو بھی معاملات اور موالات ہیں تمام ترک کردے۔ اور ان سے یک لخت قطع تعلق کرلے، ان کے کلمہ، نماز، زہد وتقویٰ، علم وعمل، لباس، چال ڈھال، عبادت و پرہیزگاری وغیرہ سب کچھ دکھاوا، تصنع، تقیہ اور مکروفریب ہے۔ لہٰذا تو اس سے دھوکہ مت کھا، منافقین اور مرتدین کے متعلق قرآن وحدیث میں جو احکام وارد ہیں، ان پر مطلع ہوکر ان احکام کی روشنی میں ایمان کے لٹیروں سے کنارہ کشی اختیار کر۔

یہ شعر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس غزل کا ہے جو آپ نے منافقین زمانہ فرقہ وہابیہ، نجدیہ غیر مقلدیہ وغیرہ کی ہجو میں مرقوم فرمائی ہے۔ ان کے دام فریب سے بچانے کے لئے اپنے دینی بھائیوں کو غفلت کی نیند سے جھنجھوڑا ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

●

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تونے نیند نکالی ہے

●

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

(12)

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

حل لغت:

اجل: وقت، موت، مرگ، قضا، وقت مقرر، موت کا وقت، تقدیر۔
(فیروز اللغات، ص۶۹ ☆ لغات کشوری، ص۱۷ ☆ کریم اللغات، ص۵)

آنی: آنا کی تانیث، آپہنچنا، نمودار ہونا، حاضر ہونا، نازل ہونا، جانا کی ضد۔
(فیروز اللغات، ص۳۲)

فقط: صرف، تنہا، اکیلا، نرا، محض، بس، خاتمہ، ختم شد۔
(فیروز اللغات، ص۹۳۵ ☆ لغات کشوری، ص۵۳۹)

آنی: آن کی تانیث، لمحہ، ساعت، لحظہ، وقت۔
(فیروز اللغات، ص۳۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۷)

پہلے مصرع میں لفظ ”آنی“ کا مطلب ”آنا“ ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ”آنی“ کا مطلب ”لمحہ“ ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت وشان بیان کرتے ہیں کہ ان تمام نفوس قدسیہ کو موت آئے گی

لیکن صرف ایک لمحہ کے لئے ہوگی۔اس شعر کے پہلے مصرع میں جو لفظ ''آنی'' استعمال کیا گیا ہے۔یہ لفظ آنا کی تانیث اور مصدر ہے، دوسرے مصرع میں جو لفظ آنی ہے وہ آن کی تانیث ہے۔دونوں آنی کے معنی الگ الگ ہیں۔اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے پہلے مصرع میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے اجل آنے کا اقرار کر کے اپنے اقرار کو قرآن کی مشہور آیت کریمہ ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' (سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے۔ (کنزالایمان)

کا شعری ترجمہ فرمایا ہے۔اس آیت میں تمام نفس کو موت کا مزہ چکھنے کا اعلان فرمایا ہے۔لہٰذا اس آیت کا مصداق بننے کے لئے صرف ایک آن کے لئے انبیاء کرام پر موت طاری ہوتی ہے۔دوسرے مصرع میں حضرت رضؔا بریلوی نے انبیائے کرام کی اجل (موت) کو صرف آنی فرما کر ان تمام فرقۂ باطلہ کا رد بلیغ فرمایا۔جو حیات انبیائے کرام کے منکر ہیں۔خصوصاً فرقۂ نجدیہ، وہابیہ، تبلیغیہ کے امام اول فی الہند، قتیل لیلیٰ نجد و تیغ خیار مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں خود ایک جملہ گڑھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔''میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ (معاذ اللہ) یہ جملہ لکھنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ مومنین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنا اور مدد طلب کرنا بند کر دیں۔انبیاء کی حیات دائمی کے متعلق لوگوں کا جو اعتقاد ہے اس کو متزلزل کر دیا جائے۔اور مٹی میں ملنے کی بات تو ایک گھناؤنی توہین ہی ہے۔انبیائے کرام کی حیات حق ہے۔اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی اپنی قبروں میں اپنے جسم کے ساتھ باحیات ہیں۔اور ان کے اجسام ان کی ظاہری حیات کی طرح صحیح سالم اور محفوظ ہیں۔انبیائے کرام کے مقدس اجسام سڑنے، گلنے اور تعفن سے پاک ہیں۔کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسم کو کھانا روئے زمین پر حرام کر دیا ہے۔امام بیہقی نے اس عنوان پر ایک

رسالہ بنام ''حیات الانبیاء'' تالیف فرمایا ہے۔علاوہ ازیں صاحب تفسیر جلالین، حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء'' تصنیف فرما کر حیات انبیاء کے دلائل قاہرہ ثبت فرمائے ہیں۔اجلۂ صحابہ، مثلاً: حضرت انس بن مالک، حضرت اوس بن اوس، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت یوسف بن عطیہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سعید بن مسیّب وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ائمہ ملت اسلامیہ نے حیات انبیاء کے اثبات میں متعدد روایات نقل فرمائی ہیں۔

- امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

''اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ مَرَّ عَلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ ھُوَ یُصَلِّی فِی قَبْرِہٖ۔''

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے وہ اپنے مزار انور میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (انباء الاذکیاء)

- امام ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے کتاب ''حیات الانبیاء'' میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ''

ترجمہ: تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔نماز پڑھتے ہیں۔(انباء الاذکیاء)

- امام ابو داؤد اور امام بیہقی نے حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے افضل دنوں میں جمعہ کا دن ہے۔لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔اس لئے کہ تمہارا درود میرے پاس پیش ہوتا ہے۔صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا۔جب کہ آپ کا جسم باقی نہ رہے گا؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ

تَأكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔''

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا۔

● بیہقی نے اپنی کتاب ''حیات الانبیاء'' میں اور اصبہانی نے اپنی کتاب ''ترغیب'' میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیَاۃِ'' یعنی بے شک وصال کے بعد میرا علم ایسا ہی رہے گا جیسا کہ دنیاوی حیات میں ہے۔

● امام ابو یعلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا قسم اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ ''لَیَنْزِلَنَّ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ لَاَجَبْتُهٗ'' یقیناً عیسیٰ بن مریم (آسمان سے) اتریں گے اس کے بعد میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھ کو پکاریں گے تو میں ان کو جواب دوں گا۔ (انباء الاذکیاء، اردو ترجمہ ۱۳)

● ابو نعیم کی روایت دلائل النبوۃ میں حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ فرمایا جنگ حرہ یعنی مدینہ منورہ پر یزید کی چڑھائی کے زمانے میں صرف میں ہی مسجد نبوی شریف میں تھا۔ اور ''وَ مَا یَأتِی وَقْتُ الصَّلٰوۃِ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ'' یعنی ہر نماز کے وقت مزار انور سے میں اذان سنتا تھا۔

● حافظ الحدیث، حضرت امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی شان میں فرمایا کہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔'' (سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۹)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔ اور انبیاء اس حیات و رزق کے زیادہ

حقدار ہیں۔ اس لئے کہ وہ شہیدوں سے بہت بزرگ اور بہت بڑے ہیں۔ ''وَ کُلُّ نَبِیٍّ اِلَّا وَ قَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّۃِ وَصْفُ الشَّهَادَۃِ'' یعنی اور ہر نبی نبوت کے ساتھ شہید بھی ہے۔ (انباء الاذکیاء اردو ترجمہ، ص ۱۶)

● بخاری و بیہقی نے روایت کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مرض وصال میں فرماتے تھے کہ میں اس کھانے کی تکلیف ہمیشہ پاتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اسی تکلیف کی وجہ سے یہ میرے وصال کا وقت ہے۔ ''فَثَبَتَ کَوْنُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَیًّا فِی قَبْرِهٖ بِنَصِّ الْقُرآن۔'' یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ رہنا صریح قرآن عظیم سے ثابت ہے۔

● امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں فرمایا کہ ''اَلْاَنْبِیَاءُ بَعْدَمَا قُبِضُوا رُدَّتْ اِلَیْهِمْ اَرْوَاحُهُمْ فَهُمْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کَالشُّهَدَاءِ'' یعنی انبیائے کرام کو وصال کے بعد ان کی روحیں واپس دی گئیں، تو وہ شہیدوں کی طرح اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں۔ اور امام قرطبی نے تذکرہ میں اپنے شیخ سے نقل کیا کہ انبیاء کا وصال عدم خالص نہیں۔ بلا شبہ ان کا وصال ایک حال سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ اور اس پر یوں رہنمائی ہوتی ہے کہ شہید قتل ہوئے اور اپنے وصال پانے کے بعد زندہ ہیں۔ رزق پاتے ہیں، خوش وخرم ہیں۔

اور دنیا میں زندوں کا یہی حال ہے ''وَ اِذَا کَانَ فِی الشُّهَدَآءِ فَالْاَنْبِیَاءُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ وَ اَوْلٰی'' یعنی اور جب یہ کیفیت شہداء میں ہے تو نبی اس کے زیادہ حقدار اور بہت لائق ہیں۔ (انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء، ص ۱۸)

● حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کے وصال کا حاصل یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب ہو گئے ہیں کہ ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگرچہ وہ موجود ہیں، زندہ ہیں۔ ''وَ لَا یَرَاهُمْ اَحَدٌ مِّنْ نَوْعِنَا اِلَّا مَنْ خَصَّهُ اللّٰهُ

بِکَرَامِتِہٖ مِنْ اَوْلِیَآئِہٖ '' یعنی اور ہماری نوع انسانی میں سے صرف وہ اولیاء نبیوں کو دیکھتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے کرامت سے سرفراز فرمایا۔

● استاذ العلماء، ابوالمنصو رعبدالقاہر بن بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''اَجْوِبَۃُ مَسَائِل اَنْجَاز مُبِیْن ''میں فرمایا ہے کہ متکلمین ومحققین اہل سنت کا ارشاد ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے وصال کے بعد زندہ ہیں۔''وَ اَنَّہٗ یَبْشُرُ بِطَاعَاتِ اُمَّتِہٖ وَ یَحْزَنُ بِمَعَاصِی الْعُصَاۃِ مِنْھُمْ ''یعنی اور یہ کہ سرکار اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گناہگاروں کے گناہ سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔اور یہ بھی فرمایا کہ انبیاء بوسیدہ نہیں ہوتے نہ ان کا کوئی حصہ زمین کھاسکتی یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے میں وصال فرماگئے اور ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میں نے موسیٰ کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ (انباء الاذکیاء، ص۲۱)

● شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبر میں انبیاء اور شہداء کی حیات دنیا کی حیات کی طرح ہے اور اس کی گواہی دیتا ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلو ۃ والسلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا، اس لئے کہ نماز زندہ جسم ہی پڑھ سکتا ہے۔

● امام بیہقی اپنی کتاب ''حیات الانبیاء'' میں فرماتے ہیں کہ ''بِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَرُدُّ اِلَیْہِ رُوْحَہٗ بَعْدَ الْمَوْتِ عَلَی الدَّوَامِ ''یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی روح وصال کے بعد ہمیشہ کے لئے واپس دے دی ہے۔تو حضور ہمیشہ زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ان پر سلام پیش کرتا ہے، تو اس کا جواب عطا فرماتے ہیں۔ کیوں کہ حضور زندہ ہیں۔

● حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے ایک شعر میں بہت سی احادیث اور بہت سے اقوال ائمہ کرام کی ترجمانی کردی ہے۔اس شعر کے بعد اسی نعت شریف میں

دوسرا شعر بھی اسی مفہوم کا ہے، جس میں حضرت رضا بریلوی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

یعنی صرف ایک آن (لمحہ) کے لئے انبیائے کرام پر موت طاری ہوتی ہے۔اور پھر اس آن کے بعد انبیائے کرام مثل سابق یعنی پہلے کی طرح جسمانی طور پر زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔حیات انبیاء کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی کی دل پذیر وضاحت قابل صد تحسین ہے۔

(13)

اس پاک کو میں خاک بسر سر بخاک ہیں
سمجھے ہیں کچھ یہی جو حقیقت بسر کی ہے

حل لغت:

کو: گلی، کوچہ، محلّہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۰۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۱)

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، کیوں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، دھرتی، بالکل نہیں، سرشت۔

(فیروز اللغات، ص ۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص ۶۱)

ب: ساتھ، مع، لئے، واسطے، سے، از، قسم، مطابق، میں، اندر، پر، اوپر، مقابل۔

(فیروز اللغات، ص ۱۵۳)

سر: سر، کھوپڑی، کسی چیز کا اوپر کا حصہ، ابتداء، فکر، خیال، زور، قوت، سردار، خلاصہ، خواہش، ارادہ، کنارہ، عنوان، عشق، دماغ، برابر، بالکل۔

(فیروز اللغات، ص ۷۸۶ ☆ لغات کشوری، ص ۳۷۴)

بسر: ب+سر=بسر، یعنی سر پر۔ (فیروز اللغات، ص ۲۰۲)

بخاک: ب+خاک=بخاک، یعنی خاک پر۔

بسر: گزر، گزارنا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۰۲)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''بسر'' کا مطلب ''سر پر'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''بسر'' کا مطلب ''گزر'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان خیر الدیار، افضل البلاد، مدینہ منورہ کی عظمت وفضیلت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جہاں عرش سے بھی افضل، مقدس آرام گاہ ہے اس گلی کی خاک کو سر پر اور سر کو اس مقدس خاک پر رکھنا ہی معراج زندگی ہے۔ جو حضرات اس حقیقت کو سمجھتے ہیں، یعنی عارفین ہیں وہ اس سعادت عظمیٰ اور اس نعمت کبریٰ کے حصول کی تمنا میں اپنی زندگی بسر کردیتے ہیں۔

اس شعر میں لفظ ''بسر'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ لیکن دونوں بسر میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''بسر'' ہے وہ ''ب+ سر= بسر'' ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان دونوں الفاظ کا ایسے حسین طریقہ سے استعمال فرمایا کہ بڑے بڑے شعراء وادباء بھی اس طرح کے استعمال سے اکثر عاجز وقاصر ہوتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے اس شعر کے ذریعہ اردو نعتیہ شاعری کے حسن میں چار چاند لگا دیا ہے۔ دونوں لفظ بسر حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی ومطلب دونوں میں مشرق ومغرب کا بعد ہے۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کے الفاظ پر توجہ فرمائیں کہ ''خاک بسر سر بخاک'' یعنی خاک سر پر ہو اور سر خاک پر'' کتنی نفیس بندش ہے۔ اور کتنی عظیم آرزو وتمنا ہے کہ خاک سر پر ہو اور سر خاک پر ہو۔ اور یہ کیفیت صرف ایک ہی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے جب آدمی زیر زمین مدفون ہو۔ کیوں کہ جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کا سر خاک پر ہی ہوتا ہے۔ اور دفن کے بعد اس کے سر پر خاک ہوتی ہے۔ یہ حقیقت بیان کرکے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ یہ ترغیب دے رہے ہیں

کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوچے میں دفن ہوجاؤ اور جس کو وہاں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوگئی اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور گئی۔ یعنی اس کی دنیاوی زندگی بھی کامیاب رہی اور قبر کی منزل میں حشر تک عیش و آرام سے رہے گا۔ اور جو اس حقیقت کو جان گئے، وہ ہمیشہ مدینہ منورہ میں مرجانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ احادیث میں بھی وارد ہے۔

● ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَةِ فَلْیَمُتْ فَمَنْ مَاتَ بِالْمَدِیْنَةِ کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَّ شَهِیْدًا۔'' یعنی جو شخص مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اسی جگہ مرے، پس جو مدینہ میں مرا وہ میری شفاعت اور میری شہادت باسعادت سے مشرف ہوگا۔

منجملہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس شہر پاک میں اقامت کی ترغیب دی ہے۔ اور اپنے شہر مبارک میں موت کو پسند فرمایا ہے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص۲۲)

● حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے ''اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُنَادِیَا بِمَكَّةَ'' یعنی اے اللہ! میری موت مکہ میں مت کر اور میری روح سوائے مدینہ کے نہ نکال۔

● ایک حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ روئے زمین پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی خطہ زمین ایسا نہیں جس کو میں اپنی قبر کے لئے پسند کروں۔ (جذب القلوب، ص۲۳)

● امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ یہ دعا کرتے تھے۔ ''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَ اجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ۔'' یعنی اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور مجھے موت اپنے رسول کے شہر میں دے۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت سے جو لوگ سب سے پہلے میری شفاعت کا شرف حاصل کریں گے وہ اہل مدینہ ہیں۔ ''ثُمَّ اَهْلَ مَكَّةَ ثُمَّ اَهْلَ الطَّائِفِ'' ان کے بعد اہل مکہ، پھر اہل طائف۔ (جذب القلوب، ص۲۲)

● جب امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغیوں نے گھیر لیا تھا۔ تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ کو مشورہ دیا کہ مصلحت اور وقت کی نزاکت یہ ہے کہ آپ اہل شام کے ساتھ ملک شام چلے جائیں تاکہ اس بلا اور مصیبت سے آپ نجات پائیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے ہم سایوں کو چھوڑوں۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۷۶۸)

المختصر! حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طیبہ کی جدائی کو گوارا نہ کیا۔ اور اپنی جان کی حفاظت سے بھی زیادہ اہمیت مدینہ طیبہ کی حاضری کو دی۔ ماحول دن بدن مخالف ہوتا گیا۔ لیکن آپ نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس دیار نہ چھوڑا۔ آپ نے بے شمار مصائب و تکالیف برداشت فرمائے۔ بالآخر مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہتے ہوئے ہی آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور سرزمین مدینہ میں مدفون ہونے کی سعادت حاصل کی۔

بقول حضرت رضا بریلوی:

یہ سر ہو اور وہ خاک در وہ خاک در ہو اور یہ سر
رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

❁......❁......❁

(14)

بلبل گل مدینہ ہمیشہ بہار ہے
دو دن کی ہے بہار فنا ہے مآل گل

حل لغت:

بلبل: عندلیب، ایک نہایت خوش آواز پرندہ، ہزار داستاں۔

(فیروز اللغات، ص۲۱۲ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۲۵)

گل: پھول، جسم کو داغنے کا نشان، چراغ کی بتی کا جلا ہوا یا جلتا ہوا سرا، جوتے کی ایڑی کا چمڑا، معشوق، داغ، دھبہ، پھانسی، حقے کا جلا ہوا تمباکو، وہ سفید دھبہ جو آنکھوں میں پڑ جائے، آگ سے جل جانے کا نشان، آگ کا انگارہ، نتیجہ، بہتر، خوب۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)

بہار: پھول کھلنے کا موسم، بسنت رُت، موسم ربیع، نارنج کا پھول، گٹے کا پھول، لطیف، مزہ، جوبن، خوشی، شباب، سرسبزی، شادمانی، ایک نفیس کپڑے کی قسم، نام ایک بت خانہ کا، رونق صریح، فرحت، تروتازگی، اسیر، تماشا، آنند، سرور، نشہ کا چڑھاؤ۔

(فیروز اللغات، ص۲۲۵ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۸ ☆ کریم اللغات، ص۲۶)

دودن: قلیل عرصہ، تھوڑا سا زمانہ۔ (فیروز اللغات، ص۶۵۰)

فنا: نیستی، موت، ہلاکت، بربادی، نابود، نیست، مرنا، ہلاک ہونا۔

(فیروز اللغات، ص۹۳۸ ☆ لغات کشوری، ص۵۴۲)

مآل: مرجع، جائے بازگشت، جائے رجوع، لوٹنے کی جگہ، انجام، نتیجہ، خاتمہ، اخیر۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۷۸ ☆ لغات کشوری، ص۶۵۱)

پہلے مصرع میں لفظ ''بہار'' کا مطلب ''شادمانی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''بہار'' کا مطلب ''بسنت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ کے پھول اور مدینہ طیبہ کے علاوہ دیگر مقامات کے پھولوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پھول سے بے انتہا محبت رکھنے والی بلبل کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے بلبل! صرف مدینہ کے پھول کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ جس پر ہمیشہ بہار رہتی ہے اور مدینہ کے علاوہ دیگر مقامات کے جو پھول ہیں ان پھولوں پر صرف دودن یعنی قلیل عرصہ کے لئے ہی بہار ہے اور پھر انجام یہ ہوگا کہ دودن کی بہار کے بعد وہ پھول فنا کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ طیبہ کے پھول کی تعریف وتحسین اور اس کی شادمانی کی بقا کا تذکرہ کر کے مدینہ کے مکیں، گنبد خضریٰ میں آرام فرمانے والے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کے فیض وکرم کی شان رفیع کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مسعود کے طفیل شہر مدینہ ہمیشہ آباد رہے گا۔ برکت ظاہر و باطن کے آثار اس شہر مقدس میں آشکار ہوتے رہیں گے۔ یہاں آپ کی تشریف آوری کے بعد ہمیشہ خیر و برکت کا نزول ہوا اور تا قیام قیامت ہوتا رہے گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم کے قدم ناز کی برکت اور پاکیزہ دعاؤں کا صدقہ اور طفیل ہے۔

- امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ ایک دن وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور بحرہ سقیا جو حضرت سعد بن ابی

وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ہے وہاں پہنچے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا، اس کے بعد آپ نے روبقبلہ کھڑے ہو کر یہ دعا فرمائی، اے اللہ ابراہیم تیرا بندہ اور تیرا خلیل ہے۔ انہوں نے تجھ سے اہل مکہ کی بابت دعا کی تھی کہ یہاں خیر و برکت دے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں اہل مدینہ کے لیے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب! اہل مدینہ کے مد اور صاع (اناج ناپنے کے پیمانے) میں ویسی ہی برکت دے جیسی تو نے اہل مکہ کو برکت دی لیکن اہل مدینہ کو اہل مکہ سے دوگنی برکت عطا فرما۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص ۲۵)

● صحیح بخاری شریف میں آیا ہے ''اِنَّهَا طَيْبَةٌ تَنْفِي الذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْفِضَّةِ '' یعنی وہ مدینہ پاک ہے جو گناہوں کی نجاست کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح سناروں کی بھٹی چاندی کے میل کچیل صاف کرتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں گناہوں کی نجاست دور ہونے کے ساتھ ساتھ امراض باطنی و ظاہری اور ہر قسم کے مصائب و آفات بھی دور ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے دروازوں پر فرشتے ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے۔ (بخاری شریف)

تاریخ و سیر کی کتابوں میں ایسے کئی واقعات مروی و منقول ہیں۔ لیکن یہاں پر طول تحریر کے خوف سے صرف ایک عجیب و غریب آگ کا واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اس آگ کے واقعہ کو مدینہ طیبہ کے کئی مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں مرقوم فرمایا ہے۔ مثلاً: جمال مصری، علامہ قسطلانی، قرطبی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ۔

● قرطبی کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں ۶۵۴ھ کے جمادی الاولیٰ کے شروع سے تیسری جمادی الآخرۃ تک زبردست زلزلے آئے، جن کی آواز ایسی تھی گویا بادل گرج رہے ہوں۔ تمام مکانات اور دیواریں جنبش میں آگئیں۔ ایک رات میں چودہ یا اٹھارہ مرتبہ متواتر زلزلہ آتا

رہا۔ اس زلزلے کے تین مہینے کے بعد جب کہ لوگ عشاء کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے، ایک آگ حجاز کی جانب سے ظاہر ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آگ بہت بڑا قلعہ بند شہر ہے جس میں بڑے بڑے برج دکھائی دیتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بڑی جماعت ہے جو اس کو کھینچ لا رہی ہے۔ جو پہاڑ اس آگ کے درمیان آجاتا یہ آگ اسے جلا کر خاکستر کر دیتی۔ اکثر پہاڑوں کو رانگ کی طرح پگھلا دیتی، یہ آگ بجلی کے مانند آواز کرتی اور دریا کے مثل موجیں مارتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس آگ کے درمیان سے سرخ اور نیلی نہریں نکلتی ہوں۔ لیکن جب یہ آگ مدینہ کے قریب پہنچی تو ان تمام باتوں کے باوجود ایک ٹھنڈی ہوا اس آگ کی طرف سے مدینہ میں آتی ہے۔

● امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس آگ کی روشنی تمام اطراف آبادی اور جنگل کو گھیرے ہوئے تھی، حرم نبوی اور مدینہ منورہ کے جملہ مکانات کو مثل آفتاب کے روشن کئے ہوئے تھی، یہاں تک کہ لوگ راتوں کو اس کی روشنی میں کام کر لیتے تھے۔ ان ایام میں آفتاب اور ماہتاب کو گہن لگ گیا تھا۔ اور ان کی روشنی زائل ہو گئی تھی۔

● بعض لوگوں نے مکہ معظّمہ میں بھی اس آگ کی روشنی کو دیکھا۔ اور تیما و بصریٰ میں بھی مشاہدہ کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس آگ کی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ایک آگ حجاز کی جانب سے نکلے گی اور اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں بصریٰ میں دکھائی پڑیں گی، مورخوں نے بیان کیا ہے کہ اس آگ کا طول (لمبائی) چار فرسنگ کے برابر اور عرض (چوڑائی) چار میل اور گہرائی آدمیوں کے ڈیڑھ قد کے برابر تھی، اس کی رفتار اہلے کے مانند اور اس کی موجیں مثل دریا کے تھیں۔

● اس آگ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کی گرمی سے پتھر پگھل جاتے تھے اور اس سے بھی زیادہ اچنبھے کی بات یہ ظاہر ہوئی کہ ایک بہت بڑی دیوار نمودار ہوئی، جس نے مدت

درازتک لوگوں کو چلنے سے روک دیا اور مویشی اور چوپایوں کی رہ گزر بند ہوگئی۔لیکن یہ دیوار ایک بڑی حکمت پر مشتمل تھی۔وہ یہ کہ دوسری جانب سے فسادی بدو مدینہ میں پہنچ کر ساکنان شہر مقدس کو پریشان کیا کرتے تھے۔اس دیوار کے وجود نے ان کے داخلے کو روک دیا۔

● اس آگ کے عجائبات اور اس کے حیرت انگیز واقعات احاطۂ تحریر و بیان سے باہر ہیں۔جمال مصری جو مدینہ منورہ کے مورخین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ اس آگ کی عجیب باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ یہ پتھروں کو خاک کر دیتی تھی۔لیکن درختوں کو اس سے کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا۔وہ کہتے ہیں کہ امیر عزالدین کے آزاد کردہ غلام مجھ سے کہتے تھے کہ مجھے ایک دوسرے شخص کے ساتھ امیر عزالدین نے اس آگ کی تحقیقات کے لئے حکم فرمایا۔ہم دونوں سوار ہوکر اس آگ کے قریب پہنچے، کسی قسم کی گرمی ہم کو اس سے محسوس نہ ہوئی، حالاں کہ یہ پہاڑوں اور قلعوں کو بھی بھسم کر دیتی تھی، میں نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اس کی طرف پھینکا تیر کے سارے پر تو جل گئے لیکن اس کی لکڑی سلامت رہی، جمال مصری کہتے ہیں کہ یہ حالت سن کر میرے دل میں ایک دوسری بات آئی کہ اس آگ کا درختوں کو نہ جلانا گویا علامت ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم بنانے کی۔جس طرح کہ حرم مدینہ کی شان میں آپ نے فرمایا کہ تمام مخلوقات پر اس کی اطاعت واجب اور کائنات پر اس کے ادب کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

● امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ایک صاحب جن کی خبریں وثوق اور اعتماد کے لائق ہیں۔میں نے ان سے سنا ہے کہ میدان میں ایک بڑا پتھر پڑا ہوا تھا۔جس کا آدھا حصہ حرم میں داخل تھا۔اور باقی نصف حصہ خارج از حرم تھا۔اس آگ نے خارجی حصہ کو تو جلا دیا۔لیکن جب داخلی حصہ تک پہنچی تو گل ہوگئی۔

● مورخین نے بیان کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے قاضی و امیر نے تمام باشندگان کے ساتھ جمع ہوکر گریہ وزاری شروع کی، غلاموں کو آزاد کرکے داد سخاوت دی، جمعہ اور ہفتہ کی شب میں

تمام اہل مدینہ حتی کہ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔سب نے مل کر حرم شریف میں رات گزاری اور حجرہ شریف کے گرد برہنہ سر گریہ وزاری کرتے رہے۔حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اس آگ کا رخ شمال کی طرف پھیر دیا۔اور باشندگان شہر مدینہ منورہ کو اپنے کرم کا امیدوار بنایا۔بڑھتی ہوئی آگ اور اس کے شعلے جنگلوں کو چلے گئے۔

● اس آگ کی مدت بقول مورخین تین مہینہ تھی۔اور علامہ امام قسطلانی نے اس آگ کی مدت بارہ روز بتائی ہے۔اتنی طویل مدت تک یہ آگ جلتی رہی اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ اور اہل مدینہ کو کوئی نقصان نہ ہوا۔

(جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص۴۵ تا ۴۸)

مذکورہ واقعہ میں ایک بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ آگ نے پتھر کا وہ حصہ جو حرم نبوی کی حد سے باہر تھا اس کو تو جلا دیا، لیکن جو حصہ حدود حرم میں داخل تھا۔اس کو آگ نہ جلا سکی، یہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت تھی۔تو ثابت ہوا کہ جس پتھر کو حرم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہوگی وہ آگ میں جلنے سے محفوظ رہا۔تو جس کو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت عشق و محبت ہے۔وہ بھی انشاء اللہ یقیناً جہنم کی آگ میں جلنے سے محفوظ رہے گا۔اور اسی عشق نبی کی برکت و نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں بلبل سے مخاطب ہوکر فرمایا ہے کہ اے بلبل! اگر تجھے عاشق ہونا ہے تو مدینہ منورہ کے پھول پر عاشق ہو کیوں کہ گل مدینہ ہمیشہ پُر بہار ہے اور مدینہ کا گل فنا ہونے سے محفوظ و مامون ہے۔

(15)

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

حل لغت:

کریم: بخشنے والا، سخی، بزرگ، فیاض، مہربان، گناہ بخشنے والا، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۰۶ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۹)

بہا: بہانا، جاری کرنا، رواں کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۲۶)

دُر: موتی، گوہر، کان میں پہننے کا ایک زیور، بڑا موتی، جواہر۔
(فیروز اللغات، ص ۶۱۹ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص ۷۰)

بہا: مول، قیمت، دام۔
(فیروز اللغات، ص ۲۲۵ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۸ ☆ کریم اللغات، ص ۲۶)

بے بہا: بیش قیمت، انمول، بے انداز قیمت والی چیز، بہت زیادہ قیمت کی شئے، نایاب، کم یاب، نفیس، عمدہ، عجیب، وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۲۴۴)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''بہا'' کا مطلب ''بہانا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''بہا'' کا مطلب ''قیمت'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وکرم اور عنایت وسخاوت کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ میرے فیاض ومہربان آقا کی سخاوت وبخشش کا یہ عالم ہے کہ میرے آقا سے اگر کسی نے پانی کا ایک قطرہ مانگا۔ اور اپنا دامن اس بارگاہ میں پھیلایا تو میرے آقا نے مانگنے والے کو صرف قطرہ ہی نہیں دیا، بلکہ اس کے لیے دریا بہادیئے ہیں۔ صرف پانی کا دریا ہی نہیں بہایا، بلکہ بیش قیمت موتی بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''بہا'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''بہا'' ہے وہ بہانا یا جاری کرنا یا رواں کرنے کے معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''بہا'' ہے، وہ قیمت اور دام کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''بہا'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر اردو ادب کی فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں میں حضرت رضا بریلوی نے قطرہ، دریا اور دُر جیسے تین الفاظ کا استعمال فرمایا ہے کہ ان تینوں میں آپس میں گہری مناسبت ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''قطرہ قطرہ دریا می شود'' یعنی قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے، نیز دریا بے شمار قطرات کا مجموعہ ہے۔ قطرے سے دریا ہوتا ہے اور دریا میں قطرہ ہوتا ہے۔ یعنی قطرہ اور دریا کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ تیسرا لفظ ''در'' یعنی موتی کا استعمال فرمایا ہے۔ موتی اور قطرہ دونوں کا دریا سے مضبوط رشتہ ہے۔ کیوں کہ موتی دریا سے برآمد ہوتا ہے۔ لیکن اس موتی کی تخلیق کا سبب ایک قطرہ ہے۔ سیپ نام کی ایک دریائی مخلوق پانی کی سطح پر آکر آسمان کی طرف اپنا منھ کھلا رکھتی ہے۔ اس کے کھلے منھ میں ابرنیساں کا قطرہ ٹپکتے ہی اس کا منھ بند ہوجاتا ہے۔ اور وہ سیپ پانی کے اندرونی حصہ میں چلی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ تک ابرنیساں کا قطرہ سیپ میں رہتا ہے۔ ماہرین علم جواہرات اور ماہرین علم الحقیقت کے اقوال ونظریات کے مطابق سیپ کے پیٹ کی گرمی کی وجہ سے وہ ابرنیساں کا قطرہ آہستہ آہستہ پکتا رہتا ہے اور بالآخر وہ ابرنیشاں کا قطرہ موتی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ موتی

ڈھونڈھنے کا پیشہ کرنے والے دریا کے سیپ کا پیٹ چاک کرکے موتی برآمد کرتے ہیں۔تو موتی قطرے سے بنا اور دریا کے اندر رہا۔اس ناطے موتی کو قطرے اور دریا دونوں سے رشتہ ہے۔

علاوہ ازیں حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں قطرہ، دریا اور دُر کو ایسی ترتیب سے استعمال فرمایا ہے کہ ربط منقطع نہیں ہوتا۔پہلے قطرہ کا لفظ استعمال فرمایا۔بعد میں دریا اور بعدہ موتی، یعنی قطرہ سے دریا بنا اور دریا سے موتی برآمد ہوا۔شعر کا تیور اور انداز بیان دیکھتے ہی دل عشق رسول کی مستی میں سرشار ہوکر جھوم اٹھتا ہے۔مانگنے والے نے ''قطرے'' نہیں مانگے بلکہ ''قطرہ'' مانگا اور عطا کرنے والے پیارے آقا نے دریا نہیں ''بہادیا'' بلکہ ''بہادیئے'' ہیں۔صرف ایک قطرہ کا سوال کیا گیا تھا لیکن سخی آقا نے ایک قطرہ یا ایک دریا نہیں بہایا بلکہ کئی دریا بہادیئے۔صرف دریا ہی نہیں بلکہ دریا کے ساتھ ساتھ در بے بہا یعنی انمول موتی بھی عطا فرمائے ہیں، کیوں کہ عطا فرمانے والا ما و شما جیسا بشر نہیں ہے بلکہ قاسم نعمت اللہ یعنی اللہ کی رحمت کو تقسیم فرمانے والے محبوب خدا، اور اجود الناس یعنی انسانوں میں سب سے زیادہ سخی ہیں۔

ایک اہم بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جود و عطا میں دینے والے کا کردار ہی اہم ہوتا ہے۔مانگنے والا تو کچھ بھی مانگ لیتا ہے لیکن عطا کا پورا دار و مدار دینے والے کی استطاعت وسخاوت پر منحصر ہوتا ہے۔مثال کے طور پر کسی مالدار سے ایک فقیر نے پانچ سو روپیہ کا سوال کیا۔فقیر کی مراد پوری ہونے کے لئے دو امر کا ہونا ضروری ہے۔اول یہ ہے کہ جس سے سوال کیا گیا ہے اس کے پاس اتنا مال ہونا ضروری ہے کہ وہ سائل کا سوال پورا کرسکے، اور دوم یہ ہے کہ اس میں فراخ دلی کا ہونا لازمی ہے کہ وہ بخل سے کام نہ لے۔دونوں میں سے کسی کے فقدان کی صورت میں سائل کا سوال پورا ہونے کا امکان نہیں۔مثلاً: فقیر نے جس شخص

سے پانچ سو روپیہ کی مدد کا مطالبہ کیا وہ شخص دل سے چاہتا ہے کہ فقیر کا سوال پورا کردوں، لیکن وہ خود بھی مفلس الحال ہے۔فقیر کو پانچ سو روپیہ دینا تو درکنار، صرف پانچ روپیہ بھی اس کے پاس نہیں یا یہ کہ اس کے پاس اتنا مال ہے کہ فقیر کو پانچ سو تو کیا پانچ ہزار بھی دے سکتا ہے، لیکن وہ شخص اول نمبر کا بخیل ہے۔ایک پھوٹی کوڑی بھی کسی کو دینے میں ہزار بار سوچتا ہے۔ان صورتوں میں فقیر کا سوال کبھی بھی پورا نہیں ہوسکتا۔لہٰذا عطا کرنے والے کا صاحب استطاعت اور صاحب دل ہونا ضروری ہے۔مفلس ہو اور دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔یا مال ہو مگر دینے والا بخیل (کنجوس) ہو تو کام نہیں بنے گا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داد و دہش کے متعلق یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار و قبضہ میں تمام خزانے بھی ہیں۔اور حضور دینے کے معاملے میں قطعاً بخیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بعد انسانوں میں سب سے بڑھ کر سخی ہیں۔

● حدیث میں ہے کہ حضور اقدس، اجود الناس، مالک و مختار، آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اَللّٰہُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ'' یعنی اللہ سب سے بڑا جواد (سخی) ہے، پھر میں بنی آدم میں سب سے بڑا اجواد ہوں۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۹۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ جواد یعنی سخی ہیں۔آپ کی سخاوت کا کوئی ثانی ہی نہیں۔اب کچھ ایسی احادیث ملاحظہ

فرمائیں، جن سے یہ ثابت ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ واختیار میں کیا کیا تھا؟

● حضرت امام بخاری اور امام مسلم حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''بَیْنَـنَـا اَنَا نَائِمٌ ، اِذْ جِیْئَ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ''

ترجمہ: میں سو رہا تھا کہ تمام خزائن زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

● امام احمد اور ابو بکر بن ابی شیبہ امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اُعْـطِیْـتُ مَـا لَـمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِی نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ''

ترجمہ: مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہ ملا، رعب سے میری مدد فرمائی گئی، اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔

● امام احمد اپنی مسند میں اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور ضیاء مقدسی اپنی صحیح مختارہ میں اور ابو نعیم دلائل النبوۃ میں بسند صحیح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اُتِیْـتُ بِـمَـقَـالِیْـدِ الدُّنْیَا عَلٰی فَرَسٍ اَبْلَقٍ جَاءَ نِیْ بِهٖ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ قَطِیْفَةٌ مِنْ سُنْدُسٍ''

ترجمہ: دنیا کی کنجیاں ابلق گھوڑے پر رکھ کر میری خدمت میں حاضر کی گئیں۔ جبرئیل اسے لے کر آئے اس پر نقش ونگار کیا ہوا ریشم کا کپڑا پڑا ہوا تھا۔

● امام اجل علامہ احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جوہر منظم میں فرماتے ہیں کہ ''هُـوَ صَـلَّـی الـلّٰـهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ الَّذِیْ جُعِلَ خَزَائِنُ کَرَامِهٖ وَ مَائِدَةُ نِعَمِهٖ طَوْعَ یَدَیْهِ وَ اِرَادَتِهٖ یُعْطِیْ مَنْ یَشَآءُ''

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع اور ان کے ارادے کے زیر فرمان کر دیئے ہیں۔ جسے چاہیں عطا فرمائیں۔

● حضرت ربیعہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنت کا سوال کیا تو حضور نے ان کے سوال کو شرف قبولیت سے نوازا، اس حدیث کو شعر نمبر 85 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں، اس حدیث کے ضمن میں علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری اپنی مستند کتاب ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں کہ ''یُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَمْرُ بِـالسُّوَالِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مَکَّنَهٗ مِنْ اِعْطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ'' فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مانگنے کا مطلق حکم دیا، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو کچھ چاہیں، عطا فرمائیں۔

● اسی کتاب میں مذکور ہے کہ ''لَـمْ یَکُنْ اَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ اِلَّا وَقَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَـلَیْهِ وَ اَنْعَمَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ الـلّٰـهِ صَـلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ'' یعنی صحابہ سب ایسے ہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نعمت بخشی اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعمت بخشی۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرکار تولد ہوئے تو آسمان سے پکارنے والے نے پکارا کہ نصرت، فتح اور نبوت کی سب کنجیوں پر حضور نے قبضہ فرمالیا۔ یہ حدیث طویل ہے۔ اور اس حدیث کو بالتفصیل ملاحظہ فرمانے کے لئے شعر 89 کی تشریح کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کریں۔

اب ہم احادیث کی کتابوں سے کچھ ایسے واقعات نقل کرتے ہیں جن میں صراحت

موجود ہے۔کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائلوں کو کس قدر نوازا اور مالا مال فرما دیا۔

● حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار بکریوں سے بھرا جنگل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت میں آیا، حضرت صفوان بن امیہ نے حضور سے سوال کیا، تو آپ نے از راہ سخاوت دو پہاڑوں کے درمیان جتنی بکریاں تھیں انہیں دے دیں، وہ اپنی قوم میں آئے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ، محمد (ﷺ) اتنا عطا کرتے ہیں کہ انہیں اپنے فقر کی فکر ہی نہیں۔ اس حدیث کو حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روایت فرمائی ہے۔

● امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ نوے ہزار (۹۰۰۰۰) درہم لائے گئے۔ آپ نے ان دراہم کو چٹائی پر رکھ کر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اور کسی سائل کو محروم نہ رکھا یہاں تک کہ سب تقسیم فرما دیئے۔

(مدارج النبوۃ، جلد اول، ۹۵)

● صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ''بحرین'' سے کچھ مال لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں پھیلا دو، پھر آپ مسجد سے باہر تشریف لائے تو نماز سے فارغ ہو کر مال کے نزدیک تشریف فرما ہوئے اور ہر کسی کو وہ مال عطا فرمایا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اس مال سے عنایت فرمایئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی چادر میں اتنا بھر دیا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ پھر جب حضور اٹھے تو ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے وہ ایک لاکھ درہم تھے۔ جسے علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین کے خراج سے بھیجا تھا۔ اور یہ پہلا مال تھا جو حضور کی خدمت میں لایا گیا تھا۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۹۵)

● ایک عورت طبق میں ایسی کھجوریں کہ جن پر دھاریاں اور نرم روئیں تھے، لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ ایسی کھجوریں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے سونے کے زیورات سے ان کھجوروں کو لانے والی خاتون کے دونوں ہاتھ بھر دیئے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۹۷)

● ایک شخص کے کھیت میں لمبی ککڑیاں پیدا ہوئیں۔ وہ ان ککڑیوں کو لے کر بطور تحفہ پیش کرنے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا تحفہ قبول فرمایا۔ اور اس کے عوض میں اس کو لپ بھر کر سونا عنایت فرمایا۔

ایسے اور بھی بہت سے واقعات ہیں اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی جود و سخاوت میں قیامت تک کے انسانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے۔ اور اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

دریا بہا دیئے ہیں ، درِ بے بہا دیئے ہیں

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے سخی و کریم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں جود و عطا، سخا و کرم اور عنایت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی الگ الگ نعتوں میں اس طرح رقم طراز ہیں کہ:

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

●

سائلو! دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

●

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشئ رحمت کا قلمدان گیا

●

مرے غنی نے جواہر سے بھر دیا دامن
گیا جو کاسۂ مہ لے کے شب گدائے فلک

●

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

●

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

●

صدقے اس انعام کے قربان اس اکرام کے
ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ واہ

●

کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ

●

لَاوَرَبِّ الْعَرْشِ جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

●

مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں نہ ہے ، نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے

●

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

●

اسی سرکار سے دنیا و دیں ملتے ہیں سائل کو
یہی دربار عالی کنز آمال و امانی ہے

❁……❁……❁

(16)

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

کان: گوش، سننے کا عضو، سماعت، سننے کی قوت، چارپائی کی ٹیڑھ، بل، کھینچاؤ، توجہ، دھیان، عورتوں کے کان کا ایک زیور، ستار اور تنبورہ وغیرہ کی کھونٹی۔

(فیروز اللغات، ص۹۷۹)

کان: معدن، کھان، معدہ، وہ جگہ جہاں سے کھود کر دھات یا جواہرات وغیرہ نکالتے ہیں، منبع، سرچشمہ۔ (فیروز اللغات، ص۹۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۵۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۷)

لعل: سرخ رنگ کا جوہر، معشوق کے ہونٹ، ایک جوہر سرخ رنگ کا جو مشہور ہے۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۵۶ ☆ کریم اللغات، ص۶۳۸)

کرامت: بزرگی، بڑائی، فضیلت، بخشش، سخاوت، خرق عادت، انوکھا پن، خوبی، عمدگی۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۱ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۵ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۸)

پہلے مصرع میں لفظ ''کان'' کا مطلب ''گوش'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''کان'' کا مطلب ''معدن'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و

مولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گوشہائے مبارک (کان) کی مدح وثنا کرتے ہوئے ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ ایک عاشق کو اپنے محبوب کی ہر چیز و ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ سچا عاشق وہی ہے جو اپنے محبوب کی خوبیوں کو احسن طریقے سے بیان کرے، اور یہ تو محبوب خدا کی بارگاہ ہے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخزن خوبی بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ جن کی ہر ادا بے مثل ومثال ہے۔ اس شعر میں پہلے اور دوسرے دونوں مصرعوں میں لفظ کان کا استعمال ہوا ہے، پہلے مصرع میں جو لفظ کان ہے اس کا مطلب گوش، سننے کا عضو ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ کان ہے۔ اس کے معنی کھان، معدن (Mine) ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک کان کی توصیف وتعریف کرتے ہوئے شعر کی ابتداء میں فرماتے ہیں کہ ''دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان'' یہ مبارک کان دور کی آواز بھی سن لیتے ہیں اور نزدیک کی آواز بھی سن لیتے ہیں۔ شعر میں صرف دور اور نزدیک مطلق کہا گیا۔ دوری اور نزدیکی کی مسافت اور فاصلہ نہیں بتایا گیا، کہ اتنے دور تک ہی یا اتنے نزدیک تک ہی سن سکتے ہیں۔ بلکہ دور کی اور بہت ہی نزدیک کی بات سن سکتے ہیں۔ اس شعر کی ایک خوبی اور واضح کر دوں کہ حضرت رضا بریلوی نے ''سننے والے'' کی اضافت کر کے مزید وضاحت کر دی ہے کہ یہ کان بذات خود سنتے ہیں۔ کسی آلہ کے وسائط سے نہیں سنتے۔ آج کے جدید سائنسی اور ٹکنالوجی کے دور میں ٹیلی فون اور موبائل کے ذریعہ آدمی دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر دوسرے کونے کی بات سماعت کر لیتا ہے۔ لیکن وہ آدمی ٹیلی فون کے آلات کا محتاج ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ برقی لائن اور سٹیلائٹ کے رابطے کا بھی مرہون منت ہے۔ لیکن یہ وہ مقدس کان ہیں جو کسی وسائط کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقدس کانوں کی قوت سامعہ اتنی تیز اور قوی بنائی ہے کہ چاہے جتنی بھی دوری ہو سماعت کے لئے مانع نہیں۔ بلکہ ان کی سماعت کا تو یہ عالم ہے کہ سرزمین مدینہ منورہ پہ رہ کر آسمان کی آواز سماعت فرما لیتے تھے۔

حضرت ابوذر اور حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اِنِّی لَارٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اِنِّی اَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَاءِ'' یعنی میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ اس وقت میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں۔ یہ خطاب آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا ہے۔ اور اس وقت آپ جسم اقدس کے ساتھ بشری لبادہ میں صحابہ کے روبرو تھے۔

اب ایک حدیث ایسی ملاحظہ ہو جس میں ذکر ہے، کہ جب آپ شکم مادر میں جلوہ افروز تھے تب آپ کی قوت سامعہ کا کیا عالم تھا؟ اور آپ کیا کیا سماعت فرماتے تھے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ '' وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ کُنْتُ اَسْمَعُ صَرِیْرَ الْقَلَمِ عَلَی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَ اَنَا فِیْ ظُلْمَةِ الْاَحْشَاءِ وَ کُنْتُ اَسْمَعُ سُجُوْدَ الْقَمَرِ اَمَامَ الْعَرْشِ وَ اَنَا فِی ظُلْمَةِ الْاَحْشَاءِ۔''

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں شکم مادر میں لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز سنتا تھا۔ اور اسی طرح شکم مادر میں میں چاند کے عرش کے سامنے سربسجود ہونے کی آواز بھی سنتا تھا۔ وہ مقدس کان قوت سامعہ کی خرق عادت طاقت رکھنے کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن میں بھی بے نظیر تھے۔ محبوبۂ محبوب رب العالمین، ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان مقدس کانوں کے حسن کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ''وَلَتَخْرُجُ الْاُذُنُ بِبَیَاضِهَا مِنْ تَحْتِ تِلْكَ الْغَدَائِرِ کَاَنَّمَا تُوْقَدُ الْکَوَاکِبُ الدُّرِّیَّةُ بَیْنَ ذٰلِكَ السَّوَادِ '' یعنی آپ کی مبارک زلفوں کے درمیان دونوں سفید کان یوں محسوس ہوتے تھے جیسے تاریکی میں دو چمکدار ستارے طلوع ہوں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان مقدس کانوں کو ''لعل کرامت'' کہہ کر عشق نبی کے جواہرات کی لڑی پروئی ہے۔ کان لعل کرامت یعنی کرامت کے جواہرات

کی کھان یا معدن، جواہرات کا خزانہ نہیں کہا بلکہ کان یعنی معدن کہا۔ جو خزانے سے ہزار ہا گنا زیادہ ہے۔ بارہا ہم نے سنا اور پڑھا ہے کہ بادشاہ کا خزانہ، حکومت کا خزانہ، لیکن ان خزانوں کی بساط یا وسعت کتنی ہوتی ہے؟ یہی کوئی ایک یا دو کمرہ یا بہت زیادہ تو ایک مکان یا ایک حویلی، سونے چاندی اور جواہرات سے لبالب بھری ہوئی ہو۔ لیکن وہ ذخیرہ معدن کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا اس ذخیرہ سے کئی گنا تو معدن کے ایک گڑھے کے ایک کونے سے بہ آسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ جن حضرات کا تعلق معدنیات سے ہے۔ یا جن حضرات نے کبھی معدن کا معاینہ کیا ہے وہ اچھی طرح واقف ہوں گے کہ کھان (معدن) ایکڑوں اور میلوں زمین میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ کھود کھود کر تھک جاؤ گے۔ لیکن ختم نہیں ہوگی۔ تو ذرا سوچو جواہرات کی ایک کان سے کتنے جواہرات دستیاب ہو سکتے ہیں؟ کوئی حساب نہیں لگایا جا سکتا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مصطفیٰ جان و کان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک کان کو کان لعل کرامت کہہ کر اس بات کی نشان دہی فرمائی ہے کہ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک کان سے ایک، دو، پچاس، سو معجزات کا ہی صدور نہیں ہوا بلکہ جس طرح کان (معدن) سے بے حساب لعل و جواہر نکلتے ہیں اس طرح میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کرامت یعنی معجزہ کے جواہرات کی کان ہے۔ جن سے بے حساب و بے شمار معجزات صادر ہوئے ہیں۔ اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ کرامت یا معجزہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ یعنی خرق عادت کسی فعل کا صادر ہونا جس کو دیکھ کر لوگ متحیر ہو جائیں۔ مثلاً: چاند کے دو ٹکڑے ہونا، ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹنا، مردے کا زندہ ہونا۔ لیکن کرامت اور معجزہ میں یہ فرق ہے کہ ایسا کوئی خرق عادت فعل کسی نبی سے ظہور میں آئے تو اسے معجزہ کہتے ہیں، اور کسی ولی سے صادر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

(17)

معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار بار
عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے

حل لغت:

معصوم: بچایا گیا، نگاہ رکھا گیا گناہ سے، بے گناہ، بے قصور، پاک دامن، بھولا، سیدھا سادہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۶۴☆لغات کشوری، ص۷۲۰☆ کریم اللغات، ص۱۶۱)

نوٹ: معصوم صرف انبیائے کرام اور فرشتے ہیں، اس شعر میں معصوموں سے مراد فرشتے ہیں۔

بار: عرصہ، دہر، نوبت، مرتبہ، دفعہ، موقع، گھر کے ساتھ بطور تابع بمعنی اہل وعیال، مثلاً: گھر بار۔ (فیروز اللغات، ص۱۶۴)

عاصی: نافرمان، گنہگار، مجرم، تقصیروار، خطا کار، وہ سیاہ ابر جو برسے نہیں۔ (فیروز اللغات، ص۸۸۸☆لغات کشوری، ص۴۸۰☆ کریم اللغات، ص۱۰۷)

صلا: پکار، آواز، دعوت، عام کرنا، آواز دینا واسطے کھانا کھلانے یا کچھ دینے کے، دعوت عام کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۸۶۴☆لغات کشوری، ص۴۴۹☆ کریم اللغات، ص۹۰۴)

پہلے مصرع میں پہلے لفظ ''بار'' کا مطلب ''مرتبہ، دفعہ'' ہے

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''بار'' کا مطلب ''موقع'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت

کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں کہ:

مالک کونین، سید الانس والملک والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبوب اعظم کا منصب عطا فرما کر اپنے محبوب کے دربار کی عظمت وتعظیم بے مثل ومثال باور کرایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں حضور کے دربار رسالت کے آداب جو تھے وہی آداب آج بھی ملحوظ ہیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر دربار رسالت کے آداب مومنین کو تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً: سورۂ حجرات شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ''

(پارہ ۲۶، سورہ حجرات، آیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو، اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔ (کنز الایمان)

اس طرح کئی جگہ دربار رسالت آداب اللہ تعالیٰ نے نافذ فرمائے۔ جو احکام وآداب حضور کی ظاہری حیات میں نافذ تھے وہی آداب آج بھی جاری ہیں۔ کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری دنیا سے پردہ کرنے کے باوجود بھی اپنی مقدس قبر میں بقید حیات ہیں۔ جن حضرات کو مدینہ طیبہ کی حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے انہوں نے مذکورہ آیت شریف کو مواجہہ شریف میں سنہری جالیوں کے بالائی حصہ میں لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ کیوں کہ جو ادب واحترام اس مقدس دربار کا زمانہ نبوی میں تھا وہی ادب واحترام اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ اس لئے ایک عاشق صادق نے اس دربار کے آداب واحترام کے تعلق سے یہاں تک کہا ہے کہ:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ترجمہ: اس آسمان کے نیچے ایک ادب کی جگہ ایسی ہے کہ جس کی نزاکت وعظمت عرش سے بھی زیادہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے کہ اس جگہ پر حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جیسے جلیل القدر اولیاء اللہ حاضر ہوتے ہیں تو وہ اپنی سانس روک لیتے ہیں۔

کیوں کہ سانس لینے سے بھی ایک ہلکی سی اور موہوم سی آواز پیدا ہوتی ہے اور اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور سانس کی آواز بھی وہ لوگ خلاف ادب سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربار وہ دربار ہے کہ جہاں حدیث کے ارشاد کے مطابق روزانہ ستر ہزار فرشتے ہر وقت حاضر رہ کر صلاۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے صبح آتے ہیں اور عصر تک بارگاہ رسالت کا مجرا بجالاتے ہیں۔ ہر وقت وہ ستر ہزار فرشتے درود وسلام پیش کرتے رہتے ہیں۔ عصر کے وقت یہ فرشتے بدل دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ بدلی قیامت تک جاری رہے گی لیکن جو فرشتہ ایک مرتبہ حاضری دے چکا ہے اس کو قیامت تک دوسری مرتبہ حاضری کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ طریقہ اور ترکیب اسی لئے طے کیا گیا ہے کہ اسی طرح بار دوم کی اجازت ہوتی تو کروروں فرشتے حاضری سے محروم رہ جاتے اور منظور تمام ملائکہ کو حاضری سے مشرف فرمانا ہے۔ اس کو ذکر کرتے ہوئے امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ہم چاہے گنہگار وبدکار سہی لیکن دربار رسالت کی حاضری میں فرشتوں کے مقابلے میں ہم خوش قسمت ہیں۔ حالاں کہ فرشتے معصوم ہیں ہم انسان عاصی ہیں۔ لیکن ہماری بلند تقدیر پر معصوموں کو بھی رشک آتا ہے کیوں کہ معصوم فرشتے ایک مرتبہ اس مقدس دربار کی حاضری دینے کے بعد تا قیامت دوبارہ کی حاضری سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ہم گنہگاروں پر اس رؤوف ورحیم آقا کی کتنی نوازش ہے کہ صرف ایک مرتبہ ہی نہیں وہ کریم آقا اپنے کرم سے اپنے گنہگار امتی کو اپنے دربار میں بار بار

بلاتے ہیں۔ اور جس امتی پر لطف وعنایت کی کثرت ہوتی ہے اسے عمر بھر کے لئے اپنے دربار کی حاضری عنایت فرماتے ہیں۔

مذکورہ شعر اردو ادب کے حسن وجمال کو زینت وآرائش عطا کر رہا ہے۔ کیوں کہ اس میں صنعت تجنیس کامل ہونے کے ساتھ ساتھ ہی صنعت تضاد بھی ہے۔ جس کی تفصیلی گفتگو اس جگہ بخوف طوالت ممکن نہیں ہے۔ صرف اشارہ کئے دیتا ہوں کہ معصوم کی ضد میں عاصی، ایک بار کی ضد میں عمر بھر، بار کی ضد میں صلا کا استعمال، اور اس سے بھی بڑھ کر مصرع اول میں عمر میں اور مصرع ثانی میں عمر بھر کی جو بندش ہے اس پر کئی صفحات مرقوم کئے جا سکتے ہیں۔ اہل ادب حضرات اس کے حسن سے واقف ہوگئے ہوں گے۔ حضرت رضا بریلوی نے اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''صلا'' کا استعمال فرما کر اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وکرم کا شکرانہ بھی ادا کیا ہے۔ صلا کے لغوی معنی ہیں پکار، دعوت دینے کے لئے آواز دینا وغیرہ۔

الحاصل! یہ کہ آقا کا ہم غریبوں اور گنہگاروں پر کرم ہی ہے کہ معصوم فرشتوں کو زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی حاضری کا موقع دیا گیا۔ اور ہم گنہگاروں کو تو دعوت دی جارہی ہے۔ کچھ دینے کے لئے پکارا جارہا ہے، بلکہ اپنے قدموں میں دفن ہونے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''جس سے ممکن ہو کہ مدینہ میں آکر مرے تو اسے چاہیئے کہ مدینہ میں ہی مرے کیوں کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا'' واہ کیا کرم ہے۔ مدینہ میں مرنے سے مدینہ میں ہی مدفن بھی میسر ہوگا۔ اور تا قیامت سرکار کے قدموں میں حاضر رہنے کا شرف بھی حاصل ہوگا۔

(18)

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈھو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا

حل لغت:

دل: ایک اندرونی عضو، قلب، کسی شے کا باطن، حوصلہ، کلیجا، جرأت، دلیری، ہمت، رخ، توجہ، مرضی، خوشی، خواہش، رغبت، ہوس، سخاوت، وسط، فیاضی، درمیان، مرکز۔

(فیروز اللغات، ص ۶۳۳)

پاس: قریب، نزدیک، قابو میں، قبضے میں، تصرف میں، ملکیت میں۔

(فیروز اللغات، ص ۲۶۴)

ابھی: فی الحال، فوراً، اس وقت، تھوڑی دیر پہلے، ذرا سی دیر پہلے، اتنی جلدی، ہنوز، اب تک۔ (فیروز اللغات، ص ۵۴)

ابھی ابھی: اس وقت، فوراً، اسی وقت، اسی دم، ذرا دیر پہلے۔ (فیروز اللغات، ص ۵۴)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''ابھی'' کا مطلب ''تھوڑی دیر پہلے'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''ابھی'' کا مطلب ''اتنی جلدی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے بے پناہ عشق و محبت اور اس کی سوزش سے اپنے دل

کی بے قراری اور اس بے قراری کے عالم میں محبوب کی جستجو اور اس جستجو میں دل کا گم ہونا اور دل کے گم ہونے پر دل کو ڈھونڈھنا اور ڈھونڈھنے پر بھی دل کو نہ پانا، اور نہ پانے پر خدا کے بندوں کو پکارنا، اور پکار کر اپنے دل کی گم شدگی کا ذکر کر کے، دل کی تلاش میں مدد کرنے کی التجا کرتے ہیں اور اپنے معین و مددگار خدا کے ان بندوں کو اپنے دل کا حال بھی سنا رہے ہیں۔ کہ جس دل کو ڈھونڈھنے کی تم سے التجا کرتا ہوں وہ دل ابھی یعنی تھوڑی دیر پہلے تو میرے پاس تھا، لیکن اس وقت (ابھی) یعنی فی الحال خدا جانے کیا ہوا، یعنی کیا بات ہے کہ دل کا پتہ نہیں۔

اس شعر میں لفظ ابھی کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ابھی ہے وہ تھوڑی دیر پہلے کے معنی میں ہے۔ مثال کے طور پر زید اپنے دوست بکر کے ساتھ بیٹھا ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ اپنے کسی کام سے چلا گیا اتنے میں اس کا چھوٹا بھائی آیا اور بکر سے زید کے متعلق پوچھا تو بکر یہی جواب دے گا کہ زید ابھی تو یہاں تھا۔ یعنی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھا۔ لیکن ابھی کہاں چلا گیا نہیں معلوم۔ اس شعر میں دوسری مرتبہ جو لفظ ''ابھی'' کا استعمال کیا گیا ہے وہ فی الحال اس وقت اور اسی دم کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ابھی حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے عالی معیار عشق کا اظہار فرمایا ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی اپنے دل کے کھو جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اپنے کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈھنے کی خدا کے بندوں سے التجا کرتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ حضرت رضا بریلوی اپنے کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈھنے کی جن بندگان خدا سے التجا کر رہے ہیں وہ کون ہیں؟ تو جواب حاضر ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نیک بندے کس قسم کے اور کس درجے کے ہیں؟ تو اس کا جواب التجا

ہی سے ظاہر ہے، کیوں کہ حضرت رضا اپنے دل کو ڈھونڈ ھنے کا سوال کر رہے ہیں۔اور کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈ ھنا ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں ۔ کیوں کہ دل کھو گیا ہے۔انسان نہیں کھو گیا ہے کہ اس کو تلاش کرنے کی صلاحیت ہر آدمی رکھتا ہے۔یا اس کی گم شدگی پر پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرائی جاسکتی ہے۔ بلکہ ایسی چیز کھو گئی ہے جو کھونے سے پہلے عیاں نہ تھی اور نہ کھو جانے کے بعد پنہاں ہوئی ہے۔ ایک عجیب حادثہ ہو گیا ہے۔وہ چیز کھو گئی ہے جس کے کھونے کا امکان شاذ و نادر ہوتا ہے۔ایسی چیز کھو گئی ہے جس کو کوئی لوٹ کر یا چوری کر کے نہ کہیں چھپا سکتا ہے۔ نہ فروخت کر کے اس کا نرخ حاصل کر سکتا ہے۔اور نہ ہی اس کھوئی ہوئی چیز کو استعمال میں لاسکتا ہے۔جو پہلے بھی نظروں سے اوجھل تھی،اور اب بھی پوشیدہ ہے۔وہ چیز کھو گئی ہے جو انمول ہے ۔اس کی قیمت کوئی لگا ہی نہیں سکتا۔لیکن وہ چیز انمول ہونے کے باوجود حفاظت کی غرض سے مقفل الماری یا تجوری میں بھی نہ رکھی جاتی تھی ۔اور نہ ہی بے التفاتی و بے توجہی سے سڑک یا فٹ پاتھ پر پھینک دی جاتی ۔ وہ چیز کھو گئی کہ جس کی کھو جاتی ہے اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سب کچھ کھو گیا۔اس کی دنیا اجڑ گئی۔وہ بے سر و سامان ہو گیا۔ گویا کہ اس کا وجود ہی کالعدم ہو گیا۔ وہ کوئی لمبی چوڑی یا بھاری بھر کم چیز نہیں، ایک چھٹا نک گوشت کا لوتھڑا ہے جس کو دل یا قلب کہا جاتا ہے۔

وہی دل کھو گیا ہے اور بات ہے کھوئے ہوئے دل کو تلاش کر کے ڈھونڈ ھ لانے کی۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں ۔دل جب کھو جاتا ہے تو وہ کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے۔لیکن خوبی کی بات تو یہ ہے کہ نہ اس کے ہاتھ پاؤں ہیں کہ جس کے بل بوتے پر وہ چل سکے اور نہ ہی اس کے پر ہیں کہ ہوا میں اڑ سکے۔البتہ اس کے پاس ایک تیز رفتار سواری ہے جو برق کے مانند ہے اور وہ عشق کی سواری ہے جس کو براق عشق کہا جاسکتا ہے۔وہ دل براق عشق پر سوار ہو کر آن کی آن میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب پہنچنے کی ضرور استطاعت رکھتا ہے ۔لیکن اس کی

سواری اور اس کا سفر عام انسانوں کو نظر نہیں آتا۔صرف اہل نظر ہی اس کو بھانپ سکتے ہیں اور ان میں اس کھوئے دل کو ڈھونڈ ھ نکالنے کی طاقت و صلاحیت بھی ہوتی ہے اور وہ ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ نیک بندے جن کا ذکر احادیث میں ہے۔انہیں کو مخاطب کر کے حضرت رضا نے یہ شعر کہا ہے اور حضرت رضا بریلوی کو معلوم ہے کہ یہی وہ خدا کے نیک بندے ہیں جو میرے کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈ سکتے ہیں ۔ یہ انہیں حضرات کے تصرفات و اختیارات کی بدولت ممکن ہے۔ ہر کسی کا یہ کام نہیں۔مثال کے طور پر کسی تیز بھاگنے والے شخص کو پکڑنے کے لئے اسی کی مثل یا اس سے بھی تیز تر دوڑنے والے کو ہی اس کے پیچھے دوڑایا جائے۔کسی ایسے شخص کو معمور نہ کیا جائے جو بیساکھی کے سہارے چلنے والا معذور ہو۔اسی طرح کسی تیز رفتار موٹر کار کے تعاقب میں اونٹ یا ہاتھی نہیں ۔ بلکہ اسی کی مثال یا اس سے بھی تیز رفتار موٹر کار استعمال کیا جائے۔دل کی تیز رفتاری اور بے نشاں گم شدگی کی صورت میں اس کی تلاش کے لئے کسی عام بندے کی مدد لینا بے سود ہے۔ بلکہ وہی حضرات معاون و ناصر ہو سکتے ہیں جو اس کام کے کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور اس کے اہل ہیں۔

- طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالیٰ عِبَاداً اِخۡتَصَّھُمۡ بِحَوَائِجِ النَّاسِ یَفۡزَعُ النَّاسُ اِلَیۡھِمۡ فِیۡ حَوَائِجِھِمۡ۔“

ترجمہ: اللہ عزوجل کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلق کی حاجت روائی کے لئے خاص فرمالیا ہے۔لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء،از:امام احمد رضا محدث بریلوی،ص۳۰)

- طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے،اور اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے،اور بزار نے حضرت جابر بن عبداللہ سے،اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ

بن عمر سے، اور ابن نجار نے حضرت مولیٰ علی سے، اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوحنیفہ سے، اور بخاری و ابوالدنیا و ابویعلی و طبرانی، عقیلی، و بیہقی و ابن عساکر نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اُطْلُبُوا الْخَيْرَ وَ الْحَوَائِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوْهِ۔''

ترجمہ: بھلائی اور اپنی حاجتیں خوش رویوں (یعنی حسین چہرے والوں) سے مانگو۔ یہ خوش رو حضرات اولیائے کرام ہیں کہ نور ایمان اور کثرت عبادت و ریاضت سے ان کے چہرے چمکتے ہیں، ان اولیائے کرام میں ابدال بھی شامل ہیں، ابدال کون ہیں؟ اور ان ابدال کی کیا خصوصیت و برکت ہے؟ وہ احادیث کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔

● طبرانی معجم کبیر میں بہ سند صحیح حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اَلْاَبْدَالُ فِي اُمَّتِي ثَلٰثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَ بِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ تُنْصَرُوْنَ۔''

ترجمہ: ابدال میری امت میں تیس ہیں۔ ان سے زمین قائم ہے اور انہیں کے سبب تم پر مینھ اترتا ہے، اور انہیں کے باعث تمہیں مدد ملتی ہے۔

اس حدیث میں ابدال کی تعداد تیس بتائی گئی ہے، لیکن ایک اور حدیث میں روئے زمین میں کل چالیس ابدال کا بھی ذکر ہے۔

● طبرانی معجم کبیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ سند حسن روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِيْنَ رَجُلًا مِثْلَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ فَبِهِمْ تُسْقَوْنَ وَ بِهِمْ تُنْصَرُوْنَ۔''

ترجمہ: زمین ہرگز خالی نہ ہوگی چالیس اولیاء سے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پرتو (عکس) ہوں گے۔ انہیں کے سبب تمہیں مینھ ملے گا اور انہیں کے سبب مدد

پاؤگے۔

● طبرانی نے معجم اوسط میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ سے اور معجم کبیر میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ابدال شام میں ہیں انہیں کی برکت سے لوگ مدد پاتے ہیں اور انہیں کے وسیلہ سے رزق۔ (الامن والعلیٰ، ص ۲۴)

● حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''لَا يَزَالُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا يَحْفَظُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ الْاٰخَرَ وَ هُمْ فِي الْاَرْضِ كُلِّهَا۔''

ترجمہ: چالیس مرد قیامت تک ہوا کریں گے۔ جن سے اللہ تعالیٰ زمین کی حفاظت لے گا، جب ان میں سے کوئی ایک انتقال کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بدلے دوسرا قائم فرمائے گا اور وہ ساری زمین میں ہیں۔

مذکورہ احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے مخلوق کی حاجت روائی اور فریادرسی کے لئے اس روئے زمین پر ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان نیک بندوں کے سبب اللہ تعالیٰ مخلوق کی مرادیں، اور حاجت پوری فرماتا ہے۔ وہ اللہ کے نیک بندے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت سے حصہ پا کر امت مسلمہ کے ساتھ رحم دلی اور مہربانی فرماتے ہیں۔ اور ایسے رحم دلوں سے حاجتیں مانگنے کا خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

● عقیلی، طبرانی، ابن حبان، خرائطی، قضاعی، ابوالحسن، موصلی اور حاکم حضرت ابوسعید خدری سے اور حاکم مستدرک میں امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ اِلٰى ذَوِي الرَّحْمَةِ مِنْ اُمَّتِي تُرْزَقُوْا وَ تُفْلَحُوْا وَ فِي لَفْظٍ اُطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ

الرُّحَمَاءِ مِنْ اُمَّتِیْ تَعِیْشُوْا فِیْ اَکْنَافِھِمْ فَاِنَّ فِیْھِمْ رَحْمَتِیْ۔‘‘

ترجمہ: میرے رحم دل امتیوں سے حاجتیں مانگو، ان سے فضل طلب کرو، ان سے بھلائی چاہو، رزق پاؤ گے، مرادوں کو پہنچو گے، ان کے دامن میں آرام سے رہو گے، ان کی پناہ میں چین سے رہو گے، بیشک ان میں میری رحمت ہے۔

اب یہاں کوئی صاحب یہ اعتراض بھی کر سکتے ہیں کہ مذکورہ احادیث تو حضرات اولیاء وابدال کے حق میں وارد ہیں لیکن حضرت رضا بریلوی تو ’’ارے اے خدا کے بندو‘‘ کہہ کر مطلق بندوں سے اپنی استعانت کرنے کی التجا کر رہے ہیں اور اس التجا میں اللہ کے بندوں اور اولیاء وابدال کی تخصیص نہیں۔ آیئے! اللہ کے بندوں سے مطلق استعانت کے تعلق سے احادیث کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں۔

● طبرانی نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’اِذَا ضَلَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا اَوْ اَرَادَ عَوْنًا وَ ھُوَ بِاَرْضٍ لَیْسَ بِھَا اَنِیْسٌ فَلْیَقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَا یَرَا ھُمْ‘‘

ترجمہ: جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راہ بھول جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہیئے کہ یوں پکارے۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ پس بے شک اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ (وہ اس کی مدد کریں گے)

(برکات الامداد لاہل الاستمداد، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص۱۱، حدیث۳۱)

● ابن السنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب جنگل میں کسی کا جانور چھوٹ جائے تو وہ یوں ندا کرے کہ ’’یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا‘‘ یعنی اے اللہ کے بندو! روک دو، تو عباد اللہ

اسے روک دیں گے۔ (برکات الامداد، ص۱۱، حدیث۳۲)

ان احادیث میں جو ’’عباد اللہ‘‘ کا ذکر ہے، اس سے مراد وہی حضرات اولیاء وابدال ہیں، کیوں کہ حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں کہ ’’اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا‘‘ اسی حدیث کی روشنی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے شعر میں مطلق ’’اے خدا کے بندو‘‘ کہہ کر انہیں اولیاء وابدال کو مراد لیا ہے۔ مذکورہ تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اولیاء، ابدال، قطب، غوث وغیرہ سے اپنی حاجتیں مانگنا، ان کو پکارنا، اور ان سے مدد چاہنا شرعاً جائز اور بموجب ارشاد حدیث ہے۔

اب ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی میں کچھ گفتگو کریں، مصرع اول میں تو آپ نے اللہ کے نیک بندوں یعنی اولیاء وابدال سے التجا کی کہ براہ کرم میرا دل ڈھونڈھو، اتنا کہنے کے بعد اپنے دل کی خود ہی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا‘‘ یعنی میرا دل ابھی تھوڑی دیر پہلے تو میرے پاس تھا، لیکن ابھی (اس وقت) خدا جانے کہ میرا دل کہاں چلا گیا؟ حضرت رضا بریلوی کی التجا پر حضرات اولیاء، ابدال حضرت رضا کے دل کو تلاش کرنے میں مدد کرنے پر مستعد ہوئے۔ اور وہ حضرات ’’دل رضا‘‘ کی تلاش میں مصروف ہوئے۔ زمین سے لے کر آسمان تک ہر جگہ تلاش کیا لیکن کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ وہ حضرات بھی پریشان کہ آخر دل رضا گیا کہاں؟ کسی کو ڈھونڈھنا اور جستجو کرنا یہ بھی مشکل امر ہے لیکن اگر ڈھونڈھنے والا اپنے دماغ پر زور دے کر مفقود کی خود خصلت کا جائزہ لے تو اسے گم ہونے والے کا سراغ ضرور مل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص پان کھانے کا بہت شوقین ہے اور شہر میں ایک مخصوص دوکان کے ہی پان اسے پسند ہیں۔ وہ گھر سے جب نکلتا ہے تو اسی دوکان پر پان کھانے جاتا ہے۔ ایک دن اس کا کوئی دوست اس کے گھر آیا اور گھر پر اسے موجود نہ پایا۔ پس اگر وہ دوست اس کی عادتوں سے واقف ہے تو وہ اسے ادھر اُدھر تلاش کرنے کے بجائے اسی پان کی دوکان پر پہنچ جائے گا اور اس کو پالے گا۔ بلا

تمثیل حضرت رضا کے کھوئے ہوئے دل کو تلاش کرنے والے حضرات نے حضرت رضا کی محبوب جگہ کا سراغ لگالیا کہ یہ دل ایک سچے عاشق کا دل ہے۔ جو عشق میں فنا فی الرسول کی منزل میں پہنچ چکا ہے۔ یہ دل کہیں بھی نہیں ملے گا۔ اس کو ادھر اُدھر تلاش کرنا، وقت وقوت دونوں کو ضائع کرنا ہے۔ یہ دل اگر کہیں ملے گا تو صرف ایک ہی جگہ ملے گا۔ اور وہ مقدس جگہ گنبد خضریٰ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام ہے۔ کیوں کہ یہی در اقدس اس کی جائے قرار ہے، یہیں اس کو چین حاصل ہوتا ہے۔ یہاں آنے کے لئے وہ ہمہ وقت بے تاب ہوتا ہے۔ چلو وہیں جا کر دیکھیں۔ اور جب وہ حضرات اولیاء وابدال روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو کیا ملاحظہ فرمایا:

ہمیں اے رضا تیرے دل کا پتہ چلا بمشکل
در روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا
کبھی خندہ زیر لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا
نہ اسی نے کچھ بتایا

یعنی اے رضا! آخر کار ہم نے تمہارے دل کا پتہ معلوم کرلیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے دروازے کے سامنے وہ ہمیں نظر آیا ہے۔ لیکن اس کی حالت کیا ہے وہ ہم سے مت پوچھو، ایک عجیب حالت میں تمہارا دل ہے۔ کبھی وہ زیر لب خندہ ہے، یعنی مسکراتا ہے اور کبھی یہ حالت ہے کہ ساری رات روتا ہے۔ کبھی غمگین نظر آتا ہے۔ تو کبھی خوش نظر آتا ہے۔ اس کے غم اور اس کی خوشی کا سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور نہ ہی تمہارے دل نے اپنی اس کیفیت کی کوئی وجہ ہم کو بتائی۔

ناظرین کی معلومات کے لئے گوش گزار ہے کہ یہ اشعار اس نعت شریف کے ہیں جو

آپ نے مثلث کے طرز پر لکھی ہے اور جس کا پہلا شعر (مطلع) یہ ہے کہ

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

اس پوری نعت میں آپ نے اپنے جذبۂ عشق اور ولولۂ ذوق وشوق کی جو عکاسی کی ہے، وہ بڑی کیف آور ہے۔ پڑھنے والا کیف وسرور میں مست عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جھوم اٹھتا ہے۔ اسی نعت میں آپ نے عالم تصور میں دل کھونے کی بات کہی ہے، اور پھر اس کا در اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پائے جانے کی تصویر کشی ایک اچھوتے انداز میں کی ہے جو آپ کے دل میں موجزن بحر عشق رسول کی نشان دہی کرتا ہے۔ آپ اپنے ان تصورات کو حقیقت میں تبدیل کرنے کی بارگاہ خداوندی میں تمنا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت رضا بریلوی دعائیہ شعر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں:

یہ تصورات باطل تیرے آگے کیا ہیں مشکل
تری قدرتیں ہیں کامل انہیں راست کر خدایا
میں انہیں شفیع لایا

(19)

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

حل لغت:

ملائک: مَلک کی جمع، فرشتے۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۸۲☆لغات کشوری، ص۷۳۵☆کریم اللغات، ص۱۶۵)

معروض: عرض، گزارش، التماس، درخواست، عرض کیا گیا، پیش کیا گیا۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۶۴☆لغات کشوری، ص۷۱۹☆کریم اللغات، ص۱۶۰)

پرسش: پوچھ گچھ، تفتیش، پوچھنا، استفسار، سوال پوچھنا، دریافت کرنا، حساب لینا، پوچھ پاچھ۔ (فیروز اللغات، ص۲۹۰☆لغات کشوری، ص۱۱۹☆کریم اللغات، ص۲۹)

کیا: کرنا، عمل میں لانا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۰۴)

کیا: کیا ہوا فعل، عمل، برے اعمال۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۷۱)

کیا: کون کون سا، سب کچھ، کس قدر، کیسے کیسے۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۷۰)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''عمل'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب کون سا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان میدان محشر کا

نقشہ کھینچتے ہوئے اپنی مجرمانہ حالت کا اس انداز سے بیان کر رہے ہیں کہ میں ایک مجرم کی حیثیت سے فرشتوں کی گرفت میں ہوں، اور وہ فرشتے مجھ سے حساب و کتاب لیتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ اے احمد رضا! تو نے کونسا (کیا) عمل کیا (کیا) کیا ہے اور میں فرشتوں کی گرفت میں رہتے ہوئے اپنے آقا و مولیٰ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو استعانت کے لئے پکارتا ہوں اور شور مچاتا ہوں اور میرے شور مچانے پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توجہ میری جانب ہوتی ہے۔ اور سرکار اپنے خدام یعنی فرشتوں کو حکم فرماتے ہیں کہ جا کر دیکھو، کس نے یوں شور و غل مچا رکھا ہے؟ میری خبر لیجئے! کہہ کر کس سے استعانت طلب کر رہا ہے؟ ہاں ذرا جا کر دیکھو کہ معاملہ کیا ہے؟ وہ پکارنے والا بے چین و بے قرار ہو کر کیوں روتا ہے؟ ارے میرے مقرب خادمو! اے فرشتو! جاؤ جاؤ، جا کر دیکھو، اس پکارنے والے کی غایت درجہ بے چینی کی وجہ سے ہمارے خاطر (دل) کو ناگواری محسوس ہو رہی ہے۔ جاؤ اور تفتیش کرو، کہ اس کی بے کسی اور بے چینی کی کیا وجہ ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سن کر خدمت اقدس پر معمور ملائکہ میری طرف آتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مجرم کی حیثیت سے پوچھ پاچھ اور جانچ پڑتال کے مشکل مرحلے سے دوچار ہوں، میری اس حالت کا جائزہ لے کر تفتیش کرنے والے ملائکہ یعنی فرشتے خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ اے کائنات کے مالک! یہ جو شور و غوغا ہے وہ ایک مجرم کا مچایا ہوا ہے، کیوں کہ اس مجرم سے حساب اعمال لیا جا رہا ہے اور اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ ''بتا، تو نے کیا کیا کیا ہے؟'' یہاں تک تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کے معنی اور اس کے پس منظر کا ذکر ہوا۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے ''کیا کیا کیا ہے'' کا جملہ استعمال فرما کر قلم توڑ دیا ہے۔ ایک مختصر سے جملہ میں وسیع معنی پیدا کرنے کے ساتھ فن و ادب کے لحاظ سے ادبی نکات کو حسن اسلوبی کے ساتھ بیان کر دینا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ بڑے

بڑے ادیب اور کہنہ مشق شاعر بھی ایسے موقع پر بغلیں جھانکتے ہیں۔ شعر میں استعمال شدہ جملہ کیا کیا کیا ہے کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ اور دونوں طرح سے پڑھنے سے شعر کے حسن و جمال میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ اس جملہ کو ''کیا۔ کیا کیا ہے اور ''کیا کیا۔ کیا ہے'' دونوں طریقوں سے پڑھنا صحیح ہے اور دونوں طرح سے پڑھنے میں معنی اور مفہوم اپنے مقام پر برقرار رہتے ہیں۔ اگر اس جملہ کو:

- ''کیا۔ کیا کیا ہے'' پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے ''عمل کون کون سا کیا ہے؟'' اور اگر:
- ''کیا کیا۔ کیا؟'' پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ''کون کون سا عمل کیا ہے؟''

اس شعر میں لفظ ''کیا'' کا استعمال تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ تینوں لفظ ''کیا'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''معروض'' اور ''پرسش'' دو ایسے الفاظ کا استعمال فرمایا ہے کہ جس کے لغوی معنی ہی سے عرض رسا اور عرض نواز اور سائل و مسئول کی حیثیت و منزلت اور جاہ و جلال کا خود بخود اظہار ہوجائے۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''معروض'' کا استعمال فرشتوں کی گزارش کے سلسلہ میں فرمایا کہ فرشتے گزارش کرتے ہیں۔ اور گزارش کس سے کی جاتی ہے؟ جو اپنے سے بڑے ہوں۔ جو عمر میں بڑے ہوں، علم میں بڑے ہوں، عمل میں، عہدے میں، مرتبہ میں، جاہ و جلال میں، شان و شوکت میں، قدر و منزلت میں وغیرہ وغیرہ۔ مختصر یہ کہ بڑوں سے گزارش کی جاتی ہے۔ اور گزارش کرنے والا چھوٹا اور خادم ہوتا ہے۔ تو اس شعر میں ''معروض''، یعنی گزارش کرنے والے فرشتے ہیں اور جن سے گزارش کی جارہی ہے وہ ذات گرامی افضل الخلق سید المرسلین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ تو فرشتے خادم ہوئے اور حضور مخدوم ہوئے،

فرشتے اس بارگاہ اقدس کے غلام ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرشتوں کی مقدس جماعت کے بھی آقا و مولیٰ ہوئے، اسی طرح لفظ ''پرسش'' میں بھی یہی معنویت پوشیدہ ہے کہ پوچھنے والا حاکم، منصف اور اختیارات پرکھنے والا ہوتا ہے۔ اور جس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ محکوم، مجرم اور بے اختیار ہوتا ہے۔ جیسے کہ کسی جرم میں گرفتار شخص کو حکام اور پولیس پوچھ تاچھ کرتی ہے۔ بلاتمثیل یہاں پرسش ایک مجرم سے ہورہی ہے اور پرسش کرنے والے رب کی بارگاہ کے مقرب فرشتے ہیں جو اس خدمت پر معمور ہیں۔ اور بارہا کا مشاہدہ ہے کہ مجرم سے جب کبھی پرسش کی جاتی ہے تب اس کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک کے قوانین کے اعتبار سے مجرم اقبال جرم کرتا ہے۔ اقبال جرم سے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اور انکار جرم میں جھوٹ بولنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ کذب بیانی اور سچائی سے کامل طور پر منحرف ہوکر اس کا وکیل کورٹ میں مقدمہ لڑتا ہے اور اس مجرم کو چھڑاتا ہے۔ لیکن میدان محشر میں معاملہ ہی الگ ہے۔ یہاں احکم الحاکمین کی عدالت ہے۔ کوئی دنیوی کورٹ نہیں، یہاں کذب بیانی سے کام نہیں چلے گا، یہاں تو زبان پر مہر لگادی جائے گی، اور ہاتھ پاؤں و دیگر اعضائے بدن کو قوت گویائی عطا کی جائے گی، اور جسم کے اعضاء خود اقرار کریں گے کہ میں نے فلاں فلاں گناہ کئے ہیں۔ دنیاوی معاملات میں تو وکیل صاحب کورٹ میں مقدمہ چلاتے وقت جرم نامہ کے ہر لفظ پر بحث کرکے ہندی کی چندی کرکے ابتداء سے انتہا تک کذب پر مشتمل انکاری پہلو ہی اختیار کرتے ہیں۔ اسی لئے جو وکیل ہندی کی چندی کرنے میں مہارت وملکہ رکھتا ہے اس کی وکالت کا پیشہ زور وشور سے چلتا ہے۔ لیکن رب العالمین اور احکم الحاکمین کی عدالت میں کذب و انکار کام نہیں آئے گا۔ دنیوی معاملات میں کورٹ میں اقرار جرم پر سزا یقینی ہے۔ وکیل مجرم کو یہی مشورہ دیتا ہے کہ کسی بھی حال میں اقرار جرم مت کرنا، ورنہ عمر قید میں کوڑیوں کے دام جاؤ گے۔ لیکن رب العالمین و احکم الحاکمین عزوجل کی عدالت میں اقبال

جرم کے بغیر چارہ نہیں۔اس عدالت صدق دلالت میں جو ہمارے شفیع المذنبین ہیں وہ احکم الحاکمین کے دربارِعدالت میں ہمارے جرم کا انکار نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنے امتیوں کے جرم و گناہ کا اقرار کرنے کے باوجود بھی سزا سے بچائیں گے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے رب العالمین ! میری امت نے بے شمار گناہ کئے ہیں، تو رحیم وکریم ہے۔تو رب العالمین ہے اور تو نے مجھ کو رحمۃ للعالمین بنا کر شفاعت کبریٰ ومقام محمود کا منصب عالی عطا فرمایا ہے۔ اے احکم الحاکمین تو نے مجھ کو اپنا حبیب ومحبوب بنایا ہے۔اے پروردگار عالم ! میرے امتیوں کو بخش دے، ان کی خطائیں معاف فرمادے۔اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث در باب شفاعت روایت فرمائی ہے۔اس میں ہے کہ میں کھڑا ہو کر عرش کے نیچے جاؤں گا۔اور اپنے رب کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا اور اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا کہ ایسی حمد وثنا مجھ سے پہلے کسی نے نہیں کی۔اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا۔میں سجدہ کو طویل کروں گا یہاں تک کہ رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا۔ ’’یَا مُحَمَّدُ ! اِرْفَعْ رَأسَكَ وَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ‘‘یعنی اے محبوب! اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو کہ دیا جائے گا اور شفاعت کرو کہ شفاعت قبول کی جائے گی۔

(خصائص کبریٰ، از: امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۴۹۹)

شیخین نے حضرت انس سے اور امام احمد نے بہ سند صحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام احمد و ابو یعلیٰ نے بھی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت فرمائی ہے۔شفاعت کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک ایمان افروز کتاب بنام ’’اسماء الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین ‘‘ تصنیف فرمائی ہے اس کتاب سے کچھ احادیث، شعر نمبر 37، 78 اور 79 میں بیان کی جائے گی۔

قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

المختصر ! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ شعر اس نعت کا ہے جس میں آپ نے میدان محشر کا نقشہ کھینچا ہے۔اس شعر سے ماقبل اشعار کا ماحصل تو اس شعر کی تشریح میں ذکر کر دیا ہے۔اب شعر کے بعد کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔فرشتے جب بارگاہ رسالت میں عرض کریں گے مجرم سے پرسش ہے کہ بتا تو نے کیا کیا کیا ہے۔اور:

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل
بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

●

سن کے یہ عرض مری بحر کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر مچل جاؤں گا اور کہوں گا کہ:

لو وہ آیا مرا حامی مرا غمخوار امم
آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

●

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپا لیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے

●

بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا
کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے

●

صدقہ اس رحم کے اس سایہ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے چھڑایا کیا ہے

●

اے رضؔا جان عنادل تیرے نغموں کے نثار
بلبل باغ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

۞......۞......۞

(20)

صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

حل لغت:

صدق: سچ، سچائی، راستی، خلوص۔

(فیروز اللغات، ص ۸۶۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۲)

صادق: یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تصدق: طفیل، طفیلی، وجہ سے، بدولت، وسیلہ سے، صدقے، واسطے، صدقہ دینا، خیرات کرنا، قربانی، صدقہ کرنا، وسیلہ۔

(فیروز اللغات، ص ۳۶۲ ☆ لغات کشوری، ص ۱۴۸ ☆ کریم اللغات، ص ۳۷)

صادق: سچا، درست، راست گو، منصف مزاج، وفادار، ٹھیک، موزوں، معنی کا کسی چیز پر چسپاں ہونا، درست آنا معنی کا کسی شئے پر۔

(فیروز اللغات، ص ۸۵۷ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۱)

کاظم: غصہ مارنے والا، لقب حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

(فیروز اللغات، ص ۹۷۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۷۷)

رضا: خوشنودی، خوشی، مرضی، لقب حضرت علی بن موسیٰ بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۱۲ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۵)

واسطہ: درمیانی چیز یا شخص، نسبت، سبب، باعث، وجہ، وسیلہ، ذریعہ، طفیل، صدقہ، آشنائی، سروکار، غرض، مطلب، ثالث۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۸)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''صادق'' ہے اس سے مراد ''حضرت امام جعفر صادق'' ہیں۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''صادق'' ہے اس کا مطلب ''وفادار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے عرض کررہے ہیں کہ اے پروردگار عالم! صادق یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سچائی کا واسطہ ہم کو صادق الاسلام یعنی اسلام کا وفادار اور ٹھیک طور سے اسلام کے فرامین پر عمل کرنے والا بنا، اور اے اللہ! ہم پر تو بے غضب یعنی ناراض ہوئے بغیر راضی ہوجا، تجھے واسطہ کاظم یعنی غصہ کو مارنے والے حضرت امام موسیٰ بن امام جعفر صادق اور تیری خوشنودی حاصل کرنے والے حضرت علی بن موسیٰ بن امام جعفر صادق کا۔

حضرت رضا نے شعر کے پہلے مصرع میں صدق، صادق، تصدق اور باردوم صادق کا استعمال بڑی متانت اور نفاست سے کیا ہے۔ صادق اور تصدق دونوں الفاظ ''صدق'' مصدر سے مشتق ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، مصرع اول میں لفظ ''صادق'' کا استعمال دومرتبہ کیا گیا ہے، اور دونوں مرتبہ یہ لفظ الگ الگ معنی میں وارد ہے۔ پہلی مرتبہ لقب حضرت امام جعفر صادق کی حیثیت سے اور دوسری مرتبہ سچا اور وفادار کے معنی میں۔ مصرع ثانی کے الفاظ بے غضب، راضی کاظم اور رضا کے درمیان بھی ایک خفیہ ربط ہے۔ اور ان چاروں الفاظ کے مطالب کا ماحصل قہر اور غصہ کو رخصت کرکے رضامندی کا اظہار ہے۔

علاوہ ازیں صرف ایک ہی شعر میں سرتاج اولیاء ملت اسلامیہ کی تین بزرگوار شخصیتیں

(۱) حضرت امام جعفر بن محمد صادق (۲) حضرت امام موسیٰ بن جعفر صادق

(۳) حضرت امام علی بن موسیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا تذکرہ مع ان کے القاب و اوصاف کے کرتے ہوئے ان کے واسطے اور وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں انہیں حضرات کے اوصاف سے منسلک اور متصف امور خیر کے حصول کی دعاء فرمارہے ہیں۔ گویا کہ ایک شعر کو معنویت کا گنجینہ بنادیا ہے۔ شعر میں تجنیس کامل کی صنعت ہونے کے ساتھ ساتھ صنعت تضاد بھی ہے۔ غضب اور رضا دونوں متضاد الفاظ ہیں۔ شعر کی ابتداء کتنے اچھے اور پیارے انداز میں کی گئی ہے کہ صدق، صادق کا تصدق یعنی اچھے کی اچھائی کا واسطہ، اور یہ واسطہ بھی حصول صدق کے لئے ہی دیا جارہا ہے۔ مصرع ثانی میں بھی وہی لفظ، وہی روانی، وہی فصاحت، وہی بلاغت، وہی متانت، وہی نفاست، وہی خوبی اور اسی انداز کا احساس ہورہا ہے۔ مصرع کی ابتداء میں ''بے غضب'' لفظ کا استعمال کرنے کے فوراً بعد ہی لفظ ''راضی'' کا استعمال کرکے جملہ میں تاکید کی شان پیدا کی گئی ہے۔ بے غضب ہونا ہی بمعنی راضی ہونا ہے۔ لیکن بے غضب ہونا اور راضی ہونا بہ اعتبار لغت ہم معنی نہیں، لیکن بے غضب ہونا ہی بمعنی راضی ہونا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کی موٹر کار جو بالکل نئی خریدی گئی ہو اس کے لڑکے نے چلانے کے لئے مانگی، اس نے کار چلانے کا نااہل سمجھ کر انکار کردیا، لڑکے کے دل میں کار چلانے کی حسرت جوں کی توں ہی دب کر رہ گئی، دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ والد صاحب قیلولہ فرمارہے ہیں۔ اور موٹر کار کی چابی ڈرائنگ روم میں میز پر پڑی ہوئی ہے۔ سوئی ہوئی حسرتیں پھر انگڑائی لینے لگیں، کار کی چابی اٹھائی اور تھوڑی دیر میں وہ کار کے ہمراہ ہوا سے باتیں کرنے لگا، ادھر والد صاحب نیند سے بیدار ہوئے، کمپاؤنڈ میں دیکھا تو موٹر کار غائب، تفتیش کرنے پر پتہ چلا کہ صاحبزادے نے گل کھلایا ہے۔ غصہ میں آپے سے باہر ہو کر گھر سر پر اٹھالیا۔ ہاتھ میں چھڑی تھام کر مکان کے صدر دروازہ پر کھڑے ہوکر اپنے دلبند کا

انتظار کرنے لگے، کہ تشریف آوری پر ہدیہ ضرب چھڑی سے شاندار استقبال کروں، بات گھر میں پھیل گئی، بیگم صاحبہ دوڑی چلی آئیں، اور منت وسماجت کر کے ہاتھ سے چھڑی واپس لیں، اور سفارش کے دو چار جملے عرض خدمت کر کے ان کا غصہ پانی کر دیا، اب وہ شخص حالاں کہ اپنے لڑکے سے راضی تو نہیں ہے بلکہ ''بے غضب'' تو ضرور ہے۔ حالت غضب میں تھوڑی دیر پہلے تھا، اس وقت اس کی ذہنیت یہ تھی کہ وہ صاحبزادے کو کڑی سے کڑی سزا دے کر ہی چین کی سانس لے گا۔ لیکن اب وہ حالت یک لخت تبدیل ہوگئی۔ قہر وغضب کی منزل سے نکل کر اب وہ ''بے غضب'' ہونے کی منزل میں آ گیا ہے۔ اب صرف ایک زینہ باقی ہے راضی ہونے کی منزل میں داخل ہونے میں۔ نفسیاتی علم کے ماہرین کے تجربات کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی غضب سے سیدھا ''رضا'' کی منزل میں نہیں آتا۔ بلکہ پہلے اس کو دونوں منازل کے درمیان حائل ''بے غضب'' کا میدان جوان دونوں منازل کے وصل کے لئے اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اس کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ المختصر! بے غضب اور راضی میں معنوی اعتبار سے بظاہر کوئی مساوات نہیں۔ پھر بھی دونوں لازم اور ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ اعتبار ادب اس طرح کے الفاظ کا استعمال کر کے اپنی بات کو پر اسرار اور رموز سے لبریزی بخشا فن کا کمال ہے ماہر فن ہی اس میں دسترس رکھتا ہے۔

حضرت رضا نے مصرع ثانی کے آخر میں ''کاظم'' اور ''رضا'' کے الفاظ کا استعمال فرما کر اور ہی کمال کر دیا ہے۔ کیوں کہ مصرع ثانی کی ابتداء میں ''بے غضب'' اور ''راضی'' کے الفاظ ہیں۔ لیکن بے غضب اور راضی کے معنی اور فوائد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کاظم اور ''رضا'' کی تائید اور تاثیر کارگر نہ ہو۔ مثلاً: ایک آدمی کسی پر شدید غصہ ہوا، حالت جلال کا یہ عالم ہے کہ وہ اس کو کچا کھا جائے۔ کسی کی سفارش اور سمجھانے پر اس آدمی سے جس پر غصہ آیا ہوا ہے فوراً راضی نہ ہوگا۔ پہلے اس کو اپنے غصہ کو تھوک دینا پڑے گا۔ اور غصہ پی جانا یا

مارنا یہ شان کاظمین کی ہے۔ وہ پہلے کاظم بن کر بے غضب بنے گا۔ پھر اس کے دل میں رضا یعنی خوشنودی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ تب جا کے وہ اس سے راضی ہوگا۔ میری اس طویل گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کسی پر جلال اور غصہ ہوا اور وہ جلال کی حالت سے راضی ہونے کی حالت میں آنے سے قبل کاظم، بے غضب اور رضا کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے اور آخری منزل راضی ہونے کی آتی ہے۔ یہ تمام مثالیں فطرت انسانی کے تقاضائے بشریت کے پیش نظر زیر بحث لائی گئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر ان کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ قارئین کو شعر کے محاسن سے آشنا کرانے کے لئے صرف مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں خدائے تعالیٰ سے دو چیزیں مانگی ہیں۔ پہلی وہ جو مصرع اول میں مذکور ہے کہ ''صادق الاسلام'' کر اور دوسری وہ جو مصرع ثانی میں مذکور ہوئی ہے کہ بے غضب راضی ہو۔ اور دونوں میں ایسی ترتیب دے دی ہے کہ مراد اوّل کے حصول کے نتیجہ میں مراد ثانی خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ کیوں کہ جو صادق الاسلام ہو گیا اس پر رب کریم ضرور بے غضب راضی ہو جائے گا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت یا گروہ کا جہاں ذکر فرمایا ہے، وہیں اس گروہ پر انعامات باری تعالیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ'' (سورۃ المجادلہ، آیت ۲۲)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی (کنز الایمان)

معلوم ہوا کہ جو صادق الاسلام ہو کر جند حق یا حزب اللہ کا فرد بن گیا۔ قرآن مجید کے دعوئے صادق سے اللہ ان سے راضی ہو گیا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں تین بزرگ اور شہرۂ آفاق اولیاء ملت اسلامیہ کا واسطہ دیا ہے اور ان کے وسیلے اور طفیل سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ تینوں کا ذکر ان کے القاب سے کیا ہے۔ یعنی (۱) صادق (۲) کاظم (۳) رضا۔

صادق:

حضرت امام جعفر بن محمد کا لقب ہے۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ آپ حضرت امام باقر کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام اہل ذوق اور پیشوائے عشق ومحبت تھے۔ راہ طریقت کے آپ شیخ الشیوخ تھے۔ آپ انتہائی بلند مقام عابد اور نیک خصلت تھے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک زمانے تک میں آپ کی خدمت مبارکہ میں آتا رہا۔ مگر میں نے ہمیشہ آپ کو تین عبادتوں میں سے ایک میں مصروف پایا۔ یا تو آپ نماز پڑھتے ہوتے، یا تو تلاوت میں مشغول ہوتے، یا روزہ دار ہوتے۔ آپ بلاوضو کبھی حدیث روایت نہیں فرماتے تھے۔ (اولیاء رجال الحدیث، ۱۱۲)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس درجہ مستجاب الدعوات اور کثیر الکرامات تھے کہ آپ کو جب کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی تو آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے کہ اے میرے رب! مجھے فلاں چیز کی حاجت ہے۔ آپ کی دعا ختم ہونے سے پہلے وہ چیز آپ کے پہلو میں موجود ہوجاتی۔ (ریاض الصالحین، ص ۵۷)

حضرت بایزید بسطامی آپ کی بارگاہ میں پانی بھرنے کی خدمت انجام دیتے تھے، ایک دن آپ نے نظر شفقت سے توجہ فرمائی اور آپ کی فیض صحبت سے روشن ضمیر اور اکابر اولیائے عظام سے ہوگئے۔ (مسالک السالکین، جلد ۱، ص ۲۲۰)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ سے اکتساب فیض فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ آپ زیارت حرمین شریفین کو تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں ایک خرمے کے خشک درخت کے پاس قیام فرمایا، اور چاشت کے وقت اس درخت سے آپ نے خرمے طلب فرمائے۔ فوراً درخت سرسبز وشاداب ہوگیا۔ اور ساتھ ہی تازہ خرما بھی پیدا ہوگیا۔

ایک اعرابی نے آپ سے جب اس عظیم کرامت کو دیکھا، تو وہ دنگ رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ جادو ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ اس لئے کہ رب کائنات نے مجھے وہ قوت عطا فرمائی ہے۔ کہ اگر میں دعا کردوں تو ابھی تیری شکل کتے کی شکل ہوجائے گی، آپ نے صرت اتنا فرمایا تھا کہ وہ اعرابی کتے کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ اعرابی نے اپنی یہ کیفیت دیکھی تو بہت پریشان ہوا، اور نادم ہوکر معافی کا طلب گار ہو۔ آپ کو رحم آیا، اور پھر دعا فرمائی تو وہ اپنی اصلی حالت میں ہوگیا۔ (مسالک السالکین، جلد اول، ص ۲۲۳)

آپ نے ۱۵ر رجب المرجب ۱۴۸ھ مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں ہے۔

کاظم:

حضرت امام موسیٰ بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہے۔ آپ کی ولادت بتاریخ ۷ر یا ۱۰ صفر المظفر ۱۲۸ھ بمقام ابواء جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ وہاں ہوئی۔ آپ عالم متبحر اور ولی کامل اور صاحب مناقب فاخرہ تھے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ جو لوگ آپ کو اپنا وسیلہ بناتے یا آپ سے دعا کراتے وہ اپنے مقصود کو پہنچتے اور ان کی جملہ حاجات پوری ہوجاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عراق آپ کو ''باب الحوائج''، یعنی حاجتوں کے پورا ہونے کا دروازہ کہتے تھے۔ چنانچہ بعد وصال بھی آپ کا مزار اقدس باب الحوائج ہے۔ آپ بڑے عابد، زاہد، قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ کثرت عبادت وریاضت اور شب بیداری کی وجہ سے آپ کو سب عبدالصالح کہتے تھے۔ حلم اور بردباری کا یہ عالم تھا کہ آپ کا لقب کاظم یعنی غصہ کو پی جانے والا مشہور ہوا۔ جودوکرم کا یہ عالم تھا کہ فقراء مدینہ کو تلاش کرکے ہر ایک کو حسب ضرورت مال ونقد راتوں کو پہنچادیتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں تشریف فرما تھے، دوران گفتگو عصائے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر چھڑ گیا۔ فرش پر ایک قالین بچھی ہوئی تھی جس میں شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ قالین میں جو تصویر ہے اس کو اگر میں کہوں کہ شیر ہو جا۔ بس صرف اتنا ہی کہا تھا تصویر کو ابھی حکم نہیں دیا تھا کہ دفعتاً وہ تصویر شیر اصل ہو گئی، آپ نے اس شیر کو حکم دیا کہ ٹھہر جا۔ میں نے ابھی تم کو حکم نہیں دیا، اتنا فرمانے کے ساتھ ہی وہ شیر بدستور قالین کی تصویر بن گیا۔ (مسالک السالکین، جلد اول، ص ۲۲۸)

آپ نے بتاریخ ۵/ یا ۲۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف بغداد شریف میں بمقام کاظمین میں واقع ہے۔

رضا:

حضرت سیدنا امام علی بن امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا لقب ہے۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۱/ ربیع الاول ۱۵۳ھ کو ہوئی۔ آپ نہایت ذہین وفطین اور اعلیٰ درجے کے عالم وفاضل تھے۔ حضرت ابراہیم بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ علوم معارف کا عالم نہیں دیکھا۔ آپ بہت ہی کم سوتے اور اکثرت روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے علم وعمل سے اسلام کی بے لوث وبے مثال خدمات انجام دیں۔ آپ کی کوشش اشاعت دین نے بے شمار افراد کو اسلام کا شیدائی بنایا۔ آپ کی کوشش کی بدولت حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پرانے مذہب سے تائب ہو کر آپ کے دست حق پر ایمان لائے۔ اور آپ کی فیض بخش صحبت نے ان کو اولیائے اکابر کی صف میں کھڑا کر دیا۔

ملک سندھ کا ایک باشندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سندھی زبان میں گفتگو کرنے لگا۔ آپ اس کی ہر بات کو سمجھ کر سندھی زبان میں ہی جواب دیتے رہے۔ رخصت کے وقت اس سندھی شخص نے عرض کیا کہ حضور! میں عربی زبان نہیں جانتا۔ اور تمنا رکھتا ہوں کہ عربی

زبان سیکھ لوں۔ آپ نے دست مبارک اس کے لبوں پر پھیر دیا۔ معاًوہ عرب کے فصیحوں کی طرح فصیح وبلیغ عربی زبان بولنے لگا۔

حضرت جعفر صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے دعا فرمائیے کہ لڑکا ہو۔ آپ نے فرمایا تیری بیوی دو بچوں کی حاملہ ہے۔ میں اس بشارت عظمیٰ کو سن کر وہاں سے رخصت ہونے لگا۔ اور دل میں یہ خیال آیا کہ ولادت کے بعد ایک کا نام محمد اور دوسرے کا علی رکھوں گا۔ دل میں یہ خیال آنا ہی تھا کہ آپ نے آواز دے کر مجھے واپس بلایا۔ اور فرمایا کہ ایک بچے کا نام علی اور دوسرے کا نام اُمّ عمر رکھنا۔ چنانچہ جب ولادت ہوئی تو ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی تھی، لڑکے کا نام علی اور لڑکی کا نام ام عمر رکھا۔ ایک روز میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ ام عمر نام کیسا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میری ماں کا نام ام عمر تھا۔

آپ کو انگور میں زہر ملا کر کھلایا گیا۔ اور زہر کی ہی وجہ سے آپ نے ۲۱/ رمضان المبارک ۲۰۳ھ میں شہادت پائی۔

آپ کا مزار پرانوار ''طوس'' میں بمقام ''سنایا'' جو بغداد شریف کے قریب ہے وہاں ہے۔ اس مقام کو اب مشہد مقدس کہتے ہیں۔

(21)

گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف
لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود

حل لغت:

گیسو: سر کے لمبے بال، زلف، کاکل، لٹ، لپٹے ہوئے لمبے بال۔
(فیروز اللغات، ص ۱۱۳۷ ☆ لغات کشوری، ص ۶۲۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۵)

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بالا قامت، بدن کی لمبائی۔
(فیروز اللغات، ص ۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۲)

منصرف: پھر جانے والا، ایک حال سے دوسرے حال پر لوٹ جانے والا، باغی، منحرف۔
(فیروز اللغات، ص ۱۲۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۶۴۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۰)

لا: لانا مصدر کا صیغۂ امر، لاؤ، لادو، کردو۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۳۹)

تہ: تحت، نیچے، نچلا حصہ، تلی، تھاہ، انتہا، پیندا، تلا، فرش، سطح، زمین، تلچھٹ، تلے، جھلک، تحریر، بنیاد، باریک اور پتلا ورق، نکتہ، باریکی، کنایہ، رمز۔
(فیروز اللغات، ص ۳۹۲ ☆ لغات کشوری، ص ۱۷۳ ☆ کریم اللغات، ص ۴۴)

تیغ: تلوار، شمشیر، چھری، خنجر، پیٹھ، چاندنی۔
(فیروز اللغات، ص ۴۰۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۷۶ ☆ کریم اللغات، ص ۴۵)

لا: کلمۂ نفی، نہیں، نا، بغیر، بنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۳۹ ☆ لغات کشوری، ص ۶۲۸)

دوسرے مصرع کے شروع میں جو لفظ ''لا'' ہے اس کا مطلب ''لادو'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''لا'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان انوکھے اور بے نظیر انداز میں اپنے آقا و مولیٰ جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گیسو یعنی زلفیں، قد یعنی جسم اقدس اور آپ کی سخاوت فاخرہ کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں کروڑوں درود کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ گیسوئے اقدس کہ جو بشکل ''ل'' ہے اس کے ساتھ قد اقدس جو بشکل ''ا'' (الف) سیدھا ہے وہ دونوں ملے تو ''ل+ا=لا'' یعنی کہ نہیں ہو گیا۔ لہٰذا اے اللہ کے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم پر جو بلا آئی ہوئی ہے اس بلا کو پھیر دو، لوٹا دو، ختم کردو۔ ہم آپ کی بارگاہ عالیہ میں بلا ٹالنے کا سوال کرتے ہیں اور آپ نے کبھی بھی کسی سائل کو سوال کے جواب میں ''لا'' یعنی ''نہیں'' نہ کہا۔ کسی کا بھی سوال رد نہیں فرمایا۔ سب کی مراد پوری فرمائی ہے۔ کیوں کہ ''لا'' کہنا آپ کی عادت ہی نہیں۔ لہذا ہم پر جو بلائیں وارد ہوئی ہیں ان کو ''لا'' یعنی کہ ''نہیں'' کی تلوار کے نیچے ''لا'' کر ان بلاؤں کو کاٹ دو۔ صدقہ آپ کی زلف معنبر یا ور جسم اقدس کا جنہوں نے باہم مل کر ''لا'' کی شکل اختیار کی ہے۔ آپ پر کروڑوں درود وسلام ہوں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کاکل مصطفٰے کو ''لام'' اور جسم اقدس کو ''الف'' کہا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے کلام کا ہر جملہ بلکہ ہر لفظ قرآن وحدیث کے دلائل اور شواہد پر مبنی ہوتا ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی کہا وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی کہا ہے۔ آپ کے کلام کا ماخذ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اقوال اولیاء ہیں۔

حضرت ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

سوال کیا کہ ''كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ''یعنی پیارے آقا کی زلفیں کیسی تھیں؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ ''لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ رَجُلًا ''یعنی نہ تو پیچدار تھیں اور نہ ہی سیدھی۔ اکڑی ہوئی تھیں، بلکہ کنڈل والی تھیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''مَارَأَيْتُ مِنْ ذِیْ لَمَةٍ اَحْسَنَ فِیْ حُلَّةٍ حَمَرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكَبَيْهِ ''یعنی میں نے سرخ جبہ پہنے کانوں کی لو کے نیچے زلفوں والا آپ سے بڑھ کر حسین نہیں دیکھا۔ آپ کی مبارک زلفیں کاندھوں کو چوم رہی ہوتیں۔

زلفوں کی مذکورہ تعریف میں حضرت سیدنا فاروق اعظم، سیدتنا حضرت عائشہ، حضرت ہند بنت ابی ہالہ، حضرت سیدنا مولیٰ علی، حضرت انس، حضرت ابوقتادہ وغیرہ اجلہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایات وارد ہیں۔ ان تمام کا خلاصہ یہ کہ گیسوئے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''ل'' کی شکل کے تھے۔ جو''ل'' (لام) کی اضافی شکل ہے۔ اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قد زیبا کے متعلق کچھ روایات ملاحظہ ہوں۔ تمام حروف میں حرف الف کی ایک امتیازی شان ہے کہ وہ دیگر حروف کے جھرمٹ میں ہونے کے باوجود بھی بلند نظر آتا ہے۔

محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قد مبارک کے متعلق فرماتی ہیں کہ ''بسا اوقات دو بلند قامت آدمیوں کے درمیان چلتے تو ان سے بلند تر نظر آتے۔''

سفر ہجرت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے والی خاتون اُمّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور کے قد انور کا تقابل حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت عامر بن فہیرہ سے کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ''وہ دونوں شاخوں کے درمیان ترو تازہ شاخ کی مانند

تھے۔ اور ان تینوں میں بلند اور حسین نظر آرہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آپ ساتھ چلنے والے سے بلند قامت دکھائی دیتے تھے۔'' ان تمام کا خلاصہ یہ کہ سرکار کا مبارک جسم ''ا'' (الف) کی شکل میں معتدل تھا۔ اب اس ''ا'' کی ''ل'' کے ساتھ اضافت کرنے سے ''لا'' ہوجائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وکرم کا یہ عالم تھا کہ کبھی بھی کسی کو ''لا'' یعنی ''نہیں'' کہتے ہی نہ تھے۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی سوال ہوا تو آپ نے ''نہیں'' نہ فرمایا۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ ''لا کے تہ تیغ لا'' یعنی کہ ہم پر جو بلائیں مسلط ہوئی ہیں ان بلاؤں کو ''تہ تیغ لا'' یعنی کہ ''نہیں کی تلوار تلے'' لاکر اسے کاٹ دو۔ اس جملہ میں تیغ لا یعنی نہیں کی تلوار کا حضرت رضا بریلوی نے استعمال کر کے کمال کردیا ہے۔ کیوں کہ تلوار کا کام ہے کاٹنا۔ فطری بات ہے کہ ایک شخص کو کسی سے بے حد امید ہو اور یقین کے درجے میں اسے امید ہو کہ میرا سوال ضرور پورا ہوگا، اور وہ اس سے سوال کرے لیکن اس کا سوال رد کردیا جائے تو اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے اور ٹکڑے کاٹنے سے ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کا کبھی سوال رد نہیں فرمایا۔ کیوں کہ آپ دلوں کو کاٹنے والے نہیں بلکہ کٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تیغ لا یعنی نہیں کی تلوار سے دل کٹتا ہے۔ لیکن حضرت رضا اس شعر میں اپنے آقا سے تیغ ''لا'' یعنی ''نہیں'' کی تلوار استعمال کرنے کی گزارش کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! جو دلوں کو کاٹنے والی ''نہیں کی تلوار'' ہے اسے آپ کسی کا دل کاٹنے کے لئے کبھی بھی استعمال نہیں فرماتے۔ لیکن اے آقا! آج معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس ''تیغ لا'' کا استعمال ہمارے دلوں کو

کاٹنے کے لئے نہیں، بلکہ ہم پر جو بلائیں آپڑی ہیں ان بلاؤں کو کاٹنے کے لئے استعمال کرنے کا کرم فرمایئے۔ آپ پر کروڑوں درود ہوں۔

۞......۞......۞

(22)

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

حل لغت:

مدح: تعریف، توصیف، ستائش، وہ نظم جس میں کسی کی تعریف کی گئی ہو۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۴۹)

اہل دول: دولت مند، مال دار، امراء، وزراء۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۲)

دول: دولت کی جمع، بہت سلطنتیں۔

(فیروز اللغات، ص۶۵۶ ☆ لغات کشوری، ص۳۰۴ ☆ کریم اللغات، ص۷۵)

بلا: سختی، زحمت، مصیبت، دکھ، بپت، آفت، قہر، غضب، چڑیل، ڈائن، آسیب، قیامت، چست و چالاک، ہیبت ناک، خوفناک، ڈراونا، بہت، نہایت، بے حد۔

(فیروز اللغات، ص۲۱۱ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۲۵)

گدا: فقیر، بھکاری، منگتا، مانگنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۳)

پارہ: پارچہ، ٹکڑا، ریزہ، جزء، پرچہ، پرزہ، قاش، پھانک، پیوند، جوڑ، پتھر کی چھوٹی سی دیوار، تحفہ، تبرک، نام ایک مشہور دھات کا، لوہے کا گز، ایک میٹھائی جس کو شکر پارہ کہتے ہیں، عورت جو کنواری نہ ہو۔

(فیروز اللغات، ص۲۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۵ ☆ کریم اللغات، ص۲۸)

نان: روٹی، تنور کی روٹی، موٹی روٹی، وہ روٹی جو خانقاہوں میں ملتی ہے۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۴۸ ☆ لغات کشوری، ص۶۷۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۹)

پہلے مصرع میں شروع میں جولفظ ''بلا'' ہے اس کا مطلب ''غضب'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جولفظ ''بلا'' ہے اس کا مطلب ''مصیبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق ومحبت اور دنیا و دنیاداروں کے ساتھ اپنی بے رغبتی اور بے اعتنائی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔ یہ شعر تاریخی شعر ہے۔ یہ شعر ایک واقعہ کے پیش نظر کہا گیا ہے۔ پہلے اس شعر کے معنی باعتبار لغت حل کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ میں اور اہل دول یعنی دنیا کے دولت مندوں کی تعریف کروں؟ ارے دنیا کے اہل ثروت کی تعریف کرنا ایک بلا (آفت) ہے۔ ان دنیا داروں کی خوشامد اور چاپلوسی کرنا غضب الٰہی کا مستحق ہوکر بلا میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔ مجھے ان کی کیا پڑی ہے؟ ان کی خوشامد سے مجھے کیا تعلق؟ ارے ان کی خوشامد کرنے کی بلا (زحمت) میں میری بلا (مصیبت) پڑے۔ دولت مندوں کی تعریف کرنے سے مجھے کوئی سروکار نہیں، کیوں کہ میں تو اپنے کریم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منگتا ہوں۔ میرا دین یعنی میرا ایمان ومذہب پارۂ نان یعنی روٹی کا ٹکڑا نہیں ہے۔

نان پارہ ضلع بہرائچ (یو. پی) کے نواب صاحب، فن وادب سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اہل ادب کے بہت ہی قدرداں تھے۔ خصوصاً شعراء کو وہ گاہے بہ گاہے کسی جشن کے بہانے جمع کر کے تحائف وانعامات سے نوازا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی سالگرہ کے موقع پر مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا۔ دن اور وقت کا تعین کر کے منتخب شعرائے کرام کو دعوت نامے ارسال کیے گئے۔ دعوت نامے کے ساتھ نواب نانپارہ کی شان میں منقبت لکھنے کی فرمائش وگزارش بھی

کی گئی تھی، اور اچھی تخلیق پر شایان شان قدردانی کی فہمائش بھی پیش کی گئی تھی، اکثر شعرائے وقت انعام کی طمع میں نواب صاحب کی شان میں منقبت مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کسی نے امام عشق ومحبت کی خدمت میں آکر اس کی اطلاع دیتے ہوئے مشورہ دیا کہ آپ کو اردو شاعری میں عبور حاصل ہے۔ لہٰذا آپ بھی نواب نانپارہ کی شان میں کچھ مرقوم فرمائیں۔ امید ہے کہ وہ آپ کی اچھی قدردانی کریں گے۔ ایک عاشق رسول، فنافی الرسول اور رسول کے نام پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کا ہر لمحہ جذبہ رکھنے والے فدائی سے دنیادار کی مدح وستائش کی فرمائش کی گئی۔ گویا کہ اس کی حمیت عشق کو للکارا گیا، متاع دنیا کی طمع دلائی گئی۔ لیکن وہ تو دنیاداروں سے بے پرواہ ہوکر، ان سے اپنا علاقہ منقطع کر کے اپنے کریم آقا کی ولا اور حب میں ایسا گم ہوگیا تھا کہ اس کے عشق کی بلندی ورفعت کی خبر سے دنیا والے بے خبر تھے۔ اس فرمائش پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے لکھا، اور ضرور لکھا لیکن کس کی شان میں؟ نانپارہ کا نواب بھی جس کے در کا ادنیٰ بھکاری ہے اور اسی در کا صدقہ کھا رہا ہے۔ اس قاسم نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعت لکھی جس کا مطلع (پہلا شعر) یہ ہے:

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس نعت کے مقطع (آخری شعر) میں آپ نے فرمایا ''میرا دین پارۂ ناں نہیں'' اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ احمد رضا کا دین ''پارۂ ناں نہیں'' کہ نانپارہ کے نواب کی تعریف کرے، نانپارہ جو ضلع بہرائچ کے ایک شہر کا نام ہے اسی لفظ کو الٹا کر کے پارہ ناں میں تبدیل کر کے حضرت رضا نے فن وادب کے اعتبار سے بھی کمال کر دکھایا ہے۔ حضرت رضا بریلوی اپنے دور کے ممتاز شاعر تھے آپ امام الکلام تھے۔ لیکن عشق مجازی میں کبھی بھی کچھ نہیں لکھا۔ صرف عشق حقیقی پر ہی آپ کا کام مبنی ہے۔ اور اس میں بھی اکثریت نعت رسول کی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے ہمیشہ شریعت مطہرہ کے دائرے میں رہ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی لکھا

ہے۔خود فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی ☆ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

(حضرت رضا بریلوی)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے عالم اسلام میں عشق رسول کے جذبہ و ولولہ کی وہ لہر پیدا کی ہے کہ مردہ دل بھی جی اٹھے اور عشق رسول کی تڑپ کو اپنے دل کی دھڑکن بنالے۔ حضرت رضا بریلوی نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہی لکھا ہے۔ دنیا کی لالچ، مال وزر کی طمع، داد و تحسین کی آرزو، طعنہ و تشنیع کا خوف وغیرہ کو اس میں اصلاً دخل نہیں تھا، خود فرماتے ہیں:

نہ مرا نوش زتحسیں نہ مرا نیش زطعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

●

منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

ترجمہ: مجھے نہ اپنی تعریف خوشگوار و میٹھی لگتی ہے اور نہ مجھ پر کئے گئے طعن وطنز برے اور کڑوے لگتے ہیں۔ میں نہ تو اپنی تعریف پہ کان دھرتا ہوں اور نہ اپنی برائی کی پرواہ کرتا ہوں۔ بس میں اپنی چند کتابیں، دوات، اور قلم کو لے کر اپنے گوشۂ تنہائی میں ہوں جہاں اور کوئی سما نہیں سکتا۔

یہی وہ تواضع اور انکساری ہے جو عشق رسول کے طفیل حضرت رضا بریلوی کو حاصل ہوئی اور اسی نے آپ کو گوشۂ تنہائی سے نکال کر اہل ایمان و عشق کے ایوان قلب میں جگہ عطا کی۔

(23)

قضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے
جو ان کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے

حل لغت:

قضا: حکم، حکم خدا، مشیئت ایزدی، فرمان الٰہی، تقدیر، موت، قسمت، وفات، اجل، وہ عبادت جو وقت کے بعد ادا کی جائے، حکم کرنا، ادا کرنا، تمام کرنا۔

(فیروز اللغات، ص ۹۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۳)

شوق: خواہش، آرزو، تمنا، اشتیاق، رغبت، میل، شغل، کام، جوش، سرگرمی، محبت، عشق، چسکا، امنگ، دھن، ترنگ، دریافت کرنے کی خواہش، لطف، بلند ہونا، ابھرنا۔

(فیروز اللغات، ص ۸۵۰ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۰)

والی: مالک، آقا، سردار، حاکم، بادشاہ، دوست، رشتہ دار، حمایتی، مددگار، مربی، محافظ، نگہبان، سرپرست، گورنر، صوبے دار، حاکم صوبہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۰)

والی: والا کی تانیث، مرکبات میں اسم، مصدر کے ساتھ آ کر اسم فاعل اور صفت کا معنی دیتا ہے۔ مثلاً: دودھ والا، گھر والا، پڑھنے والا، گنجائش والا، بمبئی والا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳/۱۴۰۴)

حق: سچ، راست، درست، لائق، واجب، قائم، بجا، انصاف، بدلہ، جائز، ملکیت، فرض، مزدوری، وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۰ ☆ لغات کشوری، ص ۲۳۷)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''والی'' ہے اس کا مطلب ''مددگار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جولفظ ''والی'' ہے اس کا مطلب ''والا ، اللہ والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امامِ عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

''موت کا آنا تو سچ ہے لیکن اس خواہش کا اللہ والی و مددگار ہے کہ کاش ان کی راہ میں جاتی ، یعنی جس کو ان کی راہ میں موت آتی ہے وہ مرنے والا اللہ والا ہوتا ہے۔

اس شعر میں دو مرتبہ لفظ ''والی'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جولفظ ''والی'' ہے وہ اسم ہے۔ نیز وہ لفظ عربی زبان کا ہے اور اس کا مطلب آقا، مددگار وغیرہ ہے۔ مصرع ثانی میں جولفظ ''والی'' ہے وہ صفت ہے۔ نیز وہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں والا ، نیز اس شعر میں ''جان جائے'' کے محاورے کو الٹا استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں مصرعوں میں لفظ والی کو لفظ اللہ کے ساتھ اضافت کر کے حضرت رضا نے روئے ادب کے حسن کو دوچند کیا ہے۔ اب مصرع ثانی میں ''ان کی راہ'' کا جملہ ہے اس سے کیا مراد ہے؟ پہلے تو یہ دیکھیں کہ ''ان'' سے کون مراد ہے، اور پھر یہ دیکھیں کہ ''راہ'' سے کون مراد ہے؟ ''ان'' سے مراد اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ کیوں کہ ان کا لفظ ضمیر جمع غائب ہے۔ اس کا اطلاق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک کے لئے مناسب نہیں۔ وہ واحد ہے، احد ہے اس کے لئے واحد کی ضمیر کا استعمال ہی موزوں ہے۔ یعنی اس کا۔ اگر یہاں مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہوتی تو شعر اس طرح ہوتا کہ ''جو اس کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے''۔ لیکن حضرت رضا نے شعر میں اس کی بجائے ان لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ لیکن اس سے ہرگز یہ معنی اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے راہ خدا مراد نہیں، بلکہ حق یہی ہے کہ راہ نبی ہی دراصل راہ

خدا ہے اور جس امر یا شئے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہو جاتی ہے وہ اللہ کو بھی محبوب ہوتی ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت کی امید اور اپنے کرم کی ڈھارس دی، تو انہیں اپنے محبوب کے بندوں سے متذکر کیا۔

قرآن شریف میں ہے کہ:

''قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ'' (سورہ الزمر، آیت ۵۳)

ترجمہ: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔

(کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ نے اپنے بندوں کو ''عباد النبی'' سے ملقب فرما کر یہ بات بھی منکشف فرمادی کہ جو نبی کا بندہ (غلام) ہے وہی اللہ کا بندہ (عبادت کرنے والا) ہے اسی طرح راہ نبی بھی راہ خدا ہے۔

اب آیئے شعر کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ قضا حق ہے یعنی موت یقینی ہے۔

''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ'' (سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے۔ (کنزالایمان)

تو جب موت یقینی ہے تو پھر کیوں نہ یہ تمنا کریں کہ ان کی راہ میں موت آئے۔ ہماری اس تمنا (شوق) کا مددگار و نگہبان (والی) اللہ ہے۔ جس طرح قضا حق ہے اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ اللہ کے حبیب کی راہ میں جو مرا وہ اللہ والا ہے۔

اب راہ کے متعلق گفتگو سنیں۔ راہ کے لغوی معنی ہیں راستہ، غرض، مطلب، وضع، دوستی، انتظار وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۷۰۱ ☆ لغات کشوری، ص۳۱۷)

اب اس شعر کے اتنے زیادہ معنی ہو گئے کہ ایک مستقل کتاب صرف اسی شعر کی تشریح میں مرتب کی جا سکتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ راہ میں شہید ہو جانا۔ اعلاکلمۃ الحق کی خاطر دین کے دشمنوں سے جہاد کرتے کرتے اپنی جان قربان کر دینا اور شہدائے اسلام کے زمرے میں شامل

ہوکر بفرمان قرآن ''بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ '' کا شرف حاصل کرنا،ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنی زندگی کی غرض اور طلب صرف ذات مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنا کر فنا فی الرسول کی منزل میں داخل ہوجانا۔ بے شمار واقعات اس ضمن میں وارد ہیں کہ شمع رسالت کے پروانے صرف اور صرف شمع بزم ہدایت میں ہی مست رہ کر اپنی زندگی کا مقصد ان کی طلب اور غرض بنا کر حیات جاودانی پا گئے۔ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنی وضع یعنی اپنی چال،ڈھال،رفتار، گفتار، کردار، بلکہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ پھر چاہے جلوت ہو یا خلوت اپنے مہربان اور رؤوف رحیم آقا کی شریعت پر عمل کر کے اپنی وضع اسلامی بنالینا،اور ایمان کی درستگی کے ساتھ کامل طور پر اپنے آقا کی شریعت پر عمل کر کے اپنی وضع اسلامی بنالینا۔ایک معنی یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ دوستی محبت کا صحیح حق ادا کرنا، دوستی کے یہ معنی نہیں کہ صرف دوستی کا دعویٰ کرلینا۔سچا دوست وہی ہے کہ جو دوستی کے تمام تقاضوں کو پورا کرے،اور دوستی کا ایک اہم تقاضہ یہ ہے کہ دوست کے محبوں سے دوستی کرنا،اور دوست کے دشمنوں سے عداوت رکھنا۔بقول حضرت رضا:

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

محبت رسول کا دم بھرنے والے لیکن ساتھ ساتھ بارگاہ رسول کے گستاخوں کے ساتھ میل جول اور ان سے محبت رکھنے والے اپنی روش کو ترک کر کے سچی محبت کا حق ادا کریں۔

اور ایک اہم معنی یہ بھی ہے کہ ان کی راہ میں یعنی ان کے دربار دیار مدینہ طیبہ کی راہ میں موت آئے، پھر چاہے مدینہ کے عزم سے کئے گئے سفر کے دوران موت آجائے۔

قرآن شریف میں ہے کہ ''وَمَنْ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ''

ترجمہ: وہ شخص جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلا، اور پھر اسے موت نے پالیا۔تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

دربار رسالت میں حاضری کی غرض سے دور سے سفر کر کے آنا اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت ہی تو ہے۔

اور ایک معنی یہ بھی ہے کہ ان کی راہ میں یعنی کہ ان کی راہ گزر کہ جہاں وہ چلتے تھے یعنی کہ مدینہ طیبہ کی مقدس گلیاں اور راستے وہاں اگر کسی خوش نصیب کو موت آگئی تو بقول حضرت رضا بریلوی:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

(24)

ہے تو رضؔا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں

حل لغت:

نرا: صرف، محض، اکیلا، سراسر، بالکل، صاف، نرمل، فقط۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۵۵)

ستم: ظلم، زیادتی، جفا، شرمانا، جبر وتشدد، آزاد، ایزا، بے انصافی، ناحق، اندھیر، غضب، قباحت۔ (فیروز اللغات، ص۷۷۹ ☆ لغات کشوری، ص۳۷۰ ☆ کریم اللغات، ص۸۸)

لجائیں: لجانا، شرمانا، شرمندہ ہونا، جھینپنا، خجل ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۵۰)

جھینپنا: شرمانا، لجانا، آنکھیں چرانا۔ (فیروز اللغات، ص۵۰۰)

آنکھیں چرانا: چشم پوشی کرنا، کترانا، تجاہل عارفانہ۔ (فیروز اللغات، ص۴۲)

تجاہل: انجان بننا، ٹالنا، چشم پوشی، بے پروائی، جان بوجھ کر جاہل بننا۔

(فیروز اللغات، ص۳۴۵ ☆ لغات کشوری، ص۱۳۵ ☆ کریم اللغات، ص۳۴)

تجاہل عارفانہ: جان بوجھ کر انجان بننا، ارادتاً ناواقفیت ظاہر کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۳۴۵)

بجائے: بعوض، بدلے میں، جگہ پر، قائم مقام کے طور پر۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۱)

سوز: جلن، سوزش، دکھ، درد، مرثیہ خوانی کی ایک طرز۔

(فیروز اللغات، ص۸۲۰ ☆ لغات کشوری، ص۴۰۰ ☆ کریم اللغات، ص۹۴)

غم: رنج، دکھ، افسوس، صدمہ، ملال، حزن، الم۔

(فیروز اللغات، ص۹۱۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۲۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۴)

ساز: سامان، اسباب، باجہ، جنگ کے ہتھیار، گھوڑے کا زیور، وہ سامان جو گھوڑے کو

گاڑی میں جوتنے کے لئے درکار ہوتا ہے، میل، جول، موافقت، ربط، تیاری، سرانجام، قابل، ناچنے کا سامان، بناؤ، سفر کا سامان، کام کی رونق، مثل، مانند، نفع بازی، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: کارساز وغیرہ، مکر، حیلہ۔

(فیروز اللغات، ص۷۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۳۶۱ ☆ کریم اللغات، ص۸۶)

طرب: خوشی، شادمانی، شوق، انبساط، شادی۔

(فیروز اللغات، ص۸۷۶ ☆ لغات کشوری، ص۸۶۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۵)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''بجائے'' ہے اس کا مطلب ''بدلے میں'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''بجائے'' ہے اس کا مطلب ''بجانا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ملت اسلامیہ کو ایک دینی اور اخلاقی درس نصیحت دے رہے ہیں۔ اور خود اپنے کو مخاطب کر رہے ہیں۔ یہ بھی اخلاق حسنہ کا طریقہ ہے کہ کسی کو رشد وہدایت کرتے وقت یہ طرز اپنایا جائے کہ سیدھا اس کو مخاطب نہ بنایا جائے تاکہ اس کو احساس ذلت واحساس کمتری نہ ہو۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ کسی مرتکب گناہ کو گناہ گار کی حیثیت سے ذلیل ورسوا کر کے اس کی اصلاح کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ بہ تقاضائے انسانی ضد پر آجاتا ہے۔ اکڑتا ہے اور گناہ کو ترک کرنے کی بجائے اس پر اور دلیر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک محفل میں ایک سو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک شخص شرابی بھی ہے۔ اگر وعظ بھری محفل میں اس شخص کا نام لے کر یہ کہا جائے کہ

اے فلاں بن فلاں ہم کو معلوم ہے کہ تم روزانہ شراب پیتے ہو۔شراب پینا گناہ عظیم ہے۔لہٰذا تم توبہ کرو۔اور شراب پینے کی بری عادت ترک کردو۔اس طرز سے نصیحت کرنے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔وہ شخص چڑ جائے گا۔بلکہ ضد پر آ جائے گا۔اس کو توبہ کی رغبت اور توفیق نہ ملے گی۔ہوسکتا ہے کہ وہ شراب پینے میں اور دلیر ہوجائے۔اس کے برعکس ناصح اگر یہ کہے کہ میرے دینی اور اسلامی بھائیو! شراب پینا گناہ عظیم ہے۔قرآن میں شراب پینے کی سخت ممانعت ہے۔اور شراب کی ممانعت اور شراب کی برائیوں میں متعدد احادیث وارد ہیں۔پھر وہ واعظ ان آیات و احادیث کا مفصل بیان کرے۔اور بعد میں یہ کہے کہ ہم اللہ اور رسول کی جناب میں عہد کریں کہ ہم کبھی شراب نہیں پئیں گے۔اور اگر ماضی میں ہم نے پی لینے کی غلطی کی ہے تو صدق دل سے توبہ کریں۔اس طریقے سے کی گئی نصیحت مؤثر اور فائدہ مند ہوگی۔واعظ کی بات اس کے دل میں اثر کرے گی۔اور وہ شراب نوشی ترک کردے گا۔قرآن مجید میں نصیحت اور دین کی دعوت دینے کے طور طریقے بتائے گئے ہیں۔واعظ کو چاہئے کہ وہ اسی طرز پر عمل کرے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ" (سورۃ النحل، آیت ۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔ (کنزالایمان)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان قرآن کے ارشاد کے مطابق عمل کرتے ہوئے بہترین طریقہ سے نصیحت کرتے ہیں۔پہلے ہم شعر کا لغوی اور ظاہری معنی سمجھنے کی کوشش کریں۔شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے رضا! یہ تو سراسر ظلم ہے کہ ہم گناہوں پر شرمانے کے

بجائے لجائیں یعنی جھینپیں۔یعنی گناہ کر کے بے پرواہو جائیں اور غفلت برتیں۔حالاں کہ اگر شامت نفس کی وجہ سے گناہ ہو بھی جائے تو اس گناہ پر "سوزغم" دکھ سے افسوس کرنا چاہیئے لیکن افسوس کرنے کے "بجائے" کوئی شخص اس گناہ پر اپنی دلیری کا اظہار کر کے "ساز طرب" یعنی "خوشی کا باجہ" بجائے تو یہ ایک مومن کے لئے مناسب نہیں۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ "بجائے" کا دوبار استعمال کیا گیا ہے۔پہلی مرتبہ جو لفظ "بجائے" ہے وہ تابع فعل ہے۔اور اس کے معنی ہوتے ہیں۔"بدلے میں" بعوض اور قائم مقام کے طور پر، دوسری مرتبہ جو لفظ "بجائے" ہے وہ بجانا کے معنی میں ہے۔لفظ بجانا مصدر ہے اور اس کے معنی ہے باجے کی آواز نکالنا۔دونوں لفظ "بجائے" الگ الگ معنی کے حامل ہیں۔حالاں کہ حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل کا ہوا۔

اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ "جرم پہ گر لجائیں ہم" اس جملہ میں آپ نے لفظ "ہم" کا استعمال فرمایا ہے تم نہیں فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ملت اسلامیہ کو بہ احسن طریق نصیحت فرماتے ہیں۔اور نصیحت کنندہ میں خود اپنے کو بھی شامل کر رہے ہیں تاکہ آپ کی پند و نصیحت مؤثر ہو۔مخاطب کو یہ احساس نہ ہو کہ ہم کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔بلکہ مجموعی حیثیت سے خطاب کیا جا رہا ہے۔جس میں ہم اور تم سب شامل ہیں۔کسی مخصوص افراد یا اقوام کو نہیں بلکہ عام طور پر پوری ملت اسلامیہ سے خطاب کیا جا رہا ہے کہ اگر ہم سے گناہ ہو جائے تو اس گناہ سے بے پرواہ نہ ہو جائیں۔بلکہ اس پر افسوس کریں اور کف ندامت ملیں، اور اس افسوس و ندامت کے جذبے کے تحت صدق دل سے توبہ و استغفار کریں۔جرم پر گر لجائیں ہم میں لفظ "لجائیں" بہت ہی معنی خیز ہے۔اصطلاح عوام میں لفظ "لجائیں" شرمانے کے معنی میں مستعمل ہے۔اگر یہاں شرمانے کے معنی لئے

جائیں تو شعر کا مطلب ہی الٹا اور غلط ہو جائے گا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''لجائیں'' کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے وہ ''جھینپنا'' کے معنی میں ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے آنکھیں چرانا، اور آنکھیں چرانے کا مطلب ہوتا ہے ''تجاہل'' کرنا۔ اور تجاہل کے معنی ہوتے ہیں بے پروائی کرنا، چشم پوشی کرنا، اور ٹالنا، اس تقدیر پر ''لجائیں'' کا معنی ہوا، بے پروائی کرنا، چشم پوشی کرنا، یا ٹالنا، اب شعر کے مصرع اول کا صاف صاف مطلب سامنے آ گیا کہ گناہ کرنے کے بعد گناہ کو ہلکا سمجھ کر اس کی سزا سے بے پرواہ ہو جانا سراسر ظلم ہے۔ خود گناہ بھی ایک ظلم ہے اور اس کے ارتکاب کے بعد اس سے چشم پوشی کرنا ظلم بالائے ظلم ہے۔ انسان سے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اسے اپنے گناہ پہ نادم ہونا چاہیئے۔ شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں'' اس مصرع کے آخر میں آپ نے ''کیوں'' کا لفظ استعمال فرما کر پورے مصرع کو جملہ استفہامیہ بنا دیا، اور اس جملہ کے ذریعہ ہر ذی شعور سے سوال فرمارہے ہے کہ اپنے گناہ پہ دکھ اور افسوس کرنے کے بجائے خوشی کا اظہار اور اپنے گناہ کا فخر یہ ڈھنڈھورا پیٹنے کی وجہ کیا ہے؟ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنے نفس کی شرارتوں کے متعلق سوچے۔ بہت سے لوگ گناہ کرنے میں اپنی بہادری اور جواں مردی یا اپنی ذہانت سمجھتے ہیں۔ اسی لئے گناہ کے ارتکاب کے بعد اس گناہ کا اپنے دوست واحباب کے سامنے فخر یہ ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً: کوئی شخص جوا کھیلنے گیا اور اتفاق سے بڑی رقم جیت کر آیا۔ تو وہ اس پر پھولا نہیں سماتا۔ اور اپنے حلقے میں اسے فخر یہ بیان کرتا ہے کہ اتنا جیت کے آیا ہوں۔ اسی طرح کوئی آدمی تجارت کا ہنر جانتا ہے اور ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ منافع کا تذکرہ اپنے رفقاء کے سامنے کرتا ہے۔ بے حیائی اور بے شرمی کے افعال قبیحہ کو بہت لوگ اپنی فتح و کامیابی کے طور پر بیان کرتے ہوئے نہیں شرماتے اور خوشی کے ساتھ اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ یہی ہے ''سازِ طرب بجانا''

اور اسی کی حضرت رضا بریلوی مذمت فرمارہے ہیں۔ اور گناہ پر اکڑنے کے بجائے گناہ پر افسوس کر کے توبہ واستغفار کی تلقین فرمارہے ہیں۔

آج کے جدید فیشن والے معاشرے میں تو یہ حالت ہے کہ گناہ کو گناہ تک نہیں سمجھتے۔ بے حیائی اور بے شرمی کو ترقی اور فیشن سے موسوم کیا جاتا ہے۔ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا کوئی امتیاز ہی نہیں ہے۔ گناہ کا ڈر دلوں سے رخصت ہو گیا ہوا ایسا محسوس ہوتا ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بے حیا و بے شرم ہوا اتنا ہی زیادہ ترقی یافتہ اور فیشن والا سمجھا جارہا ہے۔ دین و مذہب کی پابندی کرنے میں شرم سی محسوس کی جارہی ہے اور دین و مذہب کی خلاف ورزی میں دلیری دکھائی جارہی ہے۔ بڑے سے بڑے گناہ کو ہلکا بلکہ کالعدم سمجھا جارہا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ ایک ایسے میدان میں قیام پذیر تھے جہاں نہ لکڑیاں تھیں اور نہ کوئی دیگر چیز تھی۔ حضور نے صحابہ کرام کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم فرمایا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! لکڑیاں تو نظر ہی نہیں آتیں، فرمایا کہ کسی چیز کو حقیر نہ جانو جو چیز ملے اسے لے آؤ، چنانچہ صحابہ کرام ادھر اُدھر گئے اور جس کو جو بھی سوکھی لکڑی کا چھوٹا بڑا ٹکڑا ہاتھ لگا وہ کچھ نہ کچھ اٹھا لایا۔ اور ایک جگہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے ایک اچھا خاصہ ڈھیر بن گیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہی حال اس نیکی اور بدی کا ہے جس کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی نیکی سے نیکی مل کر اور بدی سے بدی مل کر انبار ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح کسی گناہ کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ انسان اگر چھوٹے گناہ کی پرواہ نہ کرے تو وہ چھوٹے چھوٹے گناہ مل کر گناہ کبیرہ کی صورت اختیار کر لیں گے۔

آدمی گناہ کو بالکل معمولی سمجھ کر اسے اہمیت ہی نہ دے اور حقارت سے کہے کہ اس

میں کون سا بڑا گناہ ہے؟ یہ تو ایک تفریح ہے۔ ذرا دیر کے لئے دل کو بہلاتے ہیں۔ اس طرح خواہ مخواہ چھوٹا گناہ بھی بڑا بن کر رہ جاتا ہے۔ گناہ کو بڑا خیال کیا جائے تو وہ کم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ گناہ کو بڑا سمجھنا خوف خدا اور ایمان کی سلامتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس گناہ کو معمولی اور حقیر سمجھنا گناہ کی سزا سے بے خوف ہونے کی علامت ہے۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان کے نزدیک تو گناہ ایک پہاڑ سے کم نہیں ہوتا۔ اور اسے ہمیشہ خوف رہتا ہے کہ پہاڑ کہیں اس کے سر پر پھٹ نہ پڑے اور منافق کے نزدیک گناہ کی حیثیت ایک مکھی سے زیادہ نہیں۔ جو ناک پر بیٹھ جائے اور اڑ جائے۔ اس لئے وہ گناہ سے خائف نہیں رہتا۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ جس گناہ کی بخشش ناممکن ہے وہ یہ ہے کہ اس گناہ کو آدمی معمولی اور حقیر خیال کرے اور تمنا کرے کہ کاش! کیا ہی اچھا ہوتا کہ سبھی گناہ ایسے ہی ہوتے۔

ایک صحابی کا قول ہے کہ لوگ بڑے بڑے گناہ کر گزرتے ہیں اور اسے بال کے برابر حقیر سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ ہمارے نزدیک ہر گناہ پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہم اس بھید کو جانتے ہیں کہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب پوشیدہ نہ ہو۔ گناہ جتنا ہی بڑا ہوگا اتنا ہی قہر الٰہی اس میں پنہاں ہوگا۔ اور ہوسکتا ہے کہ جس گناہ کو لوگ آسان ترین تصور کر رہے ہیں وہی حق تعالیٰ کے قہر وغضب کا باعث ہو۔ کہ ارشاد ہوا ہے کہ تم جس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری تھی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی کے آخر میں ''ساز طرب بجائے کیوں'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ وہ چھوٹا سا جملہ معنویت کا خزانہ ہونے کے اعتبار سے بہت کچھ کہہ رہا ہے۔ ''سازِ طرب'' یعنی خوشی کا باجا، باجے کا کام کیا ہوتا ہے؟ یہ تو سب جانتے ہیں۔ جو خوشی اور سرور ہوتا ہے اسے بڑھا چڑھا کر اظہار کرنا۔ اردو محاورات میں ڈھول تاشہ اور دھوم دھام کو باجا کہا جاتا ہے۔ یعنی خوشی کی دھوم دھام کرنا یعنی کہ بہت خوشیاں

منانا۔ حضرت رضا نے ساز طرب جملہ کا استعمال فرما کر ان لوگوں کے چہروں پر طنز کا طمانچہ رسید کیا ہے۔ جو گناہ پر نادم ہونے کے بجائے گناہ کی خوشی کا باجا بجاتے پھرتے ہیں۔ مثلاً: کسی نے شراب خانہ (Bar) میں جا کر آدھی بوتل شراب پی، اور دوسرے دن اپنے دوستوں کے سامنے شیخی مارتے ہوئے کہا کہ یار کل تو مزہ آگیا۔ ڈیڑھ بوتل پی گیا۔ مگر چڑھی نہیں۔ (معاذ اللہ) اسی طرح کوئی جوا کھیلنے گیا۔ اور پانچ ہزار جیت کر آیا، وہ شوخی نفس سے کہتا ہے کل تو اپنا ستارہ بلندی پر تھا۔ بیس ہزار جیت کر آیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام گناہوں کو حضرت رضا بریلوی ''سازِ طرب'' فرما کر آخر میں سوال کرتے ہیں کیوں؟ یعنی یہ شیخی کس لئے مار رہا ہے؟ کیا ایسی شیخی مارنے سے تیری عزت اور رزق میں اضافہ ہوگا؟ ہرگز نہیں، بلکہ الٹا ذلیل وخوار ہوگا۔ اے گناہ پر اڑنے والے اور شیخی مارنے والے تو اپنی خیر منا اور شکریہ ادا کر اس ذات مقدسہ کا جو رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگلی امتوں پر خدا کا عام عذاب نازل ہونے کے بہت سے واقعات کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ پر خدا کا ایسا عذاب آیا کہ پوری پوری بستیاں اجڑ گئیں۔ ان اقوام نے جو گناہ کئے تھے ان سے کئی گنا زیادہ ہم کر رہے ہیں لیکن پھر بھی ہم پر عذاب مسلط نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ''یعنی اللہ ان پر عذاب نہ فرمائے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔ (کنزالایمان)

چوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے ظاہری پردہ کرنے کے باوجود اپنے مزار پُر انوار میں قیامت تک کے لئے تشریف فرما ہیں۔ لہٰذا آپ کے وجود بابرکت کے طفیل ہم پر اگلی امتوں کی طرح عام عذاب نہیں آتا۔ تاہم گناہوں کے باعث دنیا میں ذلت وخواری کے شکار ہیں۔ ہمارے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہمارا رزق تنگ ہوگیا ہے۔ آئے دن ہم پر

طرح طرح کے مصائب آتے رہتے ہیں اور اکثر اوقات ہم پر ظالم حکمراں مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم گناہ سے دور رہیں اور اگر شامت نفس کی وجہ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس گناہ کو ہلکا سمجھ کر اس پر اکڑیں نہیں۔ بلکہ گناہ کے صدور پر دل میں خوف اور افسوس کے جذبات پیدا کریں اور صدق دل سے اللہ اور رسول کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں۔ آئندہ کے لئے ان گناہوں سے اور ہر گناہ سے شدت سے اجتناب اختیار کر کے اپنی توبہ پہ ثابت قدم رہیں۔ یہی پیغام ملت اسلامیہ کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں دیا ہے۔

(25)

ترا وقت اور پڑے یوں دین پر وقت
نہ تو عاجز نہ تو غافل ہے یا غوث

حل لغت:

وقت: گھڑی، ساعت، دم، عرصہ، مدت، میعاد، تسلط، حکومت، حکمرانی، زمانہ، عہد، دور، جگ، موقع، وقفہ، ہنگامہ، فصل، رت، فرصت، مہلت، باری، نوبت، دفعہ، بار، حالت، گت، عمر، زندگی، حیات، موت کی گھڑی، مصیبت، وقت، دشواری۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۱۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۳)

عاجز: کمزور، بے بس، مجبور، لاچار، ناچار، جس سے کچھ نہ ہو سکے، مغلوب، تھکا ماندہ، غریب، مایوس، ناامید، مسکین۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۷ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۷)

غافل: غفلت کرنے والا، بے پرواہ، بے خبر۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۳)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''وقت'' ہے اس کا مطلب ''حکومت'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''وقت'' ہے اس کا مطلب ''مصیبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقائے

نعت پیران پیر، پیر دستگیر، غوث اعظم حضرت سید شاہ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ عالیہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کی موجودہ دور کی دشواریوں اور مصیبتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہیں اور آپ کے تصرف اور آپ کی توجہ کی درخواست کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ آپ کے وقت (حکومت وتسلط) میں دین پر وقت (مصیبت) پڑے؟ نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ آپ اپنے متوسلین اور معتقدین ومریدین کی نصرت وحمایت کرنے سے عاجز نہیں۔ اور نہ ہی آپ غافل (بےخبر) ہیں۔

اس شعر میں لفظ ''وقت'' دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''وقت'' ہے وہ حکومت، تسلط، حکمرانی وغیرہ کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''وقت'' ہے وہ مصیبت، دشواری دقت، وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''وقت'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بیان کرتے ہوئے بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ ''ترا وقت'' یعنی آپ کی حکومت ہے، آپ کا ہی زمانہ ہے، آپ کی حکمرانی کا دور دورہ اور تسلط ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم، مالک ومختار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل آپ کو وہ اختیار و تصرف عطا فرمایا ہے کہ روئے زمین پر آپ کی حکومت کا تسلط وغلبہ ہے۔ اور یہ بات شواہد و براہین میں حق اور ثابت ہے۔

امام اجل سیدی نورالدین ابوالحسن علی شطنوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب مستطاب ''بہجۃ الاسرار شریف'' میں بہ سند خود روایت فرماتے ہیں کہ امام اجل حضرت ابوالقاسم عمر ابن مسعود بزاز اور حضرت حفص عمر کیمانی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ سیدنا عبدالقادر

جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مجلس میں برملا زمین سے بلند کرۂ ہوا میں چلتے اور فرماتے کہ آفتاب طلوع نہیں کرتا یہاں تک کہ مجھ پر سلام کرے، جب نیا سال آتا ہے مجھے خبر دیتا ہے کہ جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ نیا مہینہ جب آتا ہے مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ نیا ہفتہ جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے، نیا دن جو آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو اس میں ہونے والا ہے۔ مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم! کہ تمام نیک اور بد مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور میری آنکھ لوح محفوظ پر لگی ہے یعنی لوح محفوظ میرے پیش نظر ہے۔ میں اللہ عزوجل کے علم اور مشاہدہ کے دریاؤں میں غوطہ زن ہوں میں تم سب پر حجت الٰہی ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور زمین میں حضور کا وارث ہوں۔

(الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۱۸ ☆ بہجۃ الاسرار اردو ترجمہ، ص ۵۲)

امام اجل ابوالحسن شطنوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالقاسم نے کہا کہ میں، ابوالسعود، ابوبکر حوض، شیخ ابوالخیر، بشر بن محفوظ بن غنیمہ، شیخ ابوحفص عمر کیمانی، شیخ ابوالعباس احمد اسکانی، شیخ سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ عبدالقادر جیلانی، ہم سب کے سب اپنے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں ۳۰/ جمادی الآخرہ ۵۶۰ھ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ہم کو وعظ سناتے تھے۔ تب ایک جوان خوبصورت آیا، شیخ کے پاس ایک طرف بیٹھ گیا اور کہنے لگا، اے ولی اللہ! تم کو سلام ہو، میں ماہ رجب ہوں، آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو خوشخبری سناؤں اور آپ کو خبر دوں کہ جو کچھ معاملات مجھ میں ہونے والے ہیں یہ مہینہ لوگوں پر بہتر ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ اس رجب کے مہینہ میں نیکی کے سوا لوگوں نے کسی قسم کی برائی نہ دیکھی۔ اور جب اتوار کا دن آیا اور رجب

کا مہینہ پورا گزر گیا تو ایک بدشکل شخص آیا اس وقت بھی ہم سب حضور سیدنا شیخ غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے آکر کہا کہ اے ولی اللہ! تم کو سلام ہو، میں شعبان کا مہینہ ہوں۔آیا ہوں تاکہ آپ کو خوشخبری سناؤں اور آپ کو وہ امور بتلاؤں جو مجھ میں ہونے والے ہیں۔بغداد میں بہت لوگ مریں گے، حجاز میں گرانی ہوگی، خراسان میں تلواریں چلیں گی، راوی کا کہنا ہے کہ سو ویسے ہی ہوا۔بغداد میں بڑی بیماری پڑی، اور خبر آئی کہ حجاز (عرب) میں بڑی گرانی ہے۔اور خراسان میں تلوار چلی ہے۔

(بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص۵۳)

شیخ ابوالحسن علی بن ہیتی روایت کرتے ہیں کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے مریدوں سے فرمایا کہ مجھ کو عراق سپرد کیا گیا۔ پھر ایک مدت بعد ان سے فرمایا کہ میں تم سے پہلے یہ کہتا تھا کہ مجھے عراق سپرد کیا گیا لیکن اب تمام روئے زمین سپرد کی گئی ہے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص۵۷)

اس قسم کے بے شمار واقعات منقول ہیں۔لیکن یہاں پر اختصار کو اختیار کر کے صرف تین روایات پر اکتفا کرتا ہوں جس کے مطالعہ سے حضرت رضا کے شعر کے جملے ''تیرا وقت'' کی وضاحت ذہن نشیں ہو جائے گی۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ:

''نہ تو عاجز ہے نہ تو غافل ہے یا غوث''، یعنی اے سرکار بغداد! آپ ہماری مدد کرنے سے نہ تو عاجز ہیں، اور نہ ہی آپ ہماری حالت سے بے خبر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل محبوب سبحانی کو بھی علم واختیارات سے نوازا تھا۔آپ کو اپنے متوسلین کے مستقبل کی حالت معلوم تھی، اور مستقبل میں پیش آنے والے مصائب کا آپ تدارک فرمادیتے تھے۔

حضرت شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر حریمی بغدادی روایت فرماتے ہیں کہ ابوالمظفر حسن بن نجم بن احمد بغدادی نام کا ایک تاجر حضرت شیخ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا کہ اے میرے سردار میں نے ملک شام کی طرف تجارت کی غرض سے تیاری کی ہے۔اور قافلہ روانہ ہونے کو تیار ہے، میرے ساتھ سات سو دینار کا مال ہے۔حضرت شیخ حماد نے اس تاجر سے فرمایا کہ اگر تم اس سال سفر کرو گے تو قتل کئے جاؤ گے۔اور تمہارا مال چھین لیا جائے گا۔شیخ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے مذکورہ بات سن کر وہ تاجران کے پاس سے غمزدہ ہو کر نکلا، اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملا، ان دنوں حضرت ابھی جوان تھے۔اس تاجر نے شیخ حماد کی بات بیان کی۔حضرت غوث اعظم نے اس تاجر سے فرمایا کہ تم سفر کرو تم صحیح جاؤ گے اور مال لے کر خیریت سے واپس آؤ گے۔اس کا ضمان مجھ پر ہے۔یعنی میں اس کی ضمانت لیتا ہوں۔

وہ تاجر سفر کر کے ملک شام گیا۔اور اپنا مال جو سات سو کا تھا اسے ایک ہزار دینار میں فروخت کیا۔ایک دن حلب کے سقایہ میں انسانی ضرورت کے لئے گیا۔ ہزار دینار سقایہ کے طاق میں رکھ کر بھول گیا۔اور باہر نکل کر اپنی قیام گاہ پر آکر سو گیا۔خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ قافلے میں ہے اور اس قافلے کو ڈاکوؤں نے آگھیرا ہے۔اور قافلے کو لوٹ لیا۔اور تمام اہل قافلہ کو قتل کر دیا۔ایک ڈاکو نے آکر اس کو حربہ مار کر قتل کر دیا۔یہ خواب دیکھ کر وہ تاجر گھبرا کر نیند سے اٹھ کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ خون کا اثر اس کی گردن پر موجود ہے۔اور حربہ کی مار کا درد بھی محسوس ہو رہا ہے۔اسی اثنا میں اس کو اپنا مال یاد آیا۔گھبراہٹ میں جلدی جلدی جا کر سقایہ میں دیکھا تو اس کا مال ہزار دینار وہیں پڑا ہوا تھا۔اس کو لے لیا اور بغداد کی طرف واپس روانہ ہو گیا۔جب بغداد پہنچا تو دل میں کہنے لگا کہ اگر میں پہلے حضرت شیخ حماد کی خدمت میں جاؤں تو مناسب ہے کیوں کہ وہ ضعیف العمر بزرگ ہیں۔اور اگر شیخ عبدالقادر کی خدمت میں جاؤں

تب بھی مناسب ہے کیوں کہ ان کی بات سچی ثابت ہوئی ہے۔ وہ اسی سوچ وفکر میں تھا کہ اتفاق سے شیخ حماد اس کو سلطانی بازار میں مل گئے اور کہنے لگے کہ اے ابوالمظفر ! پہلے شیخ عبدالقادر کی خدمت میں جا، کیوں کہ وہ خدا کے محبوب ولی ہیں۔ انھوں نے تیرے حق میں خدا تعالیٰ سے سترہ دفعہ دعا مانگی ہے۔ حتی کہ خدا تعالیٰ نے تیرے حق میں قتل بیداری میں لکھا تھا۔ اس کو خواب میں کردیا۔ اور تیرے مال کا لٹنا اور فقیر ہونا لکھا تھا اس کو نسیان میں کردیا۔ جب وہ تاجر حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو بتانے سے پہلے ہی فرمایا کہ تم سے شیخ حماد نے کہا ہے کہ میں نے تمہارے لئے سترہ دفعہ خدا کی جناب میں دعا مانگی ہے۔ مجھے معبود کی عزت کی قسم ہے میں تمہارے حق میں سترہ در سترہ سے لے کر ستر مرتبہ تک دعا مانگی ہے۔ حتی کہ جو قتل تیرے لئے عالم بیداری میں لکھا تھا وہ خواب میں کردیا۔ اور جو مال کا لٹنا لکھا تھا وہ نسیان اور بھول میں کردیا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص۴۷)

اس ایک واقعہ میں حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سارے اختیارات وتصرفات کا ثبوت ملتا ہے۔ اور آپ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت سارے معجزات کا بشکل کرامات اعادہ ہورہا ہے۔ مثلاً: علم غیب، دل کی بات پر مطلع ہونا، اعانت وامداد کرنا، فریادرسی، مستجاب الدعوات ہونا، تقرب عنداللہ وغیرہ وغیرہ۔ اور انہیں تمام امور کو حضرت رضا بریلوی پیش نظر رکھتے ہوئے بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ ''نہ تو عاجز ہے نہ تو غافل ہے یا غوث'' اور آپ سے استغاثہ کرتے ہیں کہ ''پڑے دین پر وقت''، یعنی ملت اسلامیہ موجودہ دور میں مشکلات ومصائب میں پھنسی ہوئی ہے، اور ہر دور میں آپ کی حکومت کا سکہ رائج ہے لہٰذا ہماری استعانت وامداد فرمائیے۔

(26)

صدقہ میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

حل لغت:

بن: جنگل، بیلا، بیابان، صحرا، میدان، ریگستان، کپاس کا پودا، باڑی، وہ مقام جہاں پر کثرت سے درخت ہوں۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۵)

غنچہ: پھول کی کلی، شگوفہ، کلی، گل ناشگفتہ۔
(فیروز اللغات، ص۹۱۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۲۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۵)

ایما: اشارہ، اشارہ کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۵۰ ☆ لغات کشوری، ص۵۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۹)

بن: مصدر کا صیغۂ امر، بننا۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۵)

بننا: درست ہونا، آراستہ ہونا، تعمیر ہونا، گڑھا جانا، تہذیب سیکھنا، ایجاد ہونا، حاصل ہونا، دولت مند ہونا، خفیف ہونا، احمق بننا، بناؤ سنگار کرنا، بننا ٹھننا، مشکل پیش آنا۔
(فیروز اللغات، ص۲۲۰)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''بن'' ہے اس کا مطلب ''جنگل'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بن'' ہے اس کا مطلب ''ہوجا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و

مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت و برکت کی مدح وثنا کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کی ذات مقدسہ کا صدقہ اور آپ کے فیض وکرم کا طفیل ہے کہ باغ تو کیا بلکہ جنگل میں (بن میں) بھی پھول کھل رہے ہیں تو جب آپ کے لطف وکرم سے ویران جنگل بھی گلشن ہوجاتے ہیں تو اپنے اس غلام پر نظر کرم فرمادیں اور اس کے دل کی کلی کو اشارہ فرمادیں کہ وہ بھی کلی سے شاداب پھول بن جائے۔ اس شعر میں لفظ ''بن'' دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلے مصرع میں جو لفظ ''بن'' ہے اس کا معنی بیابان، جنگل وغیرہ ہیں۔ اور دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بن'' ہے وہ بننا، آراستہ ہونا وغیرہ کے معنی میں ہے۔ پہلا لفظ ''بن'' اسم ہے اور دوسرا لفظ ''بن مصدر کا صیغۂ امر ہے۔ دونوں لفظ ''بن'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

عام طور سے پھول باغ میں ہی کھلتے ہیں، کیوں کہ باغ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں متفرق اقسام کے کثیر تعداد میں پھول اگتے ہیں۔ اسی لئے باغ کو گلزار یا پھلواری بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں ایک خاص اہتمام سے پھول لگائے جاتے ہیں۔ اور باغبانی کی جاتی ہے۔ جنگل اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کثرت سے درخت ہوں لیکن ان درختوں کو کسی خاص اہتمام سے نہیں اگائے جاتے۔ بلکہ قدرتی طور پر اگ جاتے ہیں۔ باغ میں تو پھولوں کی کیاری ہوتی ہے، قطار میں اہتمام سے پودے لگائے جاتے ہیں۔ ان پودوں کو کھاد، پانی وغیرہ دیا جاتا ہے۔ منظّم باغبانی کی جاتی ہے، لیکن جنگل یا صحرا میں ان تمام امور کا فقدان ہوتا ہے۔ لہٰذا جنگل میں پھول نہیں کھلتے، اور جو پھول کھلتا بھی ہے تو اسے جنگلی پھول کہا جاتا ہے۔ جو رنگ وروپ اور خوشبو، اور مہک میں باغ میں کھلے ہوئے پھول کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جنگل میں زیادہ تر پیڑ ودرخت ہی اگتے ہیں، پھول کے کھلنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ

الرحمۃ والرضوان اس شعر میں یہی فرمارہے ہیں حالاں کہ بن (جنگل) میں پھول کھلنے کا امکان کم ہے، لیکن یارسول اللہ! آپ کے صدقے میں، آپ کے طفیل میں اور آپ کی نگاہ کرم کی توجہ سے باغ تو کیا بلکہ صحرا اور بیابان میں بھی شاداب پھول کھلتے ہیں۔ جب خاردار بن میں خوشبو سے معطر، حسین رنگین اور نازک پھول کھل سکتے ہیں تو اے میرے آقا! میرا دل جو گل ناشگفتہ ہے اس پر نگاہ کرم فرما کر اشارہ کردیں تا کہ میرا مرجھایا ہوا دل بھی پھول کی طرح کھل جائے۔

بن (جنگل) میں پھول کھلنا بظاہر مشکل ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعجاز میں ہر مشکل امر کو آسان فرمادیتا ہے۔ جنگل میں پھول کھلنا تو درکنار بلکہ ویران جزیرے میں اللہ تبارک وتعالیٰ گلاب کے پھول کھلا دیتا ہے۔ اور اس پھول پر بخط قدرت اپنا اور اپنے محبوب کا اسم تحریر فرمادیتا ہے۔ جنگل تو سطح زمین پر ہوتا ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز میں عالم سفلیات یعنی زمین کے نیچے بھی اپنے محبوب کے اسم شریف کی دلالت رکھی ہے۔

علامہ قاضی عیاض قدس سرہٗ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک قدیم اور پرانے پتھر پر ''مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُصلِحٌ اَمِیْنٌ'' لکھا پایا گیا۔

ابن ظفر نے کتاب ''السیر'' میں معمر ازہری سے ذکر کیا ہے کہ ایک پتھر پر عبرانی خط میں لکھا ہوا پایا گیا کہ ''بِاسمِکَ اللّٰھُمَّ جَاءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُبِیْنٍ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَتَبَہٗ مُوْسٰی بْنُ عِمْرَانَ''

خراسان کے ایک شہر میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ایک بچہ پیدا ہوا جس کے ایک پہلو پر ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' لکھا ہوا ہے، اور بلاد ہند میں ایک پھول کی پتی ہے جس پر بخط سفید کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔

(تینوں روایات منقول از مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۱)

ابن عساکر اور ابن نجار نے اپنی تاریخوں میں ابوالحسن بن عبداللہ ہاشمی سے روایت کیا کہ میں بلاد ہند گیا، تو میں نے ایک گاؤں میں سیاہ رنگ کے پھول کا ایک درخت دیکھا، وہ سیاہ پھول نہایت پاکیزہ خوشبو والا تھا۔ اس پھول کی سیاہ پتیوں پر سفید حروف سے ''لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ، اَبُوْبَکْرِ اَلصِّدِّیْقُ، عُمَرُ الْفَارُوْقُ '' لکھا ہوا تھا۔ مجھے شبہ ہوا اور میں نے گمان کیا کہ شاید یہ پھول مصنوعی ہیں۔ اس کے بعد میری نظر دیگر کلی پر گئی میں نے ہاتھ سے اسے کھولا تو دیکھا کہ اس میں بھی ویسا ہی لکھا ہوا تھا۔ اس بستی میں میں نے ایسے پھول بکثرت دیکھے۔ حالاں کہ اس بستی کے باشندے بت پرست تھے اور وہ اللہ عزوجل کو جانتے بھی نہیں تھے۔ (خصائص کبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۱)

علامہ ابن مرزوق، عبداللہ بن صوحان سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے بیان کیا ہے کہ ہم بحر ہند میں سفر کر رہے تھے کہ ہم پر تیز ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں، تو ہم نے اپنی کشتی ایک جزیرے میں لنگر انداز کر دی، وہاں ہم نے گلاب کا پھول دیکھا، جس کی تیز بھینی بھینی خوشبو تھی، اس پر بہ خط سفید'' لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ '' لکھا ہوا تھا۔ اور ایک سفید پھول دیکھا جس پر بخط زرد یہ لکھا ہوا دیکھا کہ ''بَرَاءَ ۃٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِلٰی جَنَّاتِ النَّعِیْمِ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ''

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۲)

تاریخ ابن الغریم بن علی بن موسیٰ ہاشمی شرقی سے منقول ہے کہ ہند کے دیہات میں تیز خوشبو کا ایک بڑا پھول پایا گیا، جس پر سفید حروف سے ''لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ، اَبُوْبَکْرِ اَلصِّدِّیْقُ، عُمَرُ الْفَارُوْق '' لکھا ہوا تھا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۲)

ابن ظفر بن سیاف کی کتاب ''بطن مفہوم'' میں منقول ہے کہ انھوں نے ایک بڑے درخت کو دیکھا، جس کے پتے بڑے اور خوشبودار تھے اور ہر پتہ پر پیدائشی طور پر سرخی اور سفیدی سے خوب روشن اور واضح خط میں قدرت الٰہی سے تین سطریں لکھی تھیں۔ پہلی سطر میں ''لَااِلٰـہَ

اِلَّا اللّٰہُ '' دوسری سطر میں ''مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ '' اور تیسری سطر میں ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام '' لکھا ہوا تھا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۳)

ابوالبقائن صافی اپنی کتاب ''منسک'' میں ابوعبداللہ بن مالک سے بیان کرتے ہیں کہ میں بلاد ہند گیا، اور میں نے ایک شہر کی سیر کی جسے نمیلہ بنوں، یا تمیلہ بتا کہتے ہیں، وہاں میں نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پھل بادام کے مانند ہیں، اور اس کا چھلکا ہے یعنی پھل پر پوست ہے۔ پھر جب پھل کو توڑا گیا، اور اس میں سے گدی (مغز) نکالی گئی اور چیرا گیا تو، بیچ میں ایک سبز پتہ نکلا جس پر سرخ حروف سے یہ لکھا ہوا تھا ''لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ '' اہل ہند اس سے برکت حاصل کرتے ہیں، اور اس کے ذریعہ خشک سالی میں بارش مانگتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۲)

روضۃ الریاحین میں علامہ یافعی نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو یہ بات ابو یعقوب صیاد نے سنائی کہ میں نہر ابلہ میں شکار کر رہا تھا تو میں نے ایک ایسی مچھلی پکڑی جس کے داہنے پہلو پر ''لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ '' اور بائیں پہلو پر'' مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ '' لکھا ہوا ہے، جب میں نے یہ دیکھا تو تعظیم واحترام کے خاطر پانی ہی میں اسے دفن کر دیا۔ (ایضاً)

۸۰۹ھ میں انگور کا ایک دانہ پایا گیا، جس پر بخط ظاہر برنگ سیاہ ''محمد '' لکھا ہوا تھا، قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں ابن مرزوق سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ مچھلی لائی گئی جس کے ایک کان کی جلد پر ''لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ '' اور دوسری جلد پر'' مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ '' لکھا ہوا تھا۔ (ایضاً)

منقول ہے ایک جماعت نے زرد رنگ کا خربوزہ پایا، جس پر سفید لکیریں تھیں، اور ہر لکیر پر عربی میں ایک جانب ''اللہ '' اور دوسری جانب ''احمد '' خوب واضح لکھا ہوا تھا، جس میں کوئی عقلمند تحریر شناس شک نہیں کر سکتا ہے۔

درخت اور درخت کے پھول و پھل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر حکم واطاعت تھے۔

عہد رسالت کا ایک واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر ابوالہیثم بن اللتیہان کے گھر تشریف لے گئے، ابوالہیثم نے حضور کو مرحبا کہا اور عرض کیا کہ میری دلی خواہش تھی کہ حضور اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لائیں، میرے پاس جو چیز تھی، وہ سب ہمسایوں کو بانٹ دی ہے، حضور نے فرمایا، بہت اچھا کیا، مجھے جبرئیل علیہ السلام نے ہمسایہ کے اتنے حقوق بتائے ہیں کہ مجھے ڈر تھا کہ ہمسایہ وراثت کا حقدار تو نہیں ہو جائے گا، پھر آپ نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا ابوالہیثم کے گھر میں کونے میں ایک کھجور کا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو ہم چند کھجوریں کھالیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ مدت ہوئی اس درخت پر کبھی پھل نہیں آیا، اب آپ کو اختیار ہے، حضور نے فرمایا کہ اللہ خیر و برکت دے گا، پھر حضور اقدس نے حضرت علی کو حکم دیا کہ ایک پانی کا پیالہ لائیں، جب پانی آیا تو آپ نے تھوڑا سا پانی کلی کر کے اس درخت پر ڈالا اسی وقت اس درخت پر کھجور کے خوشے لٹکنے لگے۔ اور ان میں بعض بڑی بڑی کھجوریں تھیں، ان بڑی بڑی کھجوروں کے متعلق آپ نے فرمایا یہ باغ جنت کی کھجوریں ہیں، جو تمہیں قیامت کے دن ملیں گی۔ (شواہد النبوۃ، از: علامہ نورالدین عبدالرحمٰن جامی، اردو، ص ۲۰۷)

(27)

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

حل لغت:

جود: بخشش، سخاوت، فراخ دلی، کرم۔
(فیروز اللغات، ص ۴۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۳ ☆ کریم اللغات، ص ۵۰)

کرم: بزرگی، ہمت، جواں مردی، بخشش، دان پن، عنایت، مہربانی، عزیزی۔
(فیروز اللغات، ص ۱۰۰۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۹)

شہ: شاہ کا مخفف، یعنی بادشاہ، دولہا، بڑا، اعلیٰ، حمایت، ترغیب، بہکانا، اشتعال، رد، ڈھیلی۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۰ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۰)

بطحا: فراخ اور کشادہ زمین، مراد مکہ معظّمہ۔
(فیروز اللغات، ص ۲۰۵ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۰)

نہیں: کلمۂ نفی، انکار، حرف شرط، ورنہ، وگرنہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۹۰)

واہ: کلمۂ تحسین وآفریں، ماشاءاللہ، سبحان اللہ، آفرین، شاباش، مرحبا، کیا بات ہے، بے شک، کیسے، کیوں، ہائے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۹)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''انکار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کرتے ہیں کہ:

سبحان اللہ! اے شہ بطحا یعنی کہ اے مکہ معظّمہ کے بادشاہ! آپ کی سخاوت اور بخشش کا کیا کہنا! آپ کے دربار سخاوت کی ممتاز شان یہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں سوال کرنے والے کو کبھی بھی اس کے سوال کے جواب میں ''نہیں'' سننے کا سابقہ ہی نہیں پڑتا، بلکہ مانگنے والے کا سوال ضرور پورا ہوتا ہے۔ یہ دربار دنیا کے عام بادشاہوں کے دربار کے مثل نہیں، بلکہ مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ یہ دربار تو شہنشاہ یعنی کہ بادشاہوں کے بھی بادشاہ کا دربار ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کے دربار میں ہر کسی کا سوال پورا نہیں ہوتا۔ کسی کا پورا ہوتا ہے اور کسی کا رد ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس شہنشاہ کا دربار ہے کہ جہاں ہر ایک کا دامن گوہر مراد سے بھرتا ہے۔ کسی کو بھی خالی ہاتھ یا مایوس لوٹایا نہیں جاتا۔ یہاں کسی کو بھی ''نہیں'' کہہ کر بے مراد واپس نہیں کیا جاتا۔ یہاں تو صرف ہاں ہی ہاں ہے۔ مانگو، جو جی میں آئے وہ مانگو، تمہارا ہر سوال پورا کیا جائے گا۔ یہاں کسی کو بھی نہیں کہہ کر بے مراد واپس نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا کسی کے سوال کے جواب میں نہ، نا، نہیں، کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چاہے دنیا کی چیز مانگو، چاہے عقبیٰ کی مانگو، سخی داتا کے دربار میں تمہاری مانگ کو شرف قبولیت سے ضرور نوازا جائے گا۔ کیوں کہ یہ محبوب رب العالمین اور خالق کل کے حبیب کا دربار ہے۔ خالق کل نے اپنے حبیب کو مالک کل بنایا ہے۔

بخاری شریف میں محبوبۂ محبوب رب العالمین ام المومنین، سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ''وَمَا سُئِلَ عَنْ شَیْءٍ فَقَالَ لَا'' یعنی جب بھی آپ سے سوال ہوا تو آپ نے ''نہیں'' نہیں فرمایا۔ کتب احادیث سے بکثرت واقعات شہادت دے

رہے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے کوئی بھی سائل نامراد اور محروم نہیں لوٹا، سب کا سوال اس دربار عالی سے پورا ہوا۔ بحرین سے آئے ہوئے مال غنیمت میں تقریباً ایک لاکھ درہم تھے جو علاء بن الحضرمی نے بحرین سے خراج میں بھیجا تھا۔ وہ تمام آپ نے ایک ہی نشست میں تقسیم فرمادیا۔ تفصیل کے لیے بخاری شریف، کتاب الجہاد، ملاحظہ ہو۔ اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ عنایت فرمائے۔ جامع ترمذی میں بہ روایت حضرت سعید بن مسیّب، آپ نے صفوان بن امیہ کو اتنا دیا کہ وہ مالا مال ہوگئے۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس میں ہے کہ حاکم فدک نے کپڑے اور غلے سے لدے ہوئے چار اونٹ خدمت اقدس میں بھیجے۔ آپ نے فوراً تقسیم فرمادیا۔ اسی طرح حضرت جابر، حضرت ربیعہ بن کعب اور دیگر صحابۂ کرام کے سوالوں کو بھی فراخ دلی سے پورا فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت اور جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کیا وہ بھی شرف قبولیت سے نوازا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا قوت حافظہ نہایت ہی کمزور تھا۔ میں نے بارگاہ رسالت میں اس کی شکایت کی، حضور نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی چادر بچھاؤ۔ میں نے اپنی چادر بچھائی تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ اب چادر کو سمیٹ لو۔ میں نے چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ ''فَمَا نَسِیْتُ حَدِیْثًا بَعْدَہٗ'' پھر میں کوئی حدیث نہیں بھولا۔

(بخاری شریف، جلد ا، ص ۲۲ ☆ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۴۳۶)

ذرا غور کرو اور سوچو! قوت حافظہ عطا کرنا کیا دنیا کے کسی بھی بادشاہ کے اختیار میں ہے؟ دنیوی بادشاہ، حکمراں اور امراء بہت بہت تو مال، دولت، زمین وغیرہ اشیاء دے کر سوال پورا کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی کو قوت حافظہ کی دولت عطا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ لیکن اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کسی بھی چیز کی کمی نہیں، یہاں تو مانگنے کا حوصلہ

چاہیئے ۔ مانگو اور پاؤ۔ اس دربار عالی میں مانگنے والے کو ''نہیں'' سننے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔

اس شعر میں حضرت رضا نے جود اور کرم دو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، دونوں الفاظ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے طور پر ذکر کئے ہیں، دونوں لفظوں کے لغوی معنی میں بہت فرق نہیں، بلکہ قریب قریب ہم معنی ہیں لیکن دونوں کے اصطلاحی معنی میں بہت فرق ہے۔

علمائے ملت اسلامیہ کی تشریح کے مطابق ''اَلْجُوْدُ مَا کَانَ بِلَا سُوَالٍ وَالْکَرَمُ بِسُوَالٍ ''یعنی جود وہ ہے جو بغیر مانگے عطا ہو۔ اور کرم وہ ہے جو مانگنے پر ملے۔ اور یہ دونوں صفتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم واکمل تھیں۔ مانگنے والے کو تو عطا فرماتے ہی تھے، لیکن نہ مانگنے والے کو بھی اپنے دریائے جود سے انمول خزانے عطا فرماتے تھے۔ حضرت رضا علیہ الرحمۃ نے پہلے مصرع میں جود اور کرم دونوں لفظوں کا استعمال کر کے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں اوصاف جلیلہ بیان فرما دیئے ہیں۔

(28)

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب

حل لغت:

دام: جال، پھندا، مول، فریب، دھوکہ، نرخ، بھاؤ، نقدی، رقم، دولت، روپیہ، گھاس کھانے والے چوپائے۔

(فیروز اللغات، ص ۶۰۹ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۶۹)

بے دام: بے قیمت، مفت۔ (فیروز اللغات، ص ۲۴۶)

بے دام کا غلام: مفت کا نوکر، فرماں بردار، بے حد مطیع۔ (فیروز اللغات، ص ۲۴۶)

بندہ: غلام، نوکر، ملازم، نیازمند، خاکسار، انسان، بشر، آدمی، عابد، زاہد، تابعدار، سر جھکا دینے والا، حکم ماننے ولا، داس۔

(فیروز اللغات، ص ۲۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

رئیسان: جمع ہے رئیس کی، امیر لوگ، سردار لوگ، دولت مند لوگ۔ (فیروز اللغات، ص ۷۳۲)

عجم: گونگا، عرب کے سواء ملک، چھوہارے، انگور، اور ہر چیز کی گٹھلی اور تخم یعنی بیج۔

(فیروز اللغات، ص ۸۹۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۸۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۸)

ہزاران: جمع ہزار کی، ہزاروں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۴۰)

بندی: قیدی، اسیر، گرفتار۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''بے دام'' ہے اس کا مطلب ''بے قیمت'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بے دام'' ہے اس کا مطلب ''بے جال'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قاہر سلطنت و عالمگیر حکومت کا تذکرہ کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں: کہ یارسول اللہ! آپ کی سلطنت کا رعب اور آپ کی حکومت کا دبدبہ عالمگیر پیمانے پر اس طرح مسلط ہے کہ عجم یعنی ملک عرب کے سوا تمام ملک کے رؤوسا اور بادشاہ آپ کے دربار کے بے دام یعنی بے قیمت کے بندے یعنی غلام ہیں۔ اور ملک عرب کے ہزاروں سورما، رؤوسا اور بادشاہ اور بہادر آپ کے در کے بے دام یعنی بے جال کے بندے یعنی قیدی ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''بے دام'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں لفظ بے دام حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی و مطلب الگ ہیں لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے قوانین سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''بے دام'' ہے اس کا مطلب بے قیمت، یعنی مفت ہے، اور مصرع ثانی میں جو لفظ بے دام ہے اس کا مطلب بے جال ہے۔ یعنی غیر مقید اور آزاد۔ اسی طرح مصرع اول میں لفظ ''بندے'' سے مراد غلام ہے۔ اور یہ لفظ بندے لفظ بندہ کی جمع کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن مصرع ثانی میں جو لفظ بندی ہے، وہ لفظ بندی یعنی ''قیدی'' سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں بہت سے قیدی یا اسیر۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے زمانہ اقدس کے بہت سارے واقعات کو حسن اسلوبی کے ساتھ بیان کر کے کوزے میں سمندر کو سمو دیا ہے۔ پہلے مصرع میں آپ فرماتے ہیں کہ ''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم''، یعنی عجم کے بڑے بڑے رؤوساء، امراء اور سلاطین آپ کے بندے

یعنی غلام ہیں۔ بندے کے معنی غلام، نوکر، ملازم، خدمتگار، خاکسار، مطیع، فرمانبردار، وغیرہ ہوتے ہیں۔

لفظ بندہ کی تفصیلی بحث شعر نمبر 90 ''میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا'' کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت رضا نے رئیسان عجم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے دام غلام کہا ہے۔ بے دام کا غلام یعنی مفت کا نوکر۔ حالاں کہ عموماً نوکر یا ملازم مفت میں نہیں ملتے بلکہ اجرت یا تنخواہ پر ہی ملتے ہیں۔ نوکر یا ملازم کو اس کے کام کے اعتبار سے مناسب اجرت یا تنخواہ دی جاتی ہے، اور یہ اجرت یا تنخواہ عوض ہوتی ہے خدمت گزاری اور وفاداری کی۔ حالاں کہ ملازمت یا نوکری بھی ایک قسم کی غلامی ہی ہے۔ فطری طور پر ہر انسان غلامی کے بجائے آزادی پسند کرتا ہے۔ لیکن حالات کے پیش نظر آدمی مجبوراً کسی کی نوکری یا ملازمت کرتا ہے۔ نوکری میں نوکر کو ہر معاملے میں اپنے آقا یعنی اپنے سیٹھ کا تابع ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی امر نوکر کی نظر میں اچھا نہیں ہوتا لیکن سیٹھ صاحب کے حکم کی وجہ سے مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ مجبوری اس کی مالی ضرورت ہے۔ جو تنخواہ کے طور پر پاتا ہے۔ اگر نوکر سیٹھ کے حکم کی خلاف ورزی کرے تو اسے نمک حرام اور غدار کہہ کر نوکری سے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ یہ اصول ہر نوکر جانتا ہے لہٰذا وہ بادل ناخواستہ بھی سیٹھ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ آقا کے حکم کے سامنے نوکر کو چوں و چرا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ یہ تو ہوئی دنیوی آقاؤں اور دنیوی غلاموں کی بات۔ لیکن دنیا کے تمام آقاؤں، بلکہ پوری کائنات کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز و کمال کی شان نرالی ہے۔ ان کے غلام رئیسان عجم ہیں، جو کسی مالی ضروریات کے پیش نظر غلامی اختیار نہیں کرتے، بلکہ اپنا تمام مال و مملکت بلکہ اپنی سلطنت و بادشاہت کو بھی آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دینے میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ یہاں اتنی

گنجائش نہیں کہ ان تمام رئیسان عجم کا تذکرہ بالتفصیل کیا جائے، لیکن چند اہم رئیسان عجم کا اختصار کے ساتھ اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) شاہ حبشہ نجاشی جس کا نام اصحمہ بن الحر تھا، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق و دیوانہ ہو گیا تھا۔ اور وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا۔ اور اسلام لایا، کلمۂ شہادت اپنی زبان پر جاری کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو خود چل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شرف حضوری سے بہرہ مند ہوتا۔ اس نے بارگاہ رسالت میں اپنے بیٹے ارحی بن اصحمہ کو اس مفہوم کا خط دے کر بھیجا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے راست گو رسول ہیں اور گزشتہ نبیوں نے اور پچھلی کتابوں نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ میں آپ کے چچا کے صاحبزادے کے واسطے سے آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرتا ہوں۔ والحمدللہ رب العالمین۔ میں آپ کی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے ارحی بن اصحمہ کو حاضر کرتا ہوں۔ اے خدا کے رسول اگر آپ حکم فرمائیں تو میں بھی آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو جاؤں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ حق وصدق ہے۔ والسلام علیکم یا رسول اللہ''

۹ھ میں شاہ حبشہ نجاشی کی رحلت ہوئی۔

(مدارج النبوہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۳۷۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن نجاشی بادشاہ نے وفات پائی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی مرد صالح اصحمہ نے وفات پائی۔ اٹھو اور نماز جنازہ پڑھو، اور اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔ اس کے بعد ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نماز جنازہ ادا کی گئی۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۶۳۷)

نوٹ:

احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، نجاشی بادشاہ کی نعش اگر چہ ملک حبشہ میں تھی لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے وہ غائب نہیں تھی، بلکہ آپ اپنے عاشق کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نجاشی کی نعش کو حضور کے سامنے لے آئے تھے۔ علامہ واقدی رضی اللہ عنہ اپنی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے نجاشی کے جنازہ کو پیش نظر کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے ملاحظہ فرما کر نماز پڑھی اور مقتدیوں یعنی جماعت والوں کے لئے جنازہ دیکھنا شرط نہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کی قبر سے ہمیشہ نور کی شعاعیں نکلتی دیکھی گئیں۔ (شواہد النبوۃ، از: علامہ نورالدین جامی، اردو، ص ۱۹۱)

(۲) ہرقل، شاہ روم کے اسلام لانے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنے قوم کے ڈر کی وجہ سے اپنا اسلام لانا ظاہر نہ کرتا تھا، بلکہ خفیہ طور پر ایمان لایا تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) تاہم شاہ روم ہرقل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ تھا۔ اور اس نے حضور کی تعظیم و توقیر بجالانے میں کمال عقیدت کا اظہار کیا تھا۔

(۳) کسریٰ شاہ فارس، جس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ جب اس کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی (مبارک خط) پہنچا تو اس نے گستاخانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے مکتوب گرامی کو پارہ پارہ کر دیا۔ بعدہ اس نے اپنے یمن کے حاکم باذان کو حکم نامہ لکھا کہ ایسا سنا گیا ہے کہ ایک شخص ملک عرب حجاز میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ دو بھروسہ مند شخص کو اپنی طرف سے بھیجو۔ تاکہ انہیں گرفتار کر کے باندھ کر میرے سامنے

لے آئیں۔ پرویز کی طرف سے یہ حکم سنتے ہی حاکم یمن باذان نے باتو یہ اورخرخرہ نام کے دوشخصوں کوحضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا، کہ ان شخصوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس پہنچو۔اس نے تم کو بلایا ہے۔ باتو یہ اورخرخرہ حضور کی خدمت میں مدینہ آئے۔ حضور کوصورت حال سے آگاہ کیا۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں قاصدوں سے فرمایا کہ باذان کوخبر کردو کہ میرے پروردگار نے تیرے پروردگار کسریٰ کو قتل کردیا ہے۔''سات گھنٹہ پہلے رات کا وقت تھا کہ پرویز کواس کے بیٹے''شیرویہ'' نے اس کا پیٹ چاک کرکے ہلاک کردیا۔ یہ ۱۰؍جمادی الآخرہ ۷ھ کی رات تھی۔ یہ دونوں قاصد مدینہ شریف سے روانہ ہوکر یمن پہنچے۔اور حاکم یمن باذان کواس بات کی خبر دی۔اسی دوران پرویز کے بیٹے شیرویہ کا خط باذان کو پہنچا۔جس کا مضمون یہ تھا کہ کسریٰ فارس بڑے بڑے لوگوں اور اعیان سلطنت کوبغیر جرم وخیانت کے مار ڈالتا تھا۔اور مملکت کی جماعت عظیمہ کے درمیان تفرقہ اندازی کرتا رہتا تھا۔اس بنا پر میں نے اسے قتل کردیا ہے۔ جب حاکم باذان نے یہ خط پڑھا تو کہا کہ بیشک حضور نبی مرسل اوررسول صادق ہیں۔ وہ اسلام میں داخل ہوا۔اور اہل یمن کے بہت لوگ مسلمان ہوگئے۔

(شواہد النبوۃ، اردو، ص۱۶۹ ☆ الخصائص الکبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو، جلد۲، ص۳۷
☆ مدارج النبوۃ، اردو، جلد۲، ص۳۸۶)

شیرویہ نے حاکم یمن باذان کوخط لکھا اس میں اس نے صاف تاکید کردی تھی کہ ''اس صاحب دولت سے'' کہ جنھوں نے زمین عرب وعجم میں دعوئے نبوت فرمایا ہے'' قطعاً تعرض نہ کرنا''۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد۲، ص۳۸۶)

(۴) مقوقس شاہ مصر اور اسکندریہ، حالاں کہ ایمان نہ لایا، لیکن اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت ہی ادب و

احترام کیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بہت سے تحائف بھیجے۔ حضور کے لئے ہزار مثقال سونا، نبہان کا شہد ایک دل دل حضور کی سواری کے لئے، ایک دراز گوش اور چار کنیزیں بھیجی تھیں۔ان چار کنیزوں میں ام المومنین حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ تھیں۔ جو ایمان لائیں اور انہیں حضور کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔جن کے بطن اطہر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ دوسری کنیز بہن ان کی شیرین تھیں، وہ بھی ایمان لائیں، اور حضور نے ان کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں دے دیا۔اور ان سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے۔ دل دل کوحضور نے اپنے تصرف میں رکھا۔ یہ دل دل ایک سفید اونٹ تھا۔ جوحضور کے بعد حضرت علی اور حضرت علی کے بعد حضرت سیدنا امام حسن کی سواری کے کام میں آتا تھا۔ دراز گوش کہ جس کا نام عفیر یا یعفور تھا اس پرحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سواری فرماتے تھے۔اس دراز گوش کوحضور سے اتنی محبت تھی کہ حضور کے پردہ فرمانے کے بعد اس نے حضور کے غم وفراق میں ایک کنویں میں ڈوب کر اپنی جان دے دی۔

(مدارج النبوۃ، جلد۲، ص۳۸۸ ☆ شواہد النبوۃ، اردو، ص۱۶۷ ☆ خصائص کبریٰ، اردو، جلد۲، ص۴۳)

(۵) والیٔ عمان، فروت بن عمرو الجدامی، ایمان لایا۔اور بہت سے تحائف خدمت اقدس میں ارسال کئے۔ان کے اسلام لانے کی اطلاع قیصر کوملی تو اس نے فروت بن عمرو کوعہدے سے معزول کردیا اور قید میں ڈال دیا۔لیکن حضرت فروت اسلام پر اس سختی سے کاربند رہے کہ زنداں (جیل) ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ (شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص۱۶۷)

مذکورہ رئیسان عجم کے علاوہ بہت سے ممالک کے سلاطین، حاکم اور بادشاہوں کے حالات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی ''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم''۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رعب ودبدبہ کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے آپ کو ان کا غلام کہتے تھے۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''تیرے بے دام کے بندے ہیں ہزاران عرب'' اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو ایک مرتبہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا دیدار کرلیتا تھا وہ حضور کا ایسا عاشق ہوجاتا تھا کہ اس کے نزدیک کائنات کی کوئی بھی چیز حضور سے بڑھ کر محبوب نہ تھی۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننہال جارہے تھے۔ راستہ میں بنوقیس نے اس قافلے کو لوٹا۔ اور حضرت زید کو غلام بنا کر مکہ کے بازار میں فروخت کردیا۔ حکیم بن حزام نے حضرت زید کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے خریدا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو حضرت خدیجہ نے حضرت زید کو حضور کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اور حضرت زید تب سے حضور کی خدمت اقدس میں رہنے لگے۔ ادھر حضرت زید کے والد کو حضرت زید کے فراق کا بہت صدمہ تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے فراق میں روتے تھے۔ اور اشعار کہا کرتے تھے۔ ان کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حضرت زید زندہ ہیں، یا انتقال کرگئے ہیں۔ اور اگر زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟ یہ بھی معلوم نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی وہ حضرت زید کو مسلسل تلاش کررہے تھے۔ اور اپنے رشتہ داروں کو بھی حضرت زید کی جستجو میں لگا رکھا تھا۔ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگ حج کو گئے۔ اور مکہ معظّمہ میں ان کو حضرت زید مل گئے۔ انھوں نے حضرت زید کو پہچان لیا۔ اور حضرت زید کو ان کے والد کا حال سنایا۔ ان کے شعر سنائے اور یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید نے اس قافلہ والوں کے ساتھ اپنے والد کو تین اشعار بھیجے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ میں مکہ معظّمہ میں خیریت سے ہوں۔ حضرت زید کے والد کو جب یہ پتہ چلا کہ حضرت زید مکہ معظّمہ میں ہیں تو حضرت زید کے والد اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی خاطر مکہ معظّمہ پہنچے۔ وہاں جاکر حضرت زید کا پتہ معلوم کیا، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے ہاشم کی اولاد! اور اپنی قوم کے سردار! تم

لوگ حرم کے رہنے والے ہو۔ اللہ کے گھر کعبہ کے پڑوسی ہو، تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہو، ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس آئے ہیں۔ ہم پر احسان وکرم فرمائیں۔ فدیہ کی رقم قبول کرو اور اس کو رہا کردو۔ بلکہ جو فدیہ ہو اس سے بھی زیادہ لے لو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بس اتنی سی بات ہے؟'' عرض کیا حضور بس یہی عرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ تمہارے ساتھ آنا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے۔ حضرت زید بلائے گئے۔ حضور نے فرمایا کہ اے زید کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ حضرت زید نے کہا جی ہاں۔ پہچانتا ہوں۔ یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے اگر میرے پاس رہنا چاہتے ہو تو میرے پاس رہو۔ اور اگر ان کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کے مقابلے میں بھلا کسی کو پسند کرسکتا ہوں؟ آپ ہی میرے لئے سب کچھ ہیں۔ حضرت زید کے والد نے کہا کہ اے بیٹے! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو؟ حضرت زید نے کہا کہ ہاں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی بات دیکھی ہے کہ جس کے مقابلے میں کسی چیز کو پسند نہیں کرتا۔ حضور نے جب یہ جواب سنا تو حضرت زید کو گود میں لے لیا۔ اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنالیا۔ حضرت زید کے والد اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور خوشی سے ان کو حضور کی خدمت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ (تاریخ خمیس) حضرت زید اس وقت بچے تھے۔ اور بچپن کی حالت میں سارے گھر بار، عزیز واقارب کو حضور کی غلامی پر قربان کردینا پسند فرمایا۔

صرف حضرت زید ہی نہیں بلکہ عرب کے بڑے بڑے بہادر، دانا، شجاع، جو ایک زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے۔ جب ان پر نگاہ مصطفیٰ پڑی تو بقول حضرت رضا بریلوی ''تیرے بے دام کے بندے'' یعنی بلا زنجیر وجال کے قیدی بن گئے۔ یعنی عشق رسول میں دیوانہ ہوکر ''اسیر مصطفیٰ'' بن کر اسلام کی مخلصانہ خدمات کرنے کے لئے اپنی جانیں پیش کیں۔ مثلاً: حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب، حضرت عباس بن

عبدالمطلب ،حضرت حمزہ بن عبدالمطلب وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ،ملک عرب کے بڑے بڑے قبائل شمع رسالت کے پروانے بن گئے ۔اوراپنی جاں نثاری کا ثبوت پیش کیا۔مثلاً: قبیلۂ بنی ثقیف، قبیلہ عبدالقیس ،قبیلہ دوس ،قبیلۂ بنی سلیم ،قبیلۂ طے، قبیلۂ حضرموت، قبیلۂ بنوالشعر، قبیلہ مزینہ ،قبیلۂ شیبان ،قبیلۂ عذرہ ،قبیلہ اہل جرش ،قبیلۂ بنی فزارہ ،قبیلۂ مرہ بن قیس ،قبیلۂ بنی دار، قبیلۂ تجیب ،قبیلۂ سلامان ،قبیلہ محارب ،ودیگرعرب کے اہم قبائل وارفتگی سے آپ کی غلامی کا پٹا اپنی گردن میں ڈال کر اپنا سب کچھ آپ کے قدموں پر قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعدرہتے تھے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی ہی جن کا مقصد حیات تھا۔اور جنہوں نے حضور کی ایذارسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ایسے سخت اور کٹر دشمنوں کی اولاد حضور کی محبت میں دیوانہ تھی۔مثلاً: عاص بن وائل کے فرزند حضرت عمرو بن عاص، ولید بن مغیرہ کے فرزند حضرت خالد بن الولید، عتبہ بن ربیعہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہ، ابولہب کے فرزند عتیبہ، ابی ابن سلول منافق کے فرزند جن کا نام بھی عبداللہ تھا۔ابوجہل کے فرزند حضرت عکرمہ وغیرہ ان تمام حضرات کی جاں نثاری اور خدمت اسلام کتب تاریخ وسیر میں سونے کے حروف سے منقش ہے اور ان حضرات کی سوانح حیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہے:

تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب

(29)

جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

حل لغت:

گدا: فقیر، بھکاری، منگتا، مانگنے والا۔
(فیروز اللغات، ص۱۰۸۴ ☆لغات کشوری، ص۶۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۳)

توڑا: کمی، قلت، نقصان، خسارا، ٹوٹا، اشرفیوں کی تھیلی یا روپیوں کی تھیلی، سونے یا چاندی کی زنجیر جو گلے میں پہنتے ہیں، سونے اور چاندی کی زنجیر جو پگڑی میں لپیٹتے ہیں، ہل کی لمبی لکڑی جس کے دونوں طرف بیل جوتتے ہیں، ریت کا جزیرہ جو سمندر میں بن جائے، بندوق داغنے کا فتیلہ، رسی کا ٹکڑا، ناچ میں گیت کا سلسلہ توڑ کر کوئی اور حرکت کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۳۹۰)

سرکار: حکومت، گورنمنٹ، آقا، مالک، سردار، شاہی دربار، عدالت، بارگاہ، بے تکلف معشوق ویار۔ (فیروز اللغات، ص۷۹۶)

پہلے مصرع میں جولفظ ''توڑا'' ہے اس کا مطلب ''روپیوں کی تھیلی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جولفظ ''توڑا'' ہے اس کا مطلب ''کمی اور قلت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آقا ومولیٰ جان عالم، قاسم نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں تقسیم ہونے والی نعمتوں اور

رحمتوں کا تذکرہ اوران کی مدح وثنا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ مرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جودربار ہےاس دربار کی شان یہ ہے کہ وہاں کا ہر گدا اور سوالی اپنا سوال پورا ہوتا پاتا ہے۔ ہر گدا نور کی بارگاہ سے نور کا توڑا (اشرفیوں یا روپیوں کی تھیلی) لئے ہوئے ہی جاتا ہے۔ یہاں کسی کو بھی محروم ونامراد واپس نہیں پھرایا جاتا۔ کیوں کہ یہ نور کی بارگاہ ہے کہ اس سرکار کے خزانے میں کبھی کمی وقلت نہیں آتی۔ پوری کائنات کے سوالی اپنے خالی دامن اور خالی جھولیاں پھیلائے اس بارگاہ میں آتے ہیں اور ہر ایک کا دامن گوہر مراد سے بھر دیا جاتا ہے۔لیکن اس کے باوجود بھی اس بارگاہ کے خزانے میں کوئی توڑا (کمی، قلت، یا نقصان) نہیں آتا۔لاکھوں کروڑوں، اربوں بلکہ بے شمار سوالی کیوں نہ ہوں۔ یہاں خزانہ ختم ہوجائے یا کم ہونے کے خوف سے کسی کو محروم نہیں رکھا جاتا۔ یہ نور کی سرکار کا نورانی خزانہ ہے۔ یہ وہی سرکار ہے جہاں سے اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں بٹتی ہیں۔اس شعر میں لفظ ''توڑا'' کا استعمال دومرتبہ کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جولفظ ''توڑا'' ہے اس سے مراد روپیوں کی تھیلی، یا حصہ ہے۔اور مصرع ثانی میں جولفظ ''توڑا'' ہے اس کے معنی نقصان، قلت، کمی، خسارا، ٹوٹا وغیرہ ہیں۔دونوں لفظ حروف اوراعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''جو گدا'' استعمال کر کے شعر کی معنویت میں اضافہ کردیا ہے۔لفظ ''جو'' کا گدا کے ساتھ اضافہ کرکے آپ نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دریائے جودوکرم کی فراوانی اور وسعت کا ذکر کیا ہے۔

لغت میں لفظ ''جو'' کے متعدد معنی ہیں۔ جو، جوشخص، جوبات، جوقدر، جیسا، جوکوئی، جو کچھ، جس وقت، جب کہ وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۴۷۶)

اب ان متفرق معنوں میں لفظ ''جو'' کے ساتھ ''گدا'' کی اضافت کر کے شعر کے معنی

کریں گے تو متعدد ہوں گے۔مثلاً:

جو شخص بھی اس دربار کا سوالی بن کر آئے۔
جو چیز اور جو بات کا اس دربار میں سوال کیا جائے۔
جو قدر یعنی جتنی بھی تعداد میں گدا آ کر سوال کریں۔
جیسا بھی سوالی ہو۔
جو بھی سوال ہو۔
جس وقت بھی سوالی آئے اور

جب بھی سوالی آئے تو اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون شخص ہے، کیا چیز مانگ رہا ہے، کیسا اور کون سا سوالی ہے، کس وقت سوال کررہا ہے؟ بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ آنے والا سوالی ہے اور اس کا سوال پورا کردو۔ یہ سخی بادشاہ کا دربار ہے، یہاں صرف سخاوت ہی سے کام لیا جاتا ہے۔بخل اور ہاتھ تنگ کرنا یہاں کے دستور میں شامل نہیں، کیوں کہ ان کے خالق، خالق کائنات نے ان کو اپنے خزانوں کا مالک اور قاسم بنادیا ہے۔حقیقۃً اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن تقسیم اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ ''یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم — رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
اس کی بخشش ان کا صدقہ — دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

(از: حضرت رضا بریلوی)

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ حضور اقدس، مالک خزائن ارض وسماء، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''بَیْنَنَا اَنَا نَائِمٌ اِذْ جِیْئَ بِمَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ ''یعنی میں سورہا تھا کہ تمام

خزائن زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفےٰ بدافع البلاء، از: امام احمد رضا بریلوی، ص ۵۷)

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن میں محو استراحت تھا کہ اچانک زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے آگے رکھی گئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر تم لوگ زمین کے خزانوں کو نکالتے ہو۔ (خصائص کبریٰ، از: امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۴۲۰)

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہٗ اپنی کتاب ''جوہر منظّم'' میں فرماتے ہیں کہ

''وَاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ خَلِیۡفَۃُ اللّٰہِ الَّذِیۡ جُعِلَ خَزَائِنُ کَرَمِہٖ وَمَوَائِدَ نِعَمِہٖ طُرِحَ یَدَیۡہِ وَتَحۡتَ اِرَادَتِہٖ یُعۡطِیۡ مِنۡہَا مَنۡ یَّشَآءُ وَیَمۡنَعُ مَنۡ یَّشَآءُ''

ترجمہ: بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے وہ خلیفہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے دست وقدرت کے فرماں بردار اور حضور کے زیر حکم وارادہ واختیار کر دیئے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرمائیں۔ اور جسے چاہیں نہ دیں۔ (برکات الامداد لاہل الاستمداد، از: اعلیٰ حضرت، ص ۸)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری ''مرقاۃ'' میں فرماتے ہیں کہ:

''اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مَکَّنَہٗ مِنۡ اِعۡطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنۡ خَزَائِنِ الۡحَقِّ''

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شک حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔ (برکات الامداد، ص ۸)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور عطا سے تمام خزائن دنیا اور آخرت کا مختار بنایا ہے۔ اس تعلق سے متعدد احادیث سے دفاتر بھرے پڑے ہیں۔ جن

تمام احادیث کا ذکر یہاں پر ممکن نہیں۔ لہٰذا چند احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام خزانوں کے مالک ہیں۔ اب چند روایات وہ پیش کر رہا ہوں کہ اس سرکار عالی میں سوال کرنے والا اپنی مراد کسی طرح حاصل کرتا ہے۔ بڑے سے بڑا سوال ہو، یا چھوٹے سے چھوٹا سوال ہو، ہر سوال کو شرف قبولیت وعطا سے نوازا جاتا ہے۔

فقیہ ابو محمد اشبیلی بیان کرتے ہیں کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو ایسا مرض لاحق ہوگیا کہ اطباء اس کے علاج سے عاجز اور شفاء سے مایوس ہوگئے، وزیر ابو عبداللہ محمد بن ابی الخصال نے ایک نامہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام لکھا۔ اور اس خط میں مریض کی شفا کے لئے اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کیا۔ اور مدینہ منورہ جانے والے ایک شخص کے ہاتھ بھیج دیا۔ جب وہ اشعار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر پڑھے گئے تو بیمار اپنے وطن میں اسی وقت تندرست ہوگیا۔ کہ گویا وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔

(وفاء الوفاء، جلد ۲، ص ۴۳۰)

ابو محمد عبداللہ بن محمد ازدی کمال جو ملک اندلس کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک نیک شخص تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا قید ہوگیا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کرنے کے لئے اپنے شہر سے نکلا۔ راستے میں اس کا کوئی واقف اسے ملا۔ اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کرنے جاتا ہوں، کیوں کہ رومیوں نے میرے بیٹے کو گرفتار کر لیا ہے۔ اور تین سو دینار زر فدیہ قرار دیا ہے۔ رقم ادا کرنے کی مجھ میں استطاعت نہیں۔ اس واقف نے اس شخص سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ ہر جگہ مفید نہیں، مگر وہ نہ مانا۔ جب وہ مدینہ منورہ میں پہنچا تو روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر اپنا حال عرض کرنے لگا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کیا۔ بعدہٗ اس نے مدینہ منورہ میں ہی خواب میں دیکھا کہ رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم اس سے فرمارہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ جب وہ اپنے شہر واپس آیا، تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اس نے اپنے بیٹے سے اس کی رہائی کا حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات میں مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدائے تعالیٰ نے رہائی دی۔ وہ رات وہی تھی جس میں اس کا باپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا تھا۔ (شواہد الحق، بحوالہ سیرت رسول عربی، از: علامہ محمد نور بخش توکلی، ص ۴۷۰)

اب ناظرین کی خدمت میں ایک ایسا واقعہ جو ایک مستند کتاب ''وفاء الوفاء'' کے مصنف، عالم جلیل، علامہ دہر، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذاتی تجربہ ہے اور یہ واقعہ انھوں نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں نقل فرمایا ہے۔ ایک معمولی اور چھوٹی سی ضرورت کا سوال بھی دربار رسالت سے کس طرح پورا ہوتا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سمہودی علیہ الرحمہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا۔ مصر کے حاجیوں کا قافلہ تجارت کو آیا۔ میرے ہاتھ میں خلوت کی کنجی تھی۔ جس میں میری کتابیں تھیں۔ ایک مصری عالم نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ روضہ شریف چلو، میں ان کے ساتھ گیا اور جب میں واپس آیا تو میرے کمرے کی کنجی گم ہوگئی، میں نے ہر چند مختلف جگہ تلاش کی مگر نہ ملی۔ مجھ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی، کیوں کہ مجھے کمرے کی کنجی کی سخت ضرورت تھی۔ واپس میں روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ''یا سیدی! یا رسول اللہ! میرے خلوت (کمرہ) کی کنجی گم ہوگئی ہے، مجھے اس کی ضرورت ہے، میں دروازے سے مانگتا ہوں'' یہ عرض کرکے میں واپس آیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکا جس کو میں پہچانتا نہ تھا۔ وہ میرے کمرے کے قریب کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں وہ کنجی ہے۔ میں نے اس لڑکے سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے ملی؟ اس نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف کے پاس تھی، میں نے وہاں سے اٹھالی۔

ناظرین غور کریں کہ کائنات کی اعلیٰ وارفع سرکار میں مانگنے والے نے صرف کنجی کا

سوال کیا، تو اس سوال کو بھی خلاف شان نہ سمجھا گیا بلکہ سائل کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ سوال بھی پورا کر دیا گیا۔ ایسا عظیم المرتبت شہنشاہ کہ جس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کے بادشاہ ایک فقیر کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، اس شہنشاہ نے اپنی ظاہری حیات میں دنیا کو تواضع و انکساری کا پیغام اور درس دیا۔ اور اب پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنے خلق عظیم سے خلق خدا کو بہرہ مند فرما رہے ہیں۔ آج اگر کوئی دنیوی بادشاہ یا سیاسی لیڈر یا حکومت کے کسی منسٹر کے پاس یہ شکایت کرے کہ میرے مکان کی چابی کھوگئی ہے۔ براہ کرم آپ میری مدد کرتے ہوئے، چابی تلاش کردو، تو اس سائل کو دھکے مار کر باہر پھینک دیں گے کہ کیا ہمارے پاس اور کوئی کام نہیں؟ یہی کام رہ گیا ہے کہ تمہارے مکان کی چابی تلاش کروں، منسٹر صاحب کا دماغ چوتھے آسمان پر پہنچ جائے گا۔ اتنا چھوٹا اور معمولی سوال وہ اپنی شان کے خلاف تصور کرے گا کہ میں اتنا بڑا منسٹر اور ایسا معمولی کام کروں! لیکن شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار ہر کس پرور میں سائل کا ہر سوال پورا کیا جاتا ہے۔ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، یا چاہے کسی بھی معاملے سے تعلق رکھتا ہو۔

ابوعبداللہ محمد بن زرعہ صوفی ذکر کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابوعبداللہ بن حنیف شیراز سے مدینہ منورہ آئے، ہم رات کو بھوکے رہے میں ابھی بالغ نہ ہوا تھا۔ اور مجھے شدت کی بھوک لگی تھی۔ لہٰذا میں اپنے والد سے بار بار کہتا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔ میرے والد نے قبر شریف پر حاضر ہوکر عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں'' یہ کہہ کر میرے والد مراقب ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے اپنا سر اٹھایا تو کبھی روتے اور کبھی ہنستے تھے۔ ان سے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کچھ درہم میرے ہاتھ میں رکھ دیئے تھے جو کھولا تو اس میں وہ درہم موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان درہموں میں اتنی برکت دی کہ ہم شیراز (ایران) آگئے اور وہاں بھی ان میں سے خرچ کرتے رہے۔ (سیرت رسول عربی، ص ۴۷۸)

علامہ سمہودی اپنی مسموعات میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے سید شریف ابومحمد عبدالسلام بن عبدالرحمٰن حسینی فارسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں تین دن رہا۔ مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا، میں نے مسجد میں منبر شریف کے پاس دوگانہ ادا کر کے یوں عرض کیا کہ اے میرے جدا کرم! میں بھوکا ہوں، اور آپ سے ثرید (ایک قسم کا کھانا) مانگتا ہوں۔ یہ عرض کر کے میں سو گیا، ناگاہ ایک شخص نے مجھے جگا دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ ہے۔ جس میں ثرید، گھی، مصالحہ، اور گوشت ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کھالو، میں نے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میرے بچے تین دن سے اسی کھانے کی تمنا کرتے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے کچھ کشائش کر دی تو میں نے یہ کھانا تیار کیا۔ پھر میں سو گیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں کہ تمہارا ایک بھائی مجھ سے اسی کھانے کی آرزو کرتا ہے، تم اس میں سے اسے بھی کھلاؤ۔ (سیرت رسول عربی، ص ۳۰۷)

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ”نور کی سرکار ہے، کیا اس میں توڑا نور کا“، یعنی یہ سرکار نور کی سرکار ہے۔ اور یہاں سے سب گدا نور کی خیرات لے کر ہی جاتے ہیں۔ اور اس دربار کی یہ خصوصیت ہے کہ جتنا تقسیم کیا جائے بڑھتا ہے۔ گھٹتا نہیں، مثال کے طور پر ایک جگہ ایک بڑا فانوس روشن ہے اور اس فانوس کی لو سے روشنی پھیل رہی ہے، کسی نے اس جلتی ہوئی لو سے ایک ساتھ دس موم بتی جلالی۔ تو اس لو سے فانوس کی روشنی میں کوئی کمی یا خسارہ واقع نہ ہوگا۔ بلکہ روشنی اور بڑھے گی اگر اس فانوس کی لو سے دس کی بجائے پچاس موم بتیاں روشن کی گئی ہوتیں تو اس سے بھی زیادہ روشنی بڑھ گئی ہوتی۔ کیوں کہ موم بتی نے فانوس سے نور کی خیرات پائی تو فانوس کا اجالا کم نہیں ہوا۔ بلا تمثیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس ذات گرامی کو اپنے نور سے پیدا فرمایا، وہ نوری ذات نے اپنے نور سے پوری کائنات کو

منور فرمایا، اور تا قیامت منور فرماتے رہیں گے۔ اس نور کی سرکار سے ہمیشہ نور کی خیرات تقسیم ہوتی رہی ہے، لیکن اس نوری سرکار کے خزانے میں کبھی کمی، قلت، خسارہ یا ٹوٹا نہیں آتا۔ بلکہ برکت ہی برکت ہے۔ کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں پیش خدمت ہیں کہ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکتیں کتنی عظیم ہیں۔

ابن سعد، بیہقی اور ابونعیم نے بطریق ابوالعالیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگ سخت بھوک میں مبتلا تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں، فرمایا انہیں میرے پاس لے آؤ، پھر جب وہ توشہ دان حضور کی خدمت میں لے کر آیا۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک توشہ دان میں ڈالا۔ اور ایک مٹھی کھجوریں نکال کر برکت کی دعا مانگی، پھر دس دس آدمیوں کو بلایا، یہاں تک کہ تمام لشکر سیر ہوگیا۔ اس کے بعد حضور نے مجھ سے فرمایا کہ جو کچھ تم لائے تھے اسے لے جاؤ اور حفاظت سے رکھ لو۔ جب تمہیں ضرورت ہو اس توشہ دان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لینا۔ نہ کبھی اسے شمار کرنا، نہ کبھی توشہ دان کو الٹ کر جھاڑنا، تو میں جتنا لایا تھا اس سے زیادہ پایا۔ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام مدت حیات اور حضرت ابوبکر صدق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانۂ خلافت تک اس میں سے کھاتا اور کھلاتا رہا۔ پھر جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کئے گئے اور میرا گھر لوٹا گیا تو وہ توشہ دان مجھ سے جاتا رہا۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کتنے ہی وسق کھجوریں نکال کر راہ خدا میں اس توشہ دان سے تقسیم کی ہیں یا اونٹ پر لاد کر دی ہیں۔ علماء و محدثین فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا توشہ دان لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تب اس توشہ دان میں اکیس دانوں سے زیادہ کھجوریں نہ تھیں۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۴۱ ☆ خصائص کبریٰ، از: امام

جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۲۷)

نوٹ:

’’وسق ایک وزن کا ناپ ہے۔ ساٹھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے اور ایک صاع کے ساڑھے چار سیر یعنی ایک وسق=۲۷۰ سیر پرانے وزن کا مثل ایک کلوگرام کے ہوتا ہے۔‘‘

حاکم اور بیہقی نے حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے اپنی شادی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد چاہی، حضور نے انہیں تیس صاع جَو مرحمت فرمائے، حضرت نوفل فرماتے ہیں کہ ہم نے اس جَو کو چھ مہینے تک کھایا۔ اس کے بعد ہم نے اس کو ناپا (وزن کیا) تو اتنا ہی پایا جتنا کہ ہم نے رکھا تھا۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہ ناپتے تو تم ساری زندگی اس سے کھاتے رہتے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد۱، ص۱۲۹)

امام بخاری اور مسلم نے غزوۂ خندق کے ضمن میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے پاس آیا، ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے چہرہ انور پر سخت بھوک کے آثار ہیں تو میری بیوی نے ایک تھیلا نکالا، جس میں ایک صاع جو تھے۔ اور ایک فربہ بکری کا بچہ تھا۔ میں نے ذبح کیا۔ بیوی نے جو کا آٹا پیسا، گوشت کے ٹکڑے کر کے دیگچی میں چڑھا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے جو کا آٹا پیسا ہے۔ حضور اپنے چند صحابہ کو لے کر میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بآواز بلند تمام لشکر کو پکار کر فرمایا کہ جابر نے کھانا تیار کیا ہے، آؤ ان کے یہاں چلیں، پھر حضور نے حضرت جابر سے فرمایا کہ میرے پہنچنے تک دیگچی کو چولھے سے نہ اتارنا، اور

گوندھے ہوئے آٹے کو یوں ہی رکھنا، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہزار (ایک روایت میں بارہ سو) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ میرے مکان پر تشریف لائے۔ حضور نے میرے گھر آ کر آٹے اور گوشت کی ڈیگ میں اپنا لعاب دہن شریف ڈال دیا۔ اور برکت کی دعا فرمائی، اور فرمایا کہ روٹی پکاتے رہو، اور ڈیگ سے گوشت نکالتے رہو مگر اس میں جھانک کر نہ دیکھنا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ان ہزار آدمیوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ لیکن ڈیگ میں بدستور گوشت جوش مار رہا تھا اور آٹا بھی باقی تھا۔

(مدارج النبوۃ، جلد۱، ص۳۳۶)

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں بھوک سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں سر راہ بیٹھا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق پوچھا۔ میں نے ان سے محض اس لئے پوچھا تھا کہ میری بھوک کی حالت دیکھ کر مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر کھانا کھلانے لے جائیں۔ لیکن انھوں نے میرے سوال کا جواب دیا اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس سے گزرے میں نے ان سے بھی قرآن کریم کی ایک آیت کی بابت پوچھا اور میرا ان سے پوچھنا اسی غرض سے تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مگر وہ بھی چلے گئے۔ اس کے بعد حضور اکرم ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے آپ نے مجھے دیکھا اور آپ نے میری دلی کیفیت جان کر جو میرے چہرے سے ظاہر تھی، تبسم فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا، اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو اور آپ تشریف لے چلے اور میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ پھر آپ کاشانہ اقدس (مکان) کے اندر تشریف لے گئے۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ میں نے وہاں ایک دودھ کا پیالہ پایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟

گھر والوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں مرد، یا فلاں عورت نے آپ کے لئے تحفہ بھیجا ہے۔حضور نے فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ تم اہل صفہ کے پاس جاؤ، اور انھیں میرے پاس بلالاؤ، حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ نہ تو ان کا گھر بار تھا اور نہ مال و دولت۔

نوٹ: اہل صفا کی تعداد ستر (۷۰) تھی

جب حضور کے پاس کوئی صدقہ آتا تو حضور اس صدقہ کو ان کی طرف بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے۔ اور جب کوئی آپ کے پاس ہدیہ بھیجتا تو آپ اسے قبول فرماتے اور اس ہدیہ میں اہل صفہ کو بھی شریک فرمالیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں گراں گزری اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ اہل صفہ کے لئے اتنا سا دودھ کیا کام دے گا؟ اور میں خواہش رکھتا تھا کہ یہ تمام دودھ مجھے ہی مل جاتا۔ تاکہ میں اسے پی کر توانائی حاصل کرتا۔ میں چوں کہ حضور کا قاصد ہوں اور جب وہ لوگ آئیں گے تو آپ مجھے حکم دیں گے کہ یہ پیالہ انہیں دے دوں، اور شاید ہی اس دودھ کا کوئی حصہ مجھے مل سکے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ تو لازماً میں اہل صفہ کے پاس آیا اور ان کو بلایا، وہ سب آئے اور کاشانہ اقدس میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ حضور نے فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ پیالہ اٹھاؤ۔ اور انھیں دو، تو میں نے پیالہ اٹھا کر ایک شخص کو دے دیا، اس نے پیا، یہاں تک کہ وہ سیر ہوگیا، اس کے بعد اس نے پیالہ مجھے واپس کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے پیتے ہوئے وہ پیالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا، اور تمام اصحاب صفہ خوب سیر ہو چکے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیالہ لے کر دست اقدس پر رکھا اور میری طرف نظر کر کے تبسم فرمایا، اور ارشاد فرمایا، اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! اب ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں میں نے عرض کیا یا

رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور پیو، میں نے پیا، پھر آپ نے فرمایا اور پیو تو میں نے پیا، اور آپ برابر یہی فرماتے رہے۔ اور میں آپ کے ارشاد کی تعمیل میں پیتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اب دودھ کے گزرنے کی بھی راہ باقی نہیں ہے۔ اور میں نے وہ پیالہ حضور کو پیش کر دیا۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اللہ کا نام لے کر بچا ہوا دودھ نوش فرمالیا۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۲۳)

اسی واقعہ کو حضرت رضا بریلوی اپنے شعر میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ پھر گیا

قارئین کرام! صرف ایک دودھ کے پیالے سے ستر حضرات نے شکم سیر ہو کر دودھ پیا۔ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ ''نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا''۔

ابونعیم نے بطریق قاسم بن عبداللہ بن ابورافع ان کے والد سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ آخر شب میں قیام فرمایا۔ حضور نے فرمایا ہر شخص اپنے مشکیزے میں پانی تلاش کرے تو کسی کے پاس سے پانی نہ نکلا۔ بجز ایک شخص کے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پانی کو برتن میں الٹ دیا۔ اور فرمایا تم سب وضو کرو۔ اس وقت میں نے پانی کی طرف دیکھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار رہا تھا، یہاں تک کہ تمام لشکر نے پانی پیا۔ اس کے بعد حضور نے اپنا دست مبارک اس پانی میں سے نکالا۔ تو اس میں اتنا ہی پانی موجود تھا۔ جتنا پہلی مرتبہ مشکیزے سے ڈالا گیا تھا۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد۲، ص۱۰۸)

حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اور بیہقی اور ابونعیم نے حضرت زیاد بن

حارث صدائی سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔اور آپ نے طلوع فجر کے وقت نزول فرمایا۔رفع حاجت کے بعد میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا، اے صداء کے بھائی! کیا پانی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں تھوڑا پانی ہے وہ پانی آپ کو کفایت نہ کرے گا، حضور نے فرمایا، اس پانی کو ایک برتن میں ڈال کر برتن میرے پاس لے آؤ۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پانی میں رکھا، میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی چشمہ کی مانند جوش مار رہا تھا۔آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو آواز دو کہ جسے پانی کی ضرورت ہو آ کر لے لے تو میں نے آواز دی۔پھر ان میں سے جن لوگوں کو پانی کی ضرورت تھی انھوں نے پانی حاصل کرلیا۔(خصائص کبریٰ، اردو، جلد۲، ص۱۰۶)

دست اقدس کی انگشتان مبارک سے دریا اور ندی کی طرح پانی جاری ہونے کے متعدد واقعات ہیں۔ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

❁......❁......❁

(30)

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

حلِ لغت:

پھرنا: ٹہلنا، گھومنا، چہل قدمی کرنا، سیر کرنا، گردش میں آنا، چکر لگانا، تبدیل ہونا، بدل جانا، متوجہ ہونا، براز کی حالت رفع کرنا، ٹیڑھا ہونا، مکرنا، چکرآنا۔(فیروز اللغات، ص ۳۱۵)

لالہ زار: وہ کھیت جس میں لالہ کے بوٹے ہوں، باغ، چمن، گلزار۔(فیروز اللغات، ص ۱۱۴۴)

بہار: پھول کھلنے کا موسم، بسنت رت، موسم ربیع، نارنج کا پھول، گیٹے کا پھول، لطف، مزہ، جوبن، خوشی، شباب، سرسبزی، شادمانی، ایک نفیس کپڑے کی قسم، نام ایک بت خانہ کا، تروتازگی، سیر، تماشا، آنند، سرور، نشہ کا چڑھاؤ۔

(فیروز اللغات، ص ۲۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۲۶)

دن پھرنا: اچھے دن آنا، خوش حال ہونا، مصیبت کے بعد راحت ہونا۔(فیروز اللغات، ص ۶۴۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' ہے اس کا مطلب ''متوجہ ہونا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' ہے اس کا مطلب ''واپس آنا، تبدیل ہونا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گری اور کرم نوازی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اور موسم بہار کو

مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے بہار! باغ عالم کی بہار کی جان، پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لالہ زار یعنی چمن کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اے بہار! تجھے شادمانی اور مبارکبادی ہو کہ اب تیرے اچھے دن آ رہے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''پھرتے ہیں'' کا جملہ دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ لیکن دونوں کے معنی اور مطلب الگ الگ ہیں۔ پہلی مرتبہ ''متوجہ ہونا'' کے معنی میں اور دوسری مرتبہ ''اچھے دن آنا'' کے معنی میں ہے۔ یہ شعر جس نعت کا مطلع ہے، وہ آپ نے تغزل کے انداز میں اور بہت چھوٹی بحر میں لکھی ہے۔ جو حضرات فن شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اچھی طرح واقف ہوں گے کہ غزل کے اشعار چھوٹی بحر میں لکھنا بہت مشکل مرحلہ ہے۔ تقطیع کے اصول کے مطابق چھوٹی بحر میں الفاظ کے اوزان کی رعایت کرتے ہوئے موزوں الفاظ کی بندش اور ساتھ میں ردیف وقافیہ کا تناسب قائم رکھنا بہت ہی کٹھن ومشکل ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی لکھی ہوئی یہ نعت اردو ادب کی شہرۂ آفاق شاعری جناب داغؔ دہلوی نے جب دیکھی تو داغؔ صاحب بھی عش عش پکار اٹھے۔ اور ان کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکل پڑے کہ تعجب کی بات ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی ایک مولوی ہونے کے باوجود چھوٹی بحر میں اتنی اچھی نعتیہ شاعری کر لیتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی نعتیہ شاعری سے جناب داغؔ دہلوی اتنے متأثر ہوئے کہ انہوں نے ایک شعر حضرت رضا کے تعلق سے کہا کہ:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مذکورہ شعر کو حضرت رضا بریلوی نے اپنی نعت:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

میں مقطع کے طور پر شامل فرمالیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

یہاں لالہ زار سے مراد باغ، چمن، گلزار یا وہ کھیت ہے جس میں لالہ کے پھول اور بیل بوٹے ہوں، علاوہ ازیں ''لالہ زار'' سے باغ عالم، کائنات یا چمن دنیا بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ کائنات میں جو نور و رونق جو چمک دمک جو روشنی جو بہار جو چہل پہل جو خوش حالی ہے وہ تمام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طفیل ہے۔ جیسا کہ دیگر اشعار کی تشریحات میں ذکر ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

''میں اللہ کے نور سے ہوں۔ اور سب میرے نور سے ہیں۔'' یہ بات تو واضح ہوگئی کہ سب حضور کے نور سے ہیں۔ تو باغ عالم یعنی دنیا بھی حضور کے نور سے بنی ہوئی ہے۔ لیکن اب وہ دنیا اپنی قامت پہ ناز کر رہی ہے، دنیا آباد تو تھی، رونق بھی اس میں تھی، لیکن اب اس کی آبادی اور رونق کے ''دن پھرتے ہیں'' یعنی کہ اچھے دن آتے ہیں۔ اس کی آبادی اور رونق میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، کیوں کہ وہ نور حق، وہ ظل رب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بشکل بشری حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت کدے میں ظہور پذیر ہو کر دنیا کو منور فرمانے تشریف لا رہے ہیں۔ اس شعر میں ''دن پھرتے ہیں'' کا جملہ اردو زبان میں بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے اور یہ محاورہ اس شعر میں معنی خیز حیثیت رکھتا ہے۔ اردو ادب سے واقفیت رکھنے والے حضرات اس کی معنویت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حالاں کہ حضرت رضا بریلوی سے بغض وعناد رکھنے والے اس شعر پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور حضرت رضا بریلوی پر توہین رسول کا بہتان تھوپتے ہیں۔

راقم الحروف زیارت حرمین شریفین کے لئے ۱۹۹۶ء میں گیا تھا، واپسی میں تین دن جدہ شریف میں رکنے کا موقع ملا، دوران قیام جدہ میں میرے کرم فرما حامی سنیت وناشر مسلک

اعلیٰ حضرت قبلہ سید شوکت صاحب نوری مدظلہ العالی کے دولت کدہ پر محافل گفت وشنید کا سلسلہ رہا۔ موافقین ومخالفین آتے اور مسلک اعلیٰ حضرت اور عقائد باطلہ کے متعلق سوالات و جوابات کا غیر منقطع سلسلہ جاری ہوگیا۔ ایک صاحب نے راقم الحروف سے کہا کہ حضرت رضا بریلوی نے ''تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں'' کا جملہ استعمال کرکے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی ہے۔ کیوں کہ بہار کا دن پھرنا یعنی خزاں (پت جھڑ) کا موسم آنا ہوا۔ لہٰذا شعر کے معنی یہ ہوئے کہ موسم بہار میں حضور آئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بہار کا موسم خزاں میں تبدیل ہوگیا۔ معترض کا یہ بے سروپا اعتراض سن کر اس کی علمی بے مائیگی پر ترس آنے کے ساتھ ساتھ اس کے متعصب رویہ پر افسوس بھی ہوا کہ اعتراض کرنے کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے مضحکہ خیز اعتراض کرکے معترض خود ہلکا بنتا ہے۔ اس کے اعتراض کے جواب میں راقم الحروف نے کہا کہ حضرت بہار کے دن پھرنا خزاں آنا، آپ نے کیسے تجویز کرلیا؟ اس نے کہا صاف بات ہے کہ بہار کی ضد خزاں ہے تو جب بہار کے دن پھرے تو خزاں کے دن آئے، معترض صاحب کا جواب سن کر واقعی ہنسی آئی، ہم نے معترض صاحب سے جواباً عرض کیا کہ آپ اردو زبان کی کسی بھی معتبر لغت کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ دن پھرنا ایک کہاوت اور محاورہ ہے، اور اس کے معنی ہیں اچھے دن آنا، خوش حال ہونا یا مصیبت کے بعد راحت ہونا۔ اور اسی معنی میں حضرت رضا بریلوی نے ''دن پھرنا'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے، معترض صاحب نے دوسرا اعتراض کیا کہ جب بہار کے ہی دن ہیں، تو اب دن پھرنے کے کیا معنی؟ ہم نے جواب میں کہا کہ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کسی کمپنی میں ملازمت کرتا ہے اور اس کی ماہانہ تنخواہ دو ہزار روپئے ہے۔ اس تنخواہ میں وہ شخص اپنے خوردونوش و دیگر ضروریات زندگی پوری کرلیتا ہے۔ یہ تنخواہ اس کے لئے ایک بہت بڑا سبب ہے۔ خوش حال زندگی بسر کرنے کے لئے۔ وہ شخص بے کاروبے روزگار نہیں۔ پھر اچانک اس نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنے ایک پرانے دوست

کے ساتھ شرکت میں تجارت شروع کردی، اور اس کی ماہانہ آمدنی پندرہ ہزار ہوگئی۔ پہلے ملازمت میں بھی وہ خوش تھا اس پر فاقہ کشی کا عالم نہ تھا، لیکن فضل مولیٰ سے اب تجارت میں اس کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا، تو ایسے شخص کے لئے اردو زبان کے محاورے میں کہا جائے گا کہ اب اس کے دن پھر گئے ہیں۔ یعنی وہ اب پہلے سے زیادہ خوش حال ہے۔ اب اس کے دن پہلے سے اچھے ہیں اور اب اس کو پہلے سے بہت راحت ہے۔ لغت میں یہی معنی وارد ہیں۔ (دیکھو فیروز اللغات، ص۶۴۶) تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے بہار! وہ جان عالم و بہار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اب تیرے اچھے دن آرہے ہیں۔ تیرے نکھار اور سنگار میں اضافہ ہوگا۔ تیرا حسن و جمال دوبالا و دوچند ہوگا۔ تیری رونق میں مزید ترقی ہوگی، اب تو پہلے سے بھی خوش نما وخوش حال ہوجائے گی۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ رسالت کی توہین وتنقیص کی ہے یا تعریف و تحسین کی ہے؟ اس وضاحت کے بعد اعتراض کرنے والے کو اطمینان ہوگیا اور انھوں نے حضرت رضا کی عظمت کا اعتراف کیا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مذکورہ بالا شعر کا مصرع ثانی ''تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں'' کی تشریح میں کتب واحادیث سے سینکڑوں واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ کی توجہ وعنایت سے اجڑے ہوئے دل ومقامات آباد ہوگئے۔ ریگستان آپ کے قدموں کی برکت سے نخلستان بن گئے، خزاں بہار میں تبدیل ہوگئی۔ اور بہار بھی پر بہار ہوگئی۔ ان تمام واقعات کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔

● حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی اور رضاعی والدہ محترمہ ہیں۔ ان کا بیان اسحٰق ابن راہویہ، ابویعلی، طبرانی بیہقی، ابونعیم اور ابن عساکر نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی سند سے روایت کیا ہے، آپ

فرماتی ہیں کہ ہمارے علاقہ بنوسعد میں سخت خشک سالی تھی، ہمارے علاقے کی عورتیں مکہ معظّمہ سے دودھ پلانے کے لئے بچوں کو لاتیں اور دودھ پلانے کا جو معاوضہ ملتا اسی سے اپنی ضروریات زندگی کا گزارا کرتیں، میں بھی ان عورتوں کے ساتھ مکہ معظّمہ گئی اور میری خوش قسمتی سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر آئی۔ پھر ہمارا چھوٹا قافلہ اپنے علاقہ بنوسعد کے دیہات کی طرف روانہ ہوا۔ راہ سفر میں ہم جس منزل پر قیام کرتے حق تعالیٰ اس منزل کو سرسبز و شاداب فرمادیتا۔ باوجود کہ وہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ اور جب ہم بنی سعد کی بستی میں پہنچ گئے، اس بستی کی پہلے یہ حالت تھی کہ وہ خطہ بالکل خشک اور ویران تھا۔ لیکن اب یہ حالت ہوئی کہ بکریاں چراگاہ میں جاتیں تو شام کو خوب شکم سیر ہوکر تروتازہ اور دودھ سے بھری ہوئی لوٹتیں۔ تو ہم ان کا دودھ دوہتے اور ہم سب خوب سیر ہوکر پیتے اور دوسروں کو پلاتے۔ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم اپنی بکریوں کو ان چراگاہوں میں کیوں نہیں چراتے جن میں بنت ابوذویب (حلیمہ) کی بکریاں چرتی ہیں؟ اس کے بعد ہماری قوم کے چرواہوں نے ہمارے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چرانی شروع کردیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کے اموال اور ان کی بکریوں میں خیر و برکت پیدا کردی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تمام قبیلہ میں خیر و برکت پھیل گئی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ سب حضور کے وجود گرامی کی برکت سے ہے۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۱۳۹ ☆ مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۳۲ ☆ شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص۷۵)

الحاصل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری نے قبیلہ بنوسعد کے علاقے کو بھی سرسبز و شاداب بنادیا، یعنی دن پھیر دیئے۔

۞......۞......۞

(31)

خوش رہے گل سے عندلیب خارِ حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں

حل لغت:

عندلیب: بلبل، گل دم، ہزار داستان، جمع عنادل۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۶ ☆ لغات کشوری، ص۵۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۲)

خار: کانٹا، پھانس، رشک، حسد، جلن، سول، ڈاڑھی کے سخت بال، مرغ کے پاؤں کا وہ کانٹا جو ٹخنے کے اوپر ہوتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص۵۷۹ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۷ ☆ کریم اللغات، ص۶۰)

بلا: سختی، زحمت، مصیبت، دکھ، آفت، قہر، غضب، چڑیل، ڈائن، ڈراؤنا، آسیب، قیامت، ہیبت ناک، خوفناک، بہت، نہایت، بے حد۔

(فیروز اللغات، ص۲۱۱ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۲۵)

ذکر: تذکرہ، چرچا، بیان، تعریف، شہرت، تلاوت قرآن، ذکر خدا، شکر خدا، دعاء، نماز، دل یا زبان سے یاد کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۶۹۰ ☆ لغات کشوری، ص۳۱۱)

بلا سے: کیا پرواہ ہے، جوتی سے، بے پرواہی ظاہر کرنے کے لئے کہتے ہیں۔

(فیروز اللغات، ص۲۱۱)

خار کھانا: (محاورہ) حسد کرنا، جلنا، دشمنی کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۵۷۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''خار'' ہے اس کا مطلب ''کانٹا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''خار'' ہے اس کا مطلب ''حسد، رشک'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک عاشق رسول کے جذبۂ ایثار وقربانی اور اس جذبہ کے صلہ اور ثمرہ میں حاصل ہونے والی سعادت و رفعت کا تذکرہ فرمارہے ہیں، اور اس تذکرے کو بلبل وگل اور خار (کانٹا) اور خار (حسد) کو ایک اچھوتی، اور انوکھی تمثیل سے بیان کررہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بلبل وصال پھول سے چاہے خوش رہے۔ بلبل کو وصال گل مبارک، لیکن مجھے حرم کے کانٹے نصیب ہوجائیں۔ عشق نبی کی وفاداری میں چاہے جو بھی مصیبت آئے وہ مصیبت اور بلا مجھے پیاری ہے۔ کیوں کہ یہ بلا اور مصیبت راہ عشق میں حاصل ہوئی ہے۔ اور جو عاشق عشق کی راہ میں بلا وآفت برداشت کرتا ہے اسے رہتی دنیا تک لوگ یاد رکھتے ہیں، اور ہمیشہ اس کا ذکر لوگوں میں رہتا ہے اور اس تذکرے کی وجہ سے بلا وآفت جھیلنے والے عاشق کا نام ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اور وہ دیگر عاشقوں کے لئے ایک مثال اور مشعل راہ بن جاتا ہے۔ لوگ اس عاشق کے عشق صادق کو داد تحسین دیتے ہیں۔ اور بڑے ہی ادب واحترام سے اس عاشق کا ذکر کرتے ہیں۔ اس عاشق صادق کے ذکر خیر کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ راہ عشق میں ''بلا'' اور ''آفت'' برداشت کرکے ثابت قدم رہا۔ بلا جھیلنے کی وجہ سے اس کا عشق چمکا، اور اس کو ناموری حاصل ہوئی تو اب اس بلا کی بھی ایک اہمیت ہوگئی کیوں کہ اس بلا کی وجہ سے ہی اس کے عشق کا چرچا ہوا۔ اور اتنی شہرت حاصل ہوئی۔ اگر اس عاشق پر کوئی بلا نہ آتی تو اس کے عشق کی وفاداری کا نہ تو کوئی امتحان ہوتا، اور نہ ہی اس امتحان عشق میں استقلال وثبات قدمی سے حاصل ہونے والی کامیابی کا ذکر خیر ہوتا۔

الحاصل! اس عاشق کے برگ عشق کو مثل حنا بلکہ کی چکی میں جب پیسا گیا تو بموجب

''رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد'' اس کا عشق بھی رنگ لایا۔ اور رنگ عشق کو کھلانے اور نکھارنے میں بلا نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا اس عاشق کی ہر بلا پر پھول بھی رشک وحسد کرتا ہے اور بقول رضا بریلوی ''میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں''، یعنی میرے عشق کی شہرت میں میری بلا، جو میں نے راہ عشق میں برداشت کی ہے اس بلاء کا جب ذکر آتا ہے تو اس بلا پر پھول بھی خار کھاتا ہے یعنی حسد کرتا ہے۔ یہاں پر پھول سے مراد راحت اور آرام ہے، ظاہر بات ہے کہ عشق کے نتیجے میں دو ہی کیفیت رونما ہوتی ہیں، پہلی راحت وآرام، اور دوسری تکلیف وبلا۔ ایک شخص کو راہ عشق میں راحت وآرام حاصل ہوتا ہے، اور دوسرے کو تکلیف وبلا میسر ہوتی ہے۔ لیکن جس عاشق کو راہ عشق طے کرنے میں راحت و آرام ہوتا ہے اس کا عشق اتنا مشہور نہیں ہوتا جتنا کہ تکلیف وبلا برداشت کرنے والے عاشق کا عشق مشہور ہوتا ہے، اور جب بلا ومصیبت برداشت کرنے والے کے عشق کو عالمگیر شہرت حاصل ہوتی ہے تب اسے دیکھ کر راحت وآرام پانے والے عاشق کا عشق یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش مجھے بھی بلا ومصیبت نصیب ہوتی تو میرا نصیب بھی جاگ اٹھتا، لہٰذا اب راحت وآرام کو بلا اور مصیبت پر رشک وحسد ہورہا ہے۔ یہی ظاہری مطلب ومعنی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کا۔

اس شعر میں لفظ ''خار'' کو دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے، دونوں لفظ ''خار'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ پہلے مصرع میں جو لفظ ''خار'' ہے وہ کانٹا اور جلن کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں جو ''خار'' ہے وہ حسد اور رشک کے معنی میں ہے۔

اب اس شعر کے پہلے مصرع میں ''خوش رہے گل سے عندلیب، خار حرم مجھے نصیب'' پر غور کریں۔ خوش رہے یعنی خوشی وسرور سے دوچار رہے، راحت وسکون میسر ہو، دل کا چین حاصل ہو، لیکن کس کو؟ عندلیب یعنی بلبل کو، اور یہاں بلبل سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین سے لے کر تادم تحریر جتنے بھی عاشق رسول ہوئے ہیں اور جتنے بھی قیامت تک ہونے والے ہیں، وہ تمام عشاق بلبل کے مانند گل سے خوش رہیں۔اور یہاں گل سے مراد گل گلزار نبوت ورسالت، محبوب خدا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، یعنی تمام عاشق ''بلبلیں'' اپنے آقا ومولیٰ (گل) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کے حصول میں اور آپ کی بارگاہ عالی میں بلا تکلیف تک رسائی حاصل کر کے راحت وآرام سے راہ عشق طے کئے ہوئے ہیں۔لیکن ان کے بعض وہ ہیں جنہوں نے عشق کی راہ میں نا قابل برداشت مصائب جھیل کر کٹھن سے کٹھن امتحان دیئے ہیں اور ان امتحان دینے والوں نے خندہ پیشانی سے وہ مصائب وتکالیف برداشت کر کے دنیا کو سلوک ووفا کی عمدہ مثالیں دی ہیں اور ان کا نام ہر دور میں عنوان بحث وگفتگو رہا۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہے لیکن تمام کے تمام صحابہ کرام کو وہ شہرت اور ناموری حاصل نہیں ہوئی، جو مخصوص حضرات صحابہ کو حاصل ہے۔اور ان مخصوص حضرات میں ان نفوس قدسیہ کا ہی شمار ہوتا ہے جنہوں نے بلا ومصیبت برداشت کیں، تکلیفیں جھیلیں اور جذبۂ ایثار وقربانی میں دیگر صحابۂ کرام سے سبقت لے گئے۔ان حضرات میں سے اکثر کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔وہ حضرات عشق رسول میں دیوانگی کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ان کی زندگانی کا صرف اور صرف یہی مقصد تھا کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر اپنا سب کچھ اور خود کو بھی نثار کر دو۔یہی جذبہ ہے کہ جس کی وجہ سے وہ عاشق رسول قیامت تک کے لئے ہر مومن کے دل کی دھڑکن بن گئے۔اور جنہوں نے اپنی بیش بہا قربانیوں سے ''عشق'' کو بھی سرخ روئی اور سر بلندی بخشی۔احادیث کی روشنی میں کچھ واقعات ہدیۂ ناظرین ہیں۔

● امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابیٔ رسول حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیٹھ پر ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت خباب کے پشت میں سفید سفید زخموں کے نشان ہیں۔آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے خباب! تمہاری پیٹھ میں یہ

زخموں کے نشان کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے امیر المومنین! آپ کو ان زخموں کی کیا خبر؟ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ننگی تلوار لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے گھومتے تھے۔اس وقت ہم نے محبت رسول کا چراغ دل میں جلایا اور مسلمان ہو گئے تھے۔میرے اسلام لانے کی خبر کفار مکہ کو ہوئی تو مجھے اسلام سے منحرف کرنے کے لئے کفار مکہ نے مجھے جلتے ہوئے کوئلوں پر پیٹھ کے بل لٹا دیا۔میری پیٹھ سے اتنی چربی پگھلی کہ کوئلے بجھ گئے۔اور میں گھنٹوں بیہوش رہا۔مگر رب کعبہ کی قسم! جب مجھے ہوش آیا تو سب سے پہلے میری زبان سے کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نکلا۔امیر المومنین حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصیبت سن کر آبدیدہ ہو گئے۔اور فرمایا کہ اے خباب! کرتا اٹھا دو، میں تمہاری پیٹھ کی زیارت کروں گا۔اللہ اللہ یہ پیٹھ کتنی مبارک اور مقدس ہے جو محبت رسول کی بدولت آگ میں جلائی گئی ہے۔

(طبقات ابن سعد، جلد۳، باب تذکرہ خباب)

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلۂ عضل اور قبیلۂ قارہ کے کفار نے عہد شکنی کر کے گرفتار کر لیا۔اور ان کو کفار مکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔صفوان بن امیہ نامی شخص نے آپ کو پچاس اونٹوں کے بدلہ میں خریدا، تا کہ آپ کو اپنے باپ امیہ کے بدلے میں قتل کر دے۔(اور بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا، حارث بن عامر جنگ بدر میں حضرت زید بن دثنہ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا) صفوان نے اپنے غلاموں کے ساتھ حضرت زید کو شہید کرنے کے لئے حرم سے باہر بھیج دیا۔

جب حضرت زید کو حرم سے شہید کرنے کے لئے نکلے تو اس کا تماشا دیکھنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہوئے۔جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔(جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ابوسفیان نے ان سے کہا کہ اے زید! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ کیا تم دل سے یہ چاہتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوتے کہ ہم انہیں شہید کرتے

اورتم اپنے اہل وعیال میں آرام سے رہتے۔اس پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ
خدا کی قسم! مجھے اس وقت بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے اور میں دل سے چاہتا
ہوں کہ آپ اپنی جگہ آرام سے رہیں۔اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے قدم مبارک میں کانٹا بھی
چبھے۔اور میں اپنے گھر خوش رہوں۔ابوسفیان نے کہا کہ میں نے کسی شخص کو ایسی محبت رکھنے
والا نہیں دیکھا جتنا کہ اصحاب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان سے محبت اور وارفتگی رکھتے ہیں۔
بعدہ کفار مکہ نے حضرت زید کو شہید کر دیا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو، جلد ا، ص ۵۲۳ ☆ سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحٰق)

جب مشرکین مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تختۂ دار یعنی سولی پر شہید کیا تو
تختۂ دار پر حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ! میں
نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کیا۔ یہاں اس وقت ایسا کوئی بھی
نہیں۔ جو میرا پیغام ان تک پہنچا دے، اے اللہ! تو قادر و قیوم ہے میرا سلام ان تک پہنچا
دے۔حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہ وحی کے آثار ظاہر ہوئے، اس کے بعد حضور صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو آئے اور آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خبیب کا
سلام مجھے پہنچایا ہے۔اس کے بعد آپ نے بشارت دی کہ جو شخص خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو
تختۂ دار سے نیچے اتارے گا اس کا مقام جنت ہے۔حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد
بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ مبارک کام انجام دینے کا عزم کیا، یہ دونوں حضرات رات کو
سفر کرتے اور دن میں چھپ رہتے۔اس طرح سفر کرتے کرتے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ
پہنچے۔ پتہ معلوم کر کے اس جگہ پہنچے جہاں حضرت خبیب کو سولی دی گئی تھی۔رات کا وقت تھا۔
تمام پہرہ دار سوئے ہوئے تھے۔ یہ دونوں آہستہ آہستہ بہت ہی احتیاط سے تختۂ دار پر پہنچے اور
آہستگی سے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم شریف کو نیچے اتارا۔ خدا کی شان کہ

حضرت خبیب کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور خون رنگین سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ بدن میں
بھی کسی قسم کا کوئی تغیر یا تبدیلی رونما نہ ہوئی تھی۔ اگر چہ انہیں شہید ہوئے چالیس دن کا عرصہ
گزر چکا تھا۔حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت خبیب کی لاش کو اپنے گھوڑے پر
رکھ کر روانہ ہوئے۔گھوڑے کے قدموں کی آہٹ سے مشرکین بیدار ہو گئے۔اور ستر آدمی ان
کے تعاقب میں نکلے۔اور ان کو پالیا۔دونوں نے حضرت خبیب کو زمین پر لٹا دیا۔فوراً زمین نے
ان کو اپنے اندر لے لیا۔اسی لئے حضرت خبیب کو ''بلیع الارض'' کہتے ہیں۔پھر حضرت زبیر بن
العوام اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔مشرکین
بھاگ نکلے، یہ دونوں بہادر مجاہد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر
ہوئے، تو جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی امت
کے ان دو جوانوں پر فرشتے بھی ناز کرتے ہیں۔ (شواہد النبوۃ، اردو، جلد ا، ص ۱۵۱/۱۵۲)

ابن وہب نے ابن لہیعہ سے روایت کی کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ
صنعاء پر غالب آگیا تو ذریب بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔اس بنا پر
کہ حضرت ذریب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی۔مگر آگ نے ان کو
کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۸۶)

ابن عساکر نے بروایت ابو بشیر وشیہ بیان کیا ہے کہ قبیلۂ خولاں میں سے ایک شخص
اسلام لایا۔اس کی قوم نے چاہا کہ اسے پھر کفر پر لے آئیں۔چنانچہ انہوں نے اسے آگ میں
ڈال دیا۔مگر آگ نے انہیں نہ جلایا۔بجز ان جگہوں کے جہاں پہلے وضو کا پانی نہ پہنچا تھا۔پھر وہ
حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور دعا کا طالب ہوا۔آپ نے
فرمایا، تم زیادہ مستحق ہو اور فرمایا تم چوں کہ آگ میں ڈالے گئے اور آگ نے تمہیں نہ جلایا۔پھر
آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد وہ شخص ملک شام چلا گیا۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۱۸۶)

ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ روز احد جب یہ افواہ پھیلی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مع بہت سے اصحاب شہید ہوگئے تو مدینہ کی عورتیں نالہ وفریاد کرتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں۔ ایک انصاری عورت بھی سامنے آئی، جس کے باپ، شوہر اور بیٹے سب شہید ہو چکے تھے۔ لوگ اس کے بھائی، باپ، شوہر اور بیٹے کی لاشیں اس کے سامنے لائے مگر اس عورت نے ان کی طرف کچھ بھی التفات نہ کیا، اور وہ یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ آگے ہیں تو وہ بے اختیار آگے بڑھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئی اور آپ کا دامن اقدس پکڑ کر کہنے لگی کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے کوئی اندیشہ وفکر نہیں، جب کہ آپ سلامت ہیں، اب کسی کے مرنے کا غم نہیں۔ ''كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ قَلِيْلٌ ''یعنی آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے''۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۵۲۳)

ایسے بہت سے واقعات کتب احادیث وسیر میں منقول ہیں۔

(32)

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

حل لغت:

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، بالکل نہیں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، دھرتی، سرشت۔ (فیروز اللغات، ص ۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص ۶۱)

سرشت: خو، خصلت، عادت، مزاج، پیدائش، طینت، خلقت، خاصیت، گن، ملا ہوا، خمیر، مخلوط۔ (فیروز اللغات، ص ۷۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۳۷۹)

سرکار: حکومت، گورنمنٹ، آقا، مالک، سردار، شاہی دربار، عدالت، بارگاہ، بے تکلف دوست، بے تکلف معشوق۔ (فیروز اللغات، ص ۷۹۴)

طلب: خواہش، مانگ، مانگنا، آرزو، لت، دھت، جستجو، تلاش، بلاوا، طلبی، وہ چیز جو مانگی جائے، تنخواہ، مشاہرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۸۷۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۶)

تمغا: مہر سلطانی، سونے چاندی وغیرہ پر مہر، نشان، مہر، نشان جو جانوروں پر لگائے جاتے ہیں، تجارتی نشان، سند، معافی کی سند، معافی یا انعامی رہن، سونے اور چاندی کا بنا ہوا نشان جو انعام کے طور پر دیا جاتا ہے، سکہ، ٹھپا، نشان، علامت، محصول چنگی، ڈپلوما کا نشان جو حاکم یا یونیورسٹی یا کالج وغیرہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۳۸۰ ☆ لغات کشوری، ص ۱۶۳)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''راکھ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جولفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''مٹی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ طیبہ کی مقدس خاک کی تمنا میں خاک ہوجانے کی آرزو فرماتے ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی طلب میں اللہ ہمیں خاک (راکھ) کردے، ہمارے آقا، ہمارے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے ہمارے لئے تمغا یعنی معافی کی سند ہے۔ اس شعر میں لفظ ''خاک'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جولفظ خاک ہے وہ راکھ کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جولفظ ''خاک'' ہے وہ مٹی، دھول اور زمین وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ خاک حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان دعا کرتے ہیں کہ ''اللہ ہمیں خاک کرے'' یعنی اللہ ہمارے وجود کو راکھ کردے یہاں خاک بمعنی راکھ ہے۔ اور راکھ کے معنی ہی زیادہ موزوں ہیں۔ کیوں کہ کوئی چیز راکھ ہونے سے پہلے اچھی طرح جلتی ہے۔ اردو زبان میں اس کے تعلق سے محاورہ ہے کہ ''جل کر خاک کرنا''۔

- اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اتنا زیادہ جلانا کہ چیز بالکل خاک ہوجائے۔ (فیروز اللغات، ص۴۶۶) تو خاک ہونے سے پہلے جلنا لازمی ہے اور جلنے کے لئے کسی سے دلی محبت (محاورہ) کرنی چاہیئے۔ پھر اس محبت کا جوش (محاورہ) پیدا ہونا چاہیئے۔ اور محبت کا دم بھرنا چاہیئے (محاورہ)۔ اور اس محبت کے دم میں محبوب کے فراق وہجر کے مارے سدا گور کنارے۔ (مقولہ) کے مطابق غم واضطراب میں محو ہوکر محبوب کی جستجو اور طلب صادق پیدا کرنی چاہیئے۔

اور محبوب کی جستجو میں دیوانگی کی حد تک پہنچ کر اپنے وجود کو عشق کی آگ میں جلانا چاہیئے، اور اتنا زیادہ جلانا چاہیئے کہ اپنا وجود جل کر راکھ ہوجائے۔ اور خاک ہونے کے لئے صرف جلنا نہیں بلکہ خوب جلنا لازمی وضروری ہے۔ کیوں کہ اگر ہم صرف جلے ہی اور راکھ نہ ہوئے تو ہمارا مقصد حل نہ ہوگا۔ اور وہ مقصد کیا ہے؟ وہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ ایک تو ہوتا ہے جلنا، اور ایک ہوتا ہے جل کر راکھ ہونا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص آگ میں جل گیا۔ اور مر گیا۔ لیکن راکھ نہیں ہوتا۔ وہ آگ میں جلا ضرور، جل کر اپنی جان بھی دے دی۔ لیکن اس کا جسم جلا بھنا نہیں جسم جل کر کوئلہ ہوگیا۔ اور پورے جسم کی جلد سیاہ ہوگئی۔ پورے جسم میں پھپھولے پھوٹ نکلے۔ چہرہ جل کر بھیانک نظر آنے لگا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس کا جسم اپنی ہیئت پر برقرار ہے۔ ہاتھ، پاؤں، پشت وشکم و دیگر اعضائے بدن کی شناخت ہورہی ہے تو ایسا جلنا مقصد کے حصول کے لئے کارآمد نہیں ہے۔ کیوں کہ اس طرح جل کر مرجانے والے کو زمین میں اسلامی طریقے پر دفن کیا جائے گا۔ قبر میں اس کی لاش مردہ مجسمے کی حیثیت سے رکھی جائے گی۔ اور قبر کی مٹی اور لاش میں بنظر ظاہر ایک امتیاز رہے گا۔ اور زمین کی مٹی اور میت کے جسم کی الگ الگ شناخت ہوگی۔ لیکن دوسری صورت ہے کہ آدمی اتنا جلے اتنا جلے کہ اس کے جسم کا وجود ہی نیست ونابود ہوجائے۔ اور آخر کار وہ راکھ کا ایک ڈھیر بن جائے۔ اب اس صورت میں اس کے جسم کی کوئی ہیئت وشناخت باقی نہیں رہے گی۔ وہ ایک راکھ ہے جو مرکب ہے جسم کے مختلف اعضائے سوختہ سے، اور وہ تمام اعضائے بدن اپنی مخصوص شناخت سے غیر مقید اور لاابالی ہوکر مساوی ہوکر ایک دوسرے میں مخلوط اور پیوستہ ہوکر اپنے وجود کو فنا کرچکے ہیں۔ اور تمام اعضائے بدن مرکب ہوکر صورت راکھ اختیار کرچکے ہیں۔ اور تمام اعضائے بدن کی فنائیت کا یہ راکھ معجون ہے، جو ایک دوسرے میں فنا ہوکر بنا ہے۔ لیکن اب وہ معجون جو راکھ کی صورت میں ہے وہ اپنے اندر مجموعی حیثیت سے فنا ہونے کا مادہ رکھتا ہے۔ تیز ہوا آئے

گی تو ہوا کے ساتھ اڑ کر فضا میں مخلوط ہو جائے گا۔ اور اگر گڑھا کھود کر زمین میں دفن کر دیا جائے تو زمین میں دفن ہو کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا۔ اور اپنا جو ہر فنائیت کا اظہار کرتے ہوئے زبان حال سے یہی کہے گا کہ جو عاشق صادق اپنے محبوب کے عشق میں فنا ہو کر جل کر راکھ ہو جاتا ہے اس کی راکھ بھی اپنی شان فنائیت کو برقرار رکھتے ہوئے مٹی میں فنا ہو جاتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم اپنی طلب میں اتنے بیتاب رہیں کہ اللہ ہمیں اپنی طلب میں راکھ کر دے اور ہماری طلب کیا ہے بقول حضرت رضا بریلوی:

یہ سر ہو اور وہ خاک در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

ہر مومن کی یہی طلب ہوتی ہے کہ کاش در مصطفیٰ پر اجل آ جائے اور جس کو در مصطفیٰ پر اجل آ جائے اس کی تقدیر کا کیا کہنا؟ وہ بھی اس طرح کہ ہمارا وجود سوزش عشق سے سوختہ ہو کر راکھ بن جائے۔ اور خاک مدینہ میں مل جائے، خاک مدینہ کی مدح وثنا میں حضرت رضا بریلوی کا مصرع ثانی بھی کتنا پیارا ہے کہ ''یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا'' یعنی مدینہ کی خاک (مٹی) ہم جیسے عاصیوں کے لیے گناہوں سے معافی کی سند ہے۔

● حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''مَنْ مَّاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' جو شخص کہ دونوں حرمین میں سے کسی حرم میں مرے وہ قیامت کے دن امن پانے والوں کے گروہ میں اٹھایا جائے گا۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص ۱۷۵)

● حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اَلْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ'' مدینہ بہتر ہے ان کے لئے کاش کہ جانتے ہوتے۔

(جذب القلوب اردو، ص ۱۰)

● ابن ماجہ اور عبدالحق نے ان لفظوں میں روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ ، فَمَنْ مَّاتَ بِالْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا وَ شَهِيْدًا''

ترجمہ: جو شخص مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ مدینہ میں مرے، پس جو شخص مدینہ میں مرا میں اس کے لئے قیامت میں شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۲)

اسی حدیث کی امام احمد رضا محدث بریلوی ترجمانی فرماتے ہیں کہ ''یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا'' مدینہ منورہ کی مقدس خاک کی قدر و منزلت وہی جانتا ہے کہ جس کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا دریا موجزن ہوتا ہے۔ سرزمین مدینہ منورہ کو اگر شرف حاصل ہے تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے طفیل حاصل ہے۔ یہی شرف مکہ معظّمہ کو بھی حاصل ہے۔

● قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' (پارہ ۳۰، سورۃ البلد، آیت ۱/۲)

ترجمہ: مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ مقدس شہر کی قسم یاد فرماتا ہے۔ اس آیت میں مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ کا ذکر نہیں، بلکہ مطلق فرمایا گیا کہ آپ جس شہر میں تشریف فرما ہو، اس شہر کی قسم۔ چوں کہ یہ آیت کریمہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت شہر سے مراد مکہ تھا کیوں کہ قرآن شریف میں اس شہر کو ''وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' یعنی تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ سے مقید کر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شہر کی قسم یاد فرمانا صرف محبوب کی جلوہ گری سے ہے اور جب وہ محبوب ہجرت فرما کر مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو قسم کا سبب اور

وصف مکہ معظّمہ سے منتقل ہوگیا۔ اور سرزمین مدینہ طیبہ کو یہ شرف حاصل ہوگیا۔ اب محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں اپنی ظاہری زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ اور اب وہ قسم مدینہ منورہ کے متعلق ہوگئی۔ اور پھر ظاہری زندگی سے پردہ فرما کر محبوب سرزمین مدینہ منورہ میں تا قیام قیامت آرام فرما ہیں۔ لہٰذا قسم بھی قیامت تک شہر مدینہ منورہ کے لئے ہوگئی۔

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نہ سنا کہ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کے شہر اور عمر کی قسم یاد فرمائی ہو۔

اسی آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ''بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ الْفَضِیْلَۃِ عِنْدَہٗ اَنْ اَقْسَمَ بِتُرَابِ قَدَمَیْكَ فَقَالَ لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ''

ترجمہ: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی بزرگی اس حد تک پہنچی کہ خدا نے آپ کے قدموں کی خاک کی قسم یاد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ'' (المواہب اللدنیہ، وتفسیر سورہ الم نشرح، ص ۱۸۱)

ظاہر امر ہے کہ کسی شہر کی قسم یاد فرمانے سے مراد شہر کی خاک ہی ہوتی ہے۔ کیوں کہ شہر سے مراد سرزمین ہے جس کی خاک اس شخصیت کے قدموں سے مس کر رہی ہو۔ اور مدینہ منورہ کی خاک؟ اللہ اکبر! اس مقدس خاک میں تمام امراض روحانی و جسمانی کی شفا ہے۔ اور ہر بلا اور آفت و مصیبت، امراض و عذاب سے نجات کا تمغا یعنی سند ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کو استسقاء کی بیماری ہوئی، اس بیماری میں پیٹ بہت بڑھ جاتا ہے اور شدت سے پیاس لگتی ہے۔ اس شخص نے کسی کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے مرض کی شفایابی کے لئے بھیجا۔ حضور نے ایک مٹھی خاک دست اقدس میں لے کر اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا اور اس فرستادہ کو عطا فرما دیا، وہ متعجب اور حیران

ہوا اس نے گمان کیا کہ شاید اس کے ساتھ استہزاء فرمایا ہے، مگر وہ اس خاک کو لے کر مریض کے پاس پہنچا، تو وہ مرنے کے قریب تھا۔ مریض کو جلدی سے وہ خاک چٹائی اور وہ فوراً شفایاب ہوگیا۔ (مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۳۵۸)

❁......❁......❁

(33)

جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

حل لغت:

جلوہ: نمائش کرنا، خود کو دوسروں کو دکھانا، کسی خاص انداز سے سامنے آنا، نمودار ہونا، تجلی، نور، رونق، نظارہ کرنا، معشوق کا ناز و انداز سے چلنا، دولھا، دولھن کا آمنے سامنے ہو کر آئینہ میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنا۔

(فیروز اللغات، ص ۴۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۸)

جویا: ڈھونڈنے والا، تلاش کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۴۸۶ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۵)

رنگ: برن، لون، فام، رنگت، روپ، طرز، روش، قسم، نوع، بہار، خوبی، خوبصورتی، رونق، مثل، مانند، نظیر، رسم، طریقہ، دستور، قاعدہ، مزہ، لطف، خمار، نشہ، طاقت، سلوک، عیب، شرم، ہم سر، جوڑا، مکر، حیلہ، ہنسی، مذاق، نام، راگ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۲۰ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۱)

بو: باس، مہک، خوشبو، بدبو، خبر، بھنک، راز، آن بان شان، شک وشبہ کی جگہ، امید، طمع، سراغ، محبت، خوبی، کاش، شاید۔ (فیروز اللغات، ص ۲۲۱ ☆ لغات کشوری، ۱۰۶)

رنگ و بو: شان و شوکت، رونق، کروفر۔ (فیروز اللغات، ص ۷۲۲)

گل: پھول، جسم کو داغنے کا نشان، چراغ کی بتی کا جلا ہوا یا جلتا ہوا سرا، جوتے کی ایڑی کا چمڑا، معشوق، داغ، دھبہ، پھانسی، حقے کا جلا ہوا تمباکو، وہ سفید دھبہ جو آنکھوں میں پڑ جائے، آگ سے جل جانے کا نشان، آگ کا انگارہ، نتیجہ، بہتر، خوب۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۴)

گل بو: پھول کی خوشبو۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۰)

گل و بلبل: عاشق و معشوق۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۲)

گل زار: رونق۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۱)

گل کھانا: عاشق ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۲)

دوسرے مصرع میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''پھول'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسری مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''معشوق'' ہے۔

دوسرے مصرع میں تیسری مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''عاشق'' ہے۔

دوسرے مصرع میں چوتھی مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''رونق'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ مالک جنت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ایک عالی شان انداز میں بیان فرما رہے ہیں۔ یہ شعر آپ کی اس نعت کا ہے جو آپ نے غزل کے انداز میں کہی ہے اور جس میں آپ نے لفظ ''گل'' کو بحیثیت ردیف استعمال فرمایا ہے۔ نعت کا مطلع یعنی پہلا شعر یہ ہے:

کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل
پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل

پوری نعت شریف عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاداب پھولوں سے لہلہاتی

ہے اور کیف وسرور عشق رسول سے مہک رہی ہے جس کی دل شاد خوشبو سے مومن کا ایمان بھی معطر ہو رہا ہے۔ یہ شعر اس نعت کا دوسرا شعر ہے جس میں آپ ایک پھول سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ

جنت ہے ان کے جلوے سے جو یائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

پہلے شعر کو لغت سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے مثل ومثال حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ خود جنت بھی ان کے جلوے سے رنگ اور بو (خوشبو) تلاش کرتی ہے۔ لہٰذا اے گل (پھول) ہمارے گل (معشوق ومحبوب، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے گل (عاشق، جنت) بھی گل (رونق و جمال) کا سوال کرتا ہے۔ اس شعر میں لفظ ''گل'' کا چار مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور چاروں مرتبہ الگ الگ معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ حل لغت کے کالم میں چاروں معنی ملاحظہ فرمائیں۔ چاروں لفظ ''گل'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ اور اس شعر میں ایک ساتھ دو تجنیسات ہیں اور خوبی کی بات یہ ہے کہ دونوں تجنیسات ایک ہی لفظ ''گل'' میں بیان کی گئی ہیں۔ اردو ادب کے کسی بھی شاعر نے اس طرح ایک ہی لفظ سے چار الگ الگ معنی اخذ کر کے ایک ہی شعر میں ایک ساتھ دو تجنیسات کی مثال پیش نہیں کی۔ یہ تو صرف حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کا خاصہ ہے۔ کیوں کہ ''کلام الامام، امام الکلام''، یعنی امام کا کلام جو ہوتا ہے وہ کلام کا بھی امام ہوتا ہے۔

پھول کی اہمیت اس کی خوشبو اور رنگ وروپ کی وجہ سے ہی ہے۔ خوشبو اور رنگ کی وجہ سے ہی پھول پیارا لگتا ہے۔ حالاں کہ پھول نزاکت ولطافت کا بھی حامل ہوتا ہے۔ لیکن صرف نزاکت جاذب ہونے کے لئے کافی نہیں۔ ویسے تو روئی اور کپاس کا پودا بھی اپنے اندر

نزاکت کا وصف رکھتا ہے لیکن خوشبو اور رنگ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نزاکت غیر جاذب بن کر رہ جاتی ہے اور خوشبو اور رنگ میں زیادہ اہمیت خوشبو کو حاصل ہے۔ اگر کسی پھول میں رنگ کی سجاوٹ ہے، لیکن خوشبو کا فقدان ہے تو پھول صرف دکھاوے کے پھول میں شمار ہوگا اور اس کی اہمیت نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر دھتورا کا پھول جاذب النظر نہیں لیکن اس کی خوشبو دلکش ہے تو وہ پھول ضرور دل کو لبھانے اور دماغ کو معطر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، سیاہ رنگ ہرگز جاذب النظر نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض لوگ سیاہ رنگ کو رنج وغم کی علامت کا غلط نظریہ رکھتے ہیں۔ لیکن اگر سیاہ رنگ میں بھی خوشبو کی آمیزش ہو جائے گی تو وہ خوشبو رنگ کی نحوست کو بھی زائل کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر ''گل مشکی'' یہ ایک سیاہ رنگ کا خوشبودار پھول ہوتا ہے جو اپنی نرالی خوشبو و مہک کی وجہ سے سیاہ رنگ ہونے کے باوجود بھی دلکش ہوتا ہے۔

المختصر! پھول کی اہمیت، نزاکت کے ساتھ ساتھ خوشبو اور رنگ کے ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ گل آفتاب، گل احمر، گل داؤدی، گل سر سبد، گل سوسن، گل شب افروز، گل شبو، گل صد برگ، گل عباسی، گل لالہ، گل مہندی، گل نسرین، گل نیلوفر، گل ہزارہ، گل نسترن جیسے مشہور و معروف پھول نزاکت کے ساتھ ساتھ رنگ و خوشبو کا بھی وصف رکھنے کی وجہ سے شہرت یافتہ ہیں۔

اب اسی نزاکت، رنگ اور خوشبو کے حامل پھول کو مخاطب ہو کر حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں: ''اے پھول! تجھ میں نزاکت، خوشبو اور حسن کا سنگم ہے۔'' یہ تینوں وصف جنتی وصف ہیں کیوں کہ جنت میں لطافت خوشبو اور رنگ ہی ہوگا۔ دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ حسن و جمال اور دنیا کی خوشبو و مہک اور دنیا کی لطافت و نزاکت کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں۔ یہاں تک کہ جنت کی کوئی حور زمین کی طرف جھانکے تو زمین سے آسمان تک روشن ہو جائے۔ اور خوشبو سے بھر جائے اور چاند سورج کی روشنی جاتی رہے۔ تو جب وہ جنت کا جو بقعۂ نور اور قبۂ خوشبو ہے۔ وہ جنت بھی میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوے یعنی

تجلی نور سے رنگ ونور کی طلب گار ہے۔ بلکہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل وجود میں آئی ہے۔

● امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث، احد الاعلام، حضرت عبد الرزاق ابوبکر بن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا وابن سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:

''قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ فَجَعَلَ ذَالِکَ النُّوْرَیَدُوْرُ بِالْقُدْرَۃِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ لَمْ یَکُنْ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّۃٌ وَلَا نَارٌ وَمَلَکٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا اَرْضٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ ، فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذٰلِکَ النُّوْرَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَ مِنَ الثَّانِیْ اَللَّوْحَ وَ مِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَۃَ الْعَرْشِ مِنَ الثَّانِیْ الْکُرْسِیَ وَ مِنَ الثَّالِثِ بَاقِی الْمَلَائِکَۃَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوَاتِ وَ مِنَ الثَّانِیْ اَلْاَرَضِیْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ۔'' (الحدیث بطولہ)

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتادیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی، فرمایا: اے جابر! بیشک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی (ﷺ) کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت لوح وقلم، جنت و دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج چاند، جن آدمی کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا

چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے۔ پہلے حصہ سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصے کے چار حصہ کئے پہلے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی تمام فرشتے بنائے پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے بنائے۔ پہلے حصے سے آسمان دوسرے سے زمینیں اور تیسرے سے جنت و دوزخ بنائے پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے کیئے۔ آخر حدیث تک۔ (صلات الصفاء فی نور المصطفیٰ، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص۳)

● اس حدیث کو امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں

● امام قسطلانی نے ''المواہب اللدنیہ'' میں

● امام ابن حجر مکی نے ''افضل القریٰ'' میں

● علامہ فاسی نے ''مطالع المسرات'' میں

● علامہ زرقانی نے ''شرح المواہب اللدنیہ'' میں

● علامہ دیار بکری نے خمیس میں، اور شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوۃ'' میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حسن، صالح مقبول اور معتمد ہے۔

جنت کا رنگ وروغن نور ورونق اور جنت کی خوشبو ومہک کیسی ہوگی؟ اب وہ دیکھیں۔ احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں علماء وائمہ ملت اسلامیہ نے جنت کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان میں سے ہے کہ:

● جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہیں۔ ایک اینٹ سونے کی ایک اینٹ چاندی کی۔ زمین زعفران کی اور کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت ہیں۔ (بہار شریعت، حصہ ۱، ص۴۴)

● جنت میں چار دریا ہیں۔ ایک پانی کا، دوسرا دودھ کا، تیسرا شہد کا اور چوتھا شراب کا پھر ان سے نہریں نکل کر ہر ایک مکان سے جاری ہیں، وہاں کی نہریں زمین کھود کر نہیں بہتیں۔

بلکہ زمین کے اوپر اوپر رواں ہیں نہروں کا ایک کنارہ موتی کا دوسرا یاقوت کا، اور نہروں کی
زمین خالص مشک کی۔ وہاں کی شراب دنیا کی شراب کی طرح نہیں کہ جس میں بدبو، کڑواہٹ
اور نشہ ہوتا ہے کہ جس کے پینے والے بے عقل ہوجاتے ہیں اور آپے سے باہر ہوکر بیہودہ
بکواس کرتے ہیں۔ وہ پاک شراب ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

(بہار شریعت، حصہ اول ۴۴)

ان تمام اقتباسات کا ماحصل یہ ہے کہ جنت میں ہر طرح کی غایت درجہ نزاکت،
رنگت، لطافت خوشبو اور مہک ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ حدیث جو
مندرجہ بالا مذکور ہوئی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے نور کے چار حصے کیئے، چوتھے حصے کے چھوتھے حصے سے جنت بنائی ہے۔ تو جنت
کی اصل اور جنت کا مبداء و بنیاد نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ جنت اس نور مصطفیٰ کی
ایک فرع اور شاخ ہے اور ظاہر ہے کہ فرع اور شاخ میں جو رنگ اور رونق اور خوشبو اور مہک
ہوتی ہے۔ وہ اس کی اصل اور جڑ کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے۔
تو جو ذات پاک اللہ کے نور سے بنی ہو اس کے نور، حسن و جمال اور نورانیت میں شک کی
گنجائش ہی نہیں۔ اور اس نوری جسم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ اس جسم
اطہر سے جو بھی شئ خارج ہوتی ہے وہ نور اور خوشبودار ہی ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے جسم اقدس کی خوشبو کے تعلق سے کچھ واقعات حدیث کی روشنی میں شعر نمبر 114

خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ
زندگی کا میرے گل ہوگا چراغ

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تبرکاً ایک دو روایات پیش خدمت ہیں۔

● حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر ایک خوشبو مشک ہو یا عنبر

سونگھی ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبوئے اطہر سے زیادہ کوئی نہ تھی۔

(مدارج النبوۃ، از شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۷)

● حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھیں، وہ فرماتی
ہیں کہ رات کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تخت مبارک کے نیچے پیالہ رکھا جاتا تا کہ
اگر رات میں ضرورت ہو تو اس میں بول (پیشاب) فرمادیں۔ چنانچہ ایک رات جب آپ
نے بول مبارک فرمایا اور صبح ہوئی تو حضور نے ام ایمن سے فرمایا کہ اس تخت کے نیچے ایک
پیالہ ہے اسے زمین کے سپرد کر، لیکن انہوں نے اس پیالہ میں کچھ نہ پایا۔ ام ایمن نے عرض کیا
یارسول اللہ! رات مجھے پیاس معلوم ہوئی تو میں نے اسے پی لیا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور ام ایمن سے فرمایا کہ ''اب تمہیں کبھی پیٹ کا درد لاحق نہ ہوگا''

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۵۰)

● ایک عورت تھیں جن کا نام ''برکہ'' رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ بھی آپ کی خدمت میں رہا
کرتی تھیں، انہوں نے بھی ایک مرتبہ آپ کا بول شریف پی لیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا ''تم ہمیشہ کے لئے تندرست بن گئیں اب کبھی بیمار نہ ہوگی، چنانچہ وہ عورت
کبھی بھی بیمار نہ ہوئیں''۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۵۰)

● شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک
شخص نے آپ کا بول شریف پی لیا تھا۔ تو اس کے جسم سے ہمیشہ خوشبو مہکتی رہتی۔ حتیٰ کہ اس کی
اولاد میں کئی نسلوں تک یہ خوشبو رہی۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۵۰)

اب آیئے! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع اول پر غور
کریں کہ ''جنت ہے ان کے جلوے سے جویائے رنگ و بو'' یعنی جنت بھی میرے آقا و مولیٰ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوے سے رنگ و بو یعنی شان وشوکت تلاش کر رہی ہے۔ اس شعر

میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''جلوے'' مفرد استعمال فرمایا ہے۔ جمع ''جلوؤں'' استعمال نہیں فرمایا۔ یعنی صرف ایک جلوے نے جنت کو شان وشوکت بخش دی۔ اور وہ جلوہ ہے شب معراج کا۔ شب معراج میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم اقدس کے ساتھ جنت کی سیر کرنے تشریف لے گئے تھے۔ واقعۂ معراج اور اس کے اسرار شعر نمبر 71

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

اور شعر نمبر 102

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر صرف اتنا ہی ملاحظہ ہو کہ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قدم ناز سے جنت کی سیر فرما کر جنت کی شان وشوکت کو دوبالا فرمایا۔ جسم اقدس کی خوشبو نے جنت کو معطر کر دیا ہے۔ صرف ایک مرتبہ جنت کی سیر فرما کر اپنے ایک ہی جلوے سے جنت کو زینت بخشی، اور تن مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو سے بہشت بھی عنبر سارا ہوگئی۔ لیکن یہاں ایک پیچیدہ مسئلہ وہ لوگ کھڑا کر رہے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے منکر ہیں۔ عظمت رسول سے جلنے والے گروہ نے ایک فتنہ یہ مچا رکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی تھی۔ آپ اپنے جسم اقدس کے ساتھ معراج میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ تو جب یہ منکرین جسمانی معراج کے قائل نہیں تو پھر شب معراج جسم اقدس کے ساتھ جنت میں تشریف لے جانے کے بھی قائل نہیں۔ تو لامحالہ وہ جنت کو قدم ناز سے زینت بخشنے کے منکر ہیں۔ ایسے منکرین کو ساکت ومبہوت کرنے کے لیے الحمدللہ! اہل سنت وجماعت کے پاس دلائل وشواہد

موجود ہیں۔

- صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور تصانیف طبرانی ابن ابی حاتم وابن مردویہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث شفاعت مروی ہے اس طویل حدیث کے اختتام پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

''فَیَاْتُوْنِیْ فَیَاْذَنُ اللّٰہُ لِیْ اَنْ اَقُوْمَ اِلَیْہِ فَیَثُوْرُ مِنْ اَطْیَبِ رِیْحٍ مَا شَمَّھَا اَحَدٌ قَطُّ حَتّٰی اٰتِیَ رَبِّی فَشَفَّعْنِیْ وَ یَجْعَلُ لِیْ نُوْرًا مِنْ شَعْرِ رَاْسِیْ اِلٰی ظِفْرِ قَدَمِی۔''

ترجمہ: لوگ میری خدمت میں حاضر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اذن دے گا۔ میرے کھڑے ہوتے ہی وہ خوشبو مہکے گی جو آج تک کسی دماغ نے نہ سونگھی ہوگی۔ یہاں تک کہ میں اپنے رب کے پاس حاضر ہوں گا، وہ میری شفاعت قبول فرمائے گا۔ اور میرے سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک نور کر دے گا۔

(تجلی الیقین بان سیدنا شفیع المرسلین، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۳۲، حدیث نمبر ۳۵)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بروز قیامت جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور استادہ ہوں گے، تب ایک انوکھی اور بے مثال خوشبو مہکے گی اور حضور سر سے لے کر پاؤں تک نور سے بھر جائیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ حضور جنت میں سب سے پہلے تشریف لے جائیں گے۔

- مسند احمد اور صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ ؟ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ ، فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔''

ترجمہ: میں روز قیامت جنت کے دروازے پر تشریف لا کر کھلواؤں گا تو داروغہ عرض کرے گا کون؟ میں فرماؤں گا، محمد (ﷺ) داروغہ عرض کرے گا مجھے آپ ہی کے واسطے حکم تھا، کہ آپ کے پہلے کسی کے لئے نہ کھولو۔ (تجلی الیقین، ص ۱۲۷، حدیث نمبر ۳۰)

- ابونعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ وَلَا فَخْر۔''

ترجمہ: میں سب سے پہلے جنت میں رونق افروز ہوں گا اور کچھ فخر مقصود نہیں۔ حضور کے جنت میں سب سے پہلے تشریف لے جاتے ہی جنت کی رونق اور مہک میں اضافہ ہوجائے گا۔ اور جنت کی نورانیت ومہک شباب پر آجائے گی۔ معراج کی شب حضور کے جسم اقدس کے ساتھ جنت میں تشریف لے جانے کا انکار کرنے والوں کو یہاں انکار کرنے کی گنجائش نہیں۔

خیر! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان احادیث کی روشنی میں پھول سے خطاب کرتے ہوئے مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ

اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

یعنی اے پھول ہمارے گل (محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے گل (عاشق یا جنت) کو سوال گل (یعنی رونق) ہے۔

❖......❖......❖

(34)

اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں

حل لغت:

زم زم: سریانی زبان میں اس کا معنی تھم تھم ہے۔ (حدائق بخشش، حصہ ۲، ص ۲۴)

تھمنا: رکنا، ٹھہرنا، وقفہ کرنا، چپ ہوجانا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۹۷)

تھم: تھمنا کا صیغہ امر ہے، رک جا، ٹھہر جا، وقفہ کرنا، چپ ہوجا، تھم تھم کے معنی ہوں گے رک جا، رک جا، ٹھہر جا ٹھہر جا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۹۷)

جم جم: عربی زبان کا لفظ ہے معنی ہیں کثیر کثیر، زیادہ زیادہ، بہت بہت۔

بیش: زیادہ، افزوں، بہت، ادھک۔

(فیروز اللغات، ص ۲۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۲ ☆ کریم اللغات، ص ۲۷)

کثرت: زیادتی، بہتات، انبوہ، ہجوم، بھیڑ، جھرمٹ۔

(فیروز اللغات، ص ۹۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۸)

کوثر: بہشت کی نہر، جنت کا حوض، بڑا سخی، بڑی بخشش والا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۰۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۱)

کم کم: تھوڑا تھوڑا، کبھی کبھی، آہستہ آہستہ، بتدریج۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۷)

نوٹ: بزبان عربی کم کے معنی ہوتے ہیں کتنا، یعنی مقدار جاننے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

زم زم: بیت اللہ کے کنویں کا نام ہے۔ ایک کنواں ہے کعبہ کے پاس۔

(فیروز اللغات، ص ۷۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۸۴)

پہلے مصرع میں جولفظ ''زم زم'' ہےاس کا مطلب ''رک جا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''زم زم'' ہے اس کا مطلب ''زم زم کا کنواں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عشق نبی آخر الزماں ، افضل الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجدانی کیفیت ایک عجیب وغریب انداز میں بیان کررہے ہیں۔اور یہ باور کرار ہے ہیں کہ جس طرح محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ ہیں اسی طرح ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز افضل واعلیٰ ہے۔ اس شعر میں آپ نے چاہ زم زم اور حوض کوثر کا تقابل کیا ہے۔چوں کہ زم زم کے چشمے کو حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہے اس چشمہ کے وجود میں آنے کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو لے کر مکہ جیسے بیابان میں تھیں۔اور آپ پیاس کی شدت سے بے چین و بے قرار تھے۔آپ کی یہ حالت دیکھ کر آپ کی والدہ ماجدہ تڑپ اٹھیں اور آپ کو ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی تھیں۔شدید جستجو کے بعد بھی آپ کو پانی دستیاب نہ ہوا، ناچار مایوس ہوکر اپنے لخت جگر کے پاس واپس پلٹیں کہ دیکھوں میرے لال کی کیا حالت ہے؟ادھر یہ معاملہ ہوا کہ جب حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر گئیں،تو حضرت اسماعیل شدت پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے تھے،اور اپنے ننھے ننھے مقدس پاؤں سے زمین رگڑ رہے تھے۔ رحمت خداوندی کا دریا جوش میں آیا اور جس جگہ آپ اپنے پاؤں کی ایڑی رگڑ رہے تھے۔اس جگہ سے قدرتی طور پر اچانک پانی ابلنا شروع ہوا۔حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنے

نور چشم کے پاس واپس آئیں،تو وہ حیرت میں پڑ گئیں۔کیوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے ملحق زمین سے آہستہ آہستہ پانی ابل رہا تھا۔حضرت ہاجرہ پانی کو دیکھتے ہی فرط مسرت سے جھوم اٹھیں، پانی آہستہ آہستہ ابل کر زمین پر پھیل رہا تھا۔زمین ریتیلی تھی آپ کو یہ خوف تھا کہ کہیں پانی ریت میں مل کر خشک ہوکر ضائع نہ ہوجائے،اسی لئے انہوں نے پانی کے اردگرد دائرہ کھینچ کر فرمایا۔زم زم یعنی ٹھہر ٹھہر یہ لفظ زم زم سریانی زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنی ہیں، تھم تھم۔حضرت ہاجرہ کا زم زم خطاب اس پانی سے تھا۔لہٰذا اس پانی کی وجہ تسمیہ ٹھہرا اور اس پانی کا نام آب زم زم مشہور ہوا۔حضرت ہاجرہ کا حکم پا کر وہ پانی اس دائرے میں محدود ہوکر کنواں ہوگیا۔حدیث میں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر حضرت ہاجرہ اسے نہ روکتیں تو وہ سمندر ہوجاتا''

الحاصل! زم زم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہے۔زم زم کا پانی دنیا کے سب پانی سے افضل واعلیٰ ،خوش ذائقہ،مفید اور مفرح ہے۔احادیث میں زم زم کے پانی کی بے شمار فضیلتیں وارد ہیں۔زم زم کے کنویں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی ہے کہ کروڑوں آدمی اس کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں پھر بھی وہ کبھی خشک نہ ہوا۔آب زم زم کی کثرت وبرکت کا سب کو اقرار ہے۔لیکن آب زم زم کی کثرت اپنی جگہ مسلم،مگر حوض کوثر کی کثرت اس سے بہت ہی زیادہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ ''اِنَّا اَعۡطَیۡنَاکَ الۡکَوۡثَرَ'' (پارہ ۳۰،سورۃ الکوثر،آیت ۱)

ترجمہ: اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا۔یعنی بہت سی خوبیاں عطا کیں۔ (کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت ہے کہ حضور اقدس، مالک کوثر وجنت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ '' اَلۡکَوۡثَرُ نَھۡرٌ فِیۡ

الُــجَــنَّةِ ‘‘یعنی کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے،جس کی درازی ایک ماہ کی راہ ہے۔اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے کوزے ستاروں کی طرح روشن ہیں اور ان کوزوں کی تعداد ستاروں سے زیادہ ہے۔ جو شخص اس سے ایک مرتبہ پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ثابت ہوا کہ چاہ زم زم کے مقابلے میں حوض کوثر میں بے انتہا کثرت ہے۔اس کے پانی کے اوصاف میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید ہوگا۔دودھ جیسا سفید نہیں کہا گیا۔شہد جیسا میٹھا نہیں کہا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ سفیدی میں مٹھاس میں ٹھنڈک اور خوشبو میں زیادہ ہوگا۔حوض کوثر میں تو کثرت ہے ہی بلکہ اس کے پانی کے اوصاف میں بھی کثرت ہے۔اسی کثرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی ایک اچھوتے اور انوکھے انداز میں زم زم اور کوثر کا تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں زم زم کی طرح تھم تھم ہے یا کوثر کی طرح بیش،یعنی کثرت ارے زم زم میں تو کم کم یعنی کتنا ہے۔ یہ سوال ہے۔کم کم کے معنی عربی زبان میں کتنا کتنا ہوتا ہے۔اور اردو میں تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے۔ دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہوا کہ حوض کوثر کہ جس کو میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہے اس کے مقابلے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت رکھنے والے زم زم کی مقدار تھوڑی اور کم ہے۔کتنی کم ہے؟ کوثر کی کتنی کثرت ہے؟ جتنی کثرت درجہ و مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے اتنی کثرت کوثر کو زم زم سے ہے۔

❖......❖......❖

(35)

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

ریش: ڈاڑھی،مرد کے چہرے کے بال،خط۔

(فیروز اللغات،ص۷۴۳☆لغات کشوری،ص۳۳۹)

معتدل: اعتدال،درمیانی درجہ کا،متوسط،مدھم،موافق،مساوی یعنی جس میں زیادتی اور کمی نہ ہو،مزاج جس میں افراط اور تفریط نہ ہو۔

(فیروز اللغات،ص۱۲۶۲☆لغات کشوری،ص۷۱۷☆کریم اللغات،ص۱۶۰)

مرہم: وہ گاڑھی اور نرم و چکنی دوا جو زخم پر لگائی جائے،کسی قسم کے زخم کا علاج،وہ چیز جو تسکین دے۔(فیروز اللغات،ص۱۲۳۵☆لغات کشوری،ص۶۹۱☆کریم اللغات،ص۱۵۲)

ریش: زخم،زخمی،زخم کرنے والا،اردو میں صرف مرکبات میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: دل ریش۔ (فیروز اللغات،ص۷۴۳☆لغات کشوری،ص۳۳۹)

ہالہ: دائرہ،کنڈل،چاند کا کنڈل جو بخارات ارض سے چاند کے گرد پڑتا ہے اس کو فارسی میں خرمن ماہ بھی کہتے ہیں۔یہ کبھی سورج کے گرد بھی پڑتا ہے،بعضوں نے لکھا ہے کہ چاند کا ہالہ دلیل ہے مینھ کے برسنے کی،اور سورج کا ہالہ دلیل ہے جنگ اور مقاتلہ کی۔(فیروز اللغات،ص۱۴۲۹☆لغات کشوری،ص۸۱۰☆کریم اللغات،ص۱۹۴)

ندرت: عمدگی،انوکھا پن،کمیابی،نادر،تنہائی،کمی،اکیلا،فرد ہونا،تحفگی۔

(فیروز اللغات،ص۱۳۵۴☆لغات کشوری،ص۷۷۲☆کریم اللغات،ص۱۸۱)

پہلے مصرع میں شروع میں جولفظ ''ریش'' ہےاس کا مطلب ''ڈاڑھی'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جولفظ ''ریش'' ہےاس کا مطلب ''زخم'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک ریش اطہر یعنی ڈاڑھی کی زینت، جاذبیت، اعتدال، حسن و جمال، رونق، نورانیت، عمدگی اور فیض وکرم کا ذکر کرتے ہوئے لاکھوں سلام پیش کررہے ہیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ ریش خوش معتدل، یعنی اعتدال والی ڈاڑھی مبارک کی وہ کرم نوازی ہے کہ وہ مرہم ریش دل یعنی زخمی دلوں کا مرہم وعلاج ہے۔ یہ ڈاڑھی مبارک ہالہ، دائرہ یا کنڈل کی شکل میں انوکھے چاند کے ارد گرد یعنی کہ چہرۂ اقدس کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ کے کلام کا ہر لفظ قرآن وحدیث کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔ کوئی بھی بات بغیر دلیل وثبوت کے آپ نہیں کہتے تھے۔ شعر میں جو ریش خوش معتدل کا جملہ ہے وہ بعینہ حدیث کا ترجمان ہے۔

- حضرت ہند بنت ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثُّ اللِّحْيَةِ'' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک گنجان یعنی گھنی اور متصل تھی۔
- مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی داڑھی مبارک کا تذکرہ ان الفاظ میں سنا کہ ''كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَدَ اللِّحْيَةِ'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک خوب سیاہ یعنی کالی تھی۔

- حضرت ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ''اَسْوَدُ اللِّحْيَةِ حُسْنُ الشَّعْرِ مَفَاضُ اللِّحْيَيْنِ'' یعنی ڈاڑھی مبارک کے بال نہایت سیاہ اور خوبصورت تھے۔ اور وہ دونوں طرف سے برابر تھی۔
- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ریش مبارک نہایت خوبصورت اور خوب سیاہ تھی، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے متعلق اور بھی کئی روایات ہیں لیکن یہاں پر بلحاظ اختصار مذکورہ بالا روایات پر اکتفاء کیا گیا۔

انسان کے جسم کے حسن و جمال کا آئینہ اس کا چہرہ ہوتا ہے۔ بلکہ انسان کا چہرہ اس کے اطوار واخلاق کی ترجمانی کرتا ہے، آدمی کے چہرہ کی زینت ڈاڑھی ہے اور ڈاڑھی وہی خوبصورت لگتی ہے جو گھنی ہو، اور ساتھ میں وہ دونوں رخساروں پر فراخی سے پھیلی ہو۔ اور اس میں بھی خوبصورت آدمی کے چہرہ پر سیاہ ڈاڑھی تو ایسی محسوس ہوتی ہے کہ کالے بادلوں کے درمیان چاند طلوع ہے۔ لیکن سیاہ فام مکھڑے پر ہلکی ہلکی اور پتلی پتلی غیر متصل ڈاڑھی میں وہ زینت نہیں جو خوبصورت چہرہ پر سیاہ ڈاڑھی میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی خوبصورتی کے سامنے تو چودھویں رات کے چاند کی خوبصورتی بھی ماند پڑ جاتی ہے۔

اس خوبصورت رخ انور پر جو ڈاڑھی تھی وہ بالکل سیاہ، گنجان اور دونوں طرف سے اعتدال والی تھی، اس معتدل ڈاڑھی کی وجہ سے رخ انور کے حسن میں چار چاند لگ گئے تھے۔ اس چہرۂ انور کی زینت یعنی ڈاڑھی مبارک کو حضرت رضا بریلوی نے زخمی دلوں کا مرہم اور علاج کہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کئی زخمی دلوں نے صرف اس مقدس چہرے کا دیدار کر کے اپنے زخمی اور مردہ دلوں کی صحت وحیات حاصل کی ہے۔ تاریخ کے صفحات ایسے بے شمار واقعات سے مزین ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کو ''ہالہ ماہ ندرت'' یعنی انوکھے چاند کا کنڈل کہہ کر تعریف کا حق ادا کرنے کی سعی بلیغ کے ساتھ

ساتھ فلکیات سے تعلق رکھنے والے علم ہیئت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ علم ہیئت میں ہالہ اس دائرے یا کنڈل کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی چاند اور سورج کے اردگرد بن جاتا ہے اور چاند سورج اس گھیرے میں آجاتے ہیں۔ یہ ہالہ بخارات ارضی کی وجہ سے بنتا ہے۔ یہ ہالہ زمین سے صاف نظر آتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے بلکہ اکثر نے دیکھا ہے۔ چاند کے ہالہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ جب چاند کے اردگرد ہالہ بنتا ہے تو علم نجوم کے اعتبار سے بارش ہونے کی امید کی جاتی ہے چاند کے بدلے اگر یہ ہالہ سورج پہ بنتا ہے تو جنگ اور مقاتلہ سے آگاہی ہوتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ڈاڑھی مبارک کو ''ہالہ'' سے تشبیہ دے کر امید نہیں بلکہ یقین کے درجہ میں کہہ رہے ہیں کہ جب آسمان کے چاند پر ہالہ بنتا ہے تو پانی برستا ہے۔ لیکن یہ ڈاڑھی مبارک تو رحمت کے چاند پر بشکل ہالہ رحمت کی بارش ہونے کی آگاہی کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں چاند پر ہالہ ہمیشہ نہیں بنتا۔ آسمان کے چاند پر تو کبھی کبھار ہی ہالہ بنتا ہے لیکن خدا کی رحمت کے چاند صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر مستقل طور پر ہالہ (ڈاڑھی) ہے۔ تو رحمت کی بارش بھی مستقل ہوتی رہے گی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے ماہ ندرت سے چہرۂ اقدس کو متصف کیا ہے اس میں یہ راز ہے کہ یہ چاند آسمان دنیا کے چاند کی طرح نہیں جو طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ روشنی میں قلت و کثرت، فضا کی تبدیلی سے موثر ہوتا ہے۔ بادل کے سبب چھپ جاتا ہے۔ چہرے پر داغ ہے۔ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لاسکتا وغیرہ وغیرہ، کیوں کہ یہ ماہ ندرت، انوکھا چاند ہے۔ اس میں غروب، گھٹنا، قلب نور، ماحول کے اثرات سے موثر ہونا، چہرے کا داغدار ہونا، غیر کی روشنی کی تاب نہ لاسکنا، جیسے عیوب ونقائص کا کوئی امکان ہی نہیں۔ بلکہ چاند سورج بھی اپنی روشنی کے حصول کے لئے اسی ماہ ندرت کی گدائی کرتے ہیں۔ اس ماہ ندرت کے چہرۂ اقدس پر داغ ہونے کی بات تو بہت بعید ہے، بلکہ اگر چاند ان کے مقدس تلوے کی رہ گزر کی خاک اپنے چہرے پر مل لیتا تو چاند کا چہرہ بھی داغ سے صیقل ہو جاتا۔ حضرت رضا بریلوی اس بات کو ایک

مقام پر ایک نرالے انداز میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کی رہ گزر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھنا مٹے تھے

حضرت رضا بریلوی کے مندرجہ بالا شعر کو مشعل راہ و ماخذ بنا کر در رضا کے گداوفقیر نے یوں عرض کیا ہے کہ:

جو ملتا چاند ان کی رہ گزر کی خاک چہرے پر
طفیل خاک کے مٹتے یہ سارے داغ صورت سے

(مصروفؔ، ہمدانی)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کو ایسا ''ماہ ندرت'' بنا کر بھیجا کہ جس کے نور نے پوری کائنات کو منور فرمادیا۔ حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں اپنے آقا ومولیٰ کے چہرہ کو ماہ ندرت کہا۔ لیکن مہر ندرت نہیں کہا۔ اگر مہر ندرت کہتے تو معنی ہوتے ''انوکھے سورج'' اور یہ بات مسلم ہے کہ چاند کے مقابلے میں سورج کی روشنی ہزار ہا درجہ زیادہ ہے۔ لہٰذا چاند کے بجائے سورج کہتے تو زیادہ مناسب تھا۔ بظاہر تو یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مناسب نہیں کیوں کہ علم ہیئت اور علم نجوم کے اعتبار سے جب چاند کے بجائے سورج پر ہالہ بنتا ہے تو وہ علامت ہوتی ہے جنگ اور مقاتلہ کی۔ جنگ اور مقاتلہ میں ضرب وشدت ہوتی ہے۔ اور فریقین میں سے ایک کے لئے نتائج نقصان دہ ہوتے ہیں۔ جب کہ بارش کے نتائج میں فوائد ہی فوائد ہیں۔ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام عالمین کے لئے سراپا رحمت ہی رحمت ہے، ان کی رحمت کی بارش سے کائنات کا ذرہ ذرہ بہرہ مند ہو رہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا، اسی لئے حضرت رضا نے ''مہر ندرت'' کے بجائے ''ماہ ندرت'' کا استعمال فرمایا ہے۔

(36)

تشنہ نہر جناں ہیں عربی و عجمی
لب ہر نہر جناں تشنہ نیسان عرب

حل لغت:

تشنہ: پیاسا، خواہش مند۔

(فیروز اللغات، ص۳۶۱ ☆ لغات کشوری، ص۱۴۷ ☆ کریم اللغات، ص۳۷)

نہر: آب جو، چشمہ، دریا کی شاخ، پانی کی بڑی نالی جو آب پاشی کے لئے کھودی جائے، کسی پر چلا کر غصہ کرنا، منع کرنا، گھڑکنا، وہاراہ۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۸۹ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۸)

جناں: جنت کی جمع، بہشتیں، دل، بہشت۔

(فیروز اللغات، ص۴۷۳ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۱ ☆ کریم اللغات، ص۴۹)

لب: ہونٹ، کنارہ، طرف، جانب، ساحل، کراڑا، لعاب دہن، ہونٹوں کے اوپر کے بال، مونچھ، لبالب۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۴۵ ☆ لغات کشوری، ص۶۳۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۶)

نیساں: قدیم شام کی ساتویں مہینہ کی بارش، بیساکھ، اپریل مئی کا موسم، اس مہینہ بھر آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے اور اس مہینہ کے قطروں سے سیپ میں موتی پیدا ہوتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۹۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''تشنہ'' ہے اس کا مطلب ''خواہش مند'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''تشنہ'' ہے اس کا مطلب ''پیاسا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمد وثنا میں کمال عشق اور حسن ظن کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جنت کی نہر یعنی نہر کوثر کا عرب کا ہر باشندہ اور عجم کا ہر باشندہ یعنی تمام انسان قیامت کے دن خواہش مند ہوں گے۔ لیکن جنت کی ہر نہر کے لب حضور اقدس محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کی بارش کے پیاسے (تشنہ) ہوں گے۔ اس شعر میں لفظ ''تشنہ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ تشنہ ہے اس کا معنی خواہش مند ہے، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''تشنہ'' ہے اس کا معنی ''پیاسا'' ہے۔ یہ دونوں لفظ ''تشنہ'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر کی ابتداء میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ: ''تشنہ نہر جناں ہیں'' یعنی جنت کی نہر کے خواہش مند ہیں۔ کون؟ عربی و عجمی؟ یعنی بنی نوع انسان کا ہر فرد، پھر چاہے وہ ملک عرب کا رہنے والا ہو یا غیر ملک عرب کا باشندہ ہو۔ وہ مرد ہو یا عورت، نیک ہو یا بد، ہر انسان جنت کی نہر یعنی نہر کوثر کا خواہش مند ہے۔ کہاں اور کیوں؟ میدان محشر میں جہاں لوگ پیاس کی شدت سے بے چین و بے قرار ہوں گے۔ اس دن آفتاب میں دس سال کی گرمی ہوگی اور آفتاب بالکل سر کے قریب ہوگا۔ آفتاب کی حرارت و گرمی کی وجہ سے پیاس کا یہ عالم ہوگا کہ زبانیں باہر آجائیں گی۔ اور لوگ ''العطش العطش'' یعنی ''پیاس، پیاس'' پکاریں گے۔

- امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی حضرت ابوہریرہ سے اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے حضرت انس سے اور ترمذی و ابن خزیمہ نے حضرت ابوسعید خدری سے اور احمد و

بزار وابن حبان وابویعلی نے حضرت ابوبکر صدیق سے اور احمد وابویعلی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مرفوعاً اور عبداللہ بن مبارک وابن ابی شیبہ وابن ابی عاصم وطبرانی نے بسند صحیح حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے موقوفاً روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''روز قیامت اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو ایک میدان وسیع وہموار میں جمع کرے گا کہ سب دیکھنے والے پیش نظر ہوں اور پکارنے والے کی آوازیں سنیں، وہ دن طویل ہوگا اور آفتاب کو اس روز دس برس کی گرمی دیں گے۔ پھر لوگوں کے سروں سے نزدیک کریں گے۔ یہاں تک کہ بقدر دو کمانوں کے فرق رہ جائے گا۔ پسینے آنے شروع ہوں گے۔ قد آدم پسینہ تو زمین میں جذب ہو جائے گا پھر اوپر چڑھنا شروع ہوگا، یہاں تک کہ آدمی غوطہ کھانے لگیں گے۔ (آخری حدیث تک)

(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۱۳ تا ۱۱۵)

- امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا اور ہر ایک پکارنے والے کی آواز سنیں گے، ان کی نگاہیں ماخذ ہوں گی اور سورج قریب ہوگا۔ لوگوں کو اتنا کرب وغم پہنچے گا کہ وہ برداشت نہ کرسکیں گے۔ اور نہ اس کا تحمل کرسکیں گے۔

(خصائص کبریٰ، از: امام اجل جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۴۶۷)

- بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب بہت نزدیک ہوگا، یہاں تک کہ پسینہ آدھے کان تک پہنچے گا۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۴۷۴)

ایسے سنگین ماحول میں لوگ پیاس کے مارے تڑپتے ہوں گے اور تمنا کرتے ہوں گے کہ کاش تھوڑا سا پانی مل جائے لیکن اس دن تو سوائے حوض کوثر کہاں سے پانی میسر ہو؟ لہٰذا لوگ تمنا کریں گے کہ حوض کوثر کا پانی میسر ہو جائے، اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و

الرضوان فرماتے ہیں کہ:

تشنہ نہر جناں ہیں عربی و عجمی

اب نہر کوثر اور حوض کوثر کے متعلق کچھ معلومات اور تفصیل ملاحظہ ہو۔

- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ حوض کوثر کے تعلق سے وارد احادیث کثیرہ کا ماحصل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حوض کوثر کے ساتھ خصوصی فضیلت بخشی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا میرے حوض کی درازی ایک ماہ کی مسافت ہے۔ اور اتنی ہی اس کی چوڑائی ہے ایک روایت میں ہے چاندی سے زیادہ سفید اور بعض روایتوں میں برف سے زیادہ سفید آیا ہے، اس کی خوشبو مشک نافہ سے زیادہ تیز ہے اور اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور ارد گرد موتیوں کے قبے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۸۳)

- ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے حوض کوثر دیا گیا، جس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، اردو ترجمہ، ص ۴۸۴)

- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہر آئی، جس کے دونوں جانب موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کوثر یہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کوثر کی مٹی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور دیکھایا کہ وہ مشک ہے۔

(کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، از: حضرت قاضی عیاض مالکی اندلسی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۴۳)

- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر مرحمت فرمائی ہے۔ جو جنت میں ایک نہر ہے اور میرے

حوض میں آکر گرتی ہے۔ (کتاب الشفا شریف، اردو، جلد ا، ص ۳۴۴)

یہاں تک تو حوض کوثر کے تعلق سے گفتگو ہوئی کہ قیامت کے دن اس مقدس نہر کا پانی بلکہ اس پانی کا ایک قطرہ حاصل کرنے کے لیے لوگ تڑپتے ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

- یہاں ایک خاص نکتہ کی نشان دہی کرنا ضروری ہے کہ نہر کوثر اور حوض کوثر دونوں الگ ہیں، نہر کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے، جس کی تفصیل اوپر گزری۔ یہ نہر کوثر بہتی بہتی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض کوثر میں آکر گرتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث میں حضرت حذیفہ کے الفاظ وارد ہیں کہ ''کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں آکر گرتی ہے۔'' تو ثابت ہوا کہ نہر کوثر کا پانی حوض کوثر میں جمع ہوگا۔ اور حوض کوثر سے مالک کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو پلائیں گے۔
- مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت میرے پاس میرے حوض پر مجتمع ہوگی۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۴۸۴)

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ میری امت میرے حوض پر آئے گی یعنی کہ حوض کوثر پر آئے گی۔ حدیث میں نہر کوثر نہیں کہا گیا، کیوں کہ نہر کوثر خود حوض کوثر میں گرے گی۔ اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے الفاظ کو بغور دیکھیں۔ آپ مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ ''لب نہر جناں تشنہ نیسان عرب''، یعنی جنت کی ہر نہر کا لب یعنی نہر کا کنارہ، جانب، طرف، ہونٹ، نیسان عرب کا پیاسا ہے۔ نیسان عرب سے مراد ''حوض کوثر'' ہے اور نیسان عرب سے مراد حوض کوثر کیوں ہے؟ وہ اس شعر کی تشریح کے اختتام پر عرض کروں گا۔

''لب ہر نہر کا کنارہ''، یعنی جنت کی جتنی بھی نہریں ہیں ان کا کنارہ۔ تو ثابت ہوا کہ جنت میں اور بھی نہریں ہیں۔ مثلاً:

تسنیم : بہشت کی ایک نہر کا نام ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۶۰)
سلسبیل : بہشت کی ایک نہر ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۰۶)
کوثر : بہشت کی ایک نہر ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۴۱)

کوثر، تسنیم اور سلسبیل یہ تینوں جنت کی نہروں کے نام ہیں۔ اور بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان پوری نوع انسانی تو قیامت کے دن جنت کی نہر کی خواہش مند ہوگی لیکن اس دن جنت کی ہر نہر حوض کوثر کی پیاسی ہوگی۔ کیوں کہ حوض کوثر کا کنارہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں کئی نہریں سما جائیں گی۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ حوض کوثر کا طول و عرض یعنی لمبائی اور چوڑائی ایک ماہ کی مسافت ہے اور جس کی اتنی وسیع پیمانے پر لمبائی اور چوڑائی ہو اس میں کئی نہروں کا پانی سما سکتا ہے۔ جنت کی ہر نہر تشنہ نیسان عرب اس لئے ہے کہ جنت کی ہر نہر یہ چاہتی ہے کہ امت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میرا پانی پیئے، تا کہ اس بہانے سے امت مصطفیٰ کی میں خدمت کر کے رضائے مصطفیٰ حاصل کروں۔ لیکن امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہر کوثر سے نہیں بلکہ حوض کوثر سے پانی پیئے گی۔ اس لئے جنت کی ہر نہر چاہتی ہے کہ میں جلد از جلد حوض کوثر سے جا ملوں اور اپنے وجود کو حوض کوثر میں تبدیل کر دوں۔ اپنے وجود کو حوض کوثر میں فنا کر دینے کی ہر نہر جنت اس لئے تمنا کرتی ہے کہ حوض کوثر سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جام بھر بھر کر غلاموں کو پلائیں گے اور حضور جب حوض کوثر سے اپنے دست اقدس سے جام بھریں گے تو یقیناً حوض کوثر کے پانی سے آپ کا دست اقدس مس ہوگا اور اس دست اقدس کو چھونے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جنت کی ہر نہر وصال دست اقدس کی پیاس کی شدت میں بے قرار ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر ہو جائے اور میرا پانی حوض کوثر میں دیر سے پہنچے۔ اور میں دست اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بوسہ لینے سے محروم رہ جاؤں۔ یہی

مطلب و معنی ہے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی ’’لب ہر نہر جناں تشنہ نیسان عرب‘‘ کا۔

حوض کوثر کو نیسان عرب کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ’’نیسان‘‘ اس بارش کو کہتے ہیں کہ جس برسات کے قطروں سے سیپ میں موتی پیدا ہوتا ہے۔ سیپ سمندر میں ہوتا ہے۔ جب آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے تب سمندر کے پانی کی سطح پر سیپ آجاتے ہیں اور آسمان کی طرف اپنا منھ کھول کر تیرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہی سیپ کے منھ میں بارش کا قطرہ گرتا ہے وہ اپنا منھ بند کر کے پانی کے اندر گہرائی میں چلا جاتا ہے۔ اور چند عرصہ کے بعد وہ پانی کا قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ قطرے سے موتی بننے کی صلاحیت صرف نیسان بارش کے پانی کے قطروں میں ہوتی ہے۔ دیگر مہینوں کی بارش کے قطروں میں یہ خوبی نہیں۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس سے جو بھی حوض کوثر کے پانی کا قطرہ پی لے گا اس کو ایمانی اور روحانی سیرابی کا موتی میسر آجائے گا اور بہ ارشاد حدیث جو ایک مرتبہ حوض کوثر سے پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کو پیاس کا احساس نہ رہے گا اور نہ ہی اسے حاجت رہے گی۔ وہ صرف ایک مرتبہ میں ہی سیراب ہوجائے گا۔ جیسا کہ سمندر کا سیپ اپنے اندر ایک مرتبہ پانی کا قطرہ آجانے کے بعد مزید پانی کے قطروں کا متمنی اور خواستگار نہیں ہوتا۔ صرف ایک مرتبہ میں وہ سیراب ہوجاتا ہے اور ایک مرتبہ اس کے منھ میں قطرہ ٹپکنے پر وہ فوراً اپنا منھ بند کر لیتا ہے اور مزید پانی کی طمع ترک کر کے لاابالی ہو کر اپنی راہ پکڑتا ہے۔ اسی طرح حوض کوثر سے ایک مرتبہ پانی لینے کے بعد پھر وہ چاہے وہ ایک قطرہ ہی پینے والا ہو ایسا سیراب ہوجاتا ہے کہ اس کو پھر پیاس کا احساس ہی نہیں رہے گا۔

’’نیسان عرب‘‘ کہتے ہیں کہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ’’نیسان‘‘ اس بارش کو کہتے ہیں جو قدیم شام کے ساتویں مہینے کی بارش ہوتی ہے۔ اس بارش کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ

موسلا دھار برستی ہے۔ اس بارش کی وجہ سے جل تھل بھی پانی سے لبریز ہوجاتے ہیں۔ پانی کی فراہمی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ پانی کی قلت یا فقدان کا تصور تک نہیں ہوتا۔ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ اور پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دور دراز تک جانا بھی نہیں پڑتا بلکہ دو ہاتھ کے فاصلے پر ہی پانی دستیاب ہوتا ہے۔ بلاتمثیل حوض کوثر میں پانی کی فراہمی کا وہ عالم ہوگا کہ کوثر و تسنیم اور سلسبیل جیسی نہریں اس میں امنڈ امنڈ کر گریں گی۔ اور حوض کوثر ہمیشہ چھلکتا ہوا اور پانی سے لبریز ہی نظر آئے گا۔ خلق خدا اس حوض سے جام بھر بھر کر خوب سیراب ہو کر پانی نوش کرے گی لیکن اس حوض کوثر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پانی کی کمی یا قلت نہ ہوگی کیوں کہ وہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت وجود و کرم کا دریا ہے۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ جنت کی نہریں کوثر اور سلسبیل بھی آپ کی رحمت کے دریا کی دو بوند ہیں۔

(37)

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

حل لغت:

خوف: ڈر، دہشت، ہراس، ہول، ڈرنا۔

(فیروز اللغات، ص۶۰۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۷۳ ☆ کریم اللغات، ص۶۸)

عبد: بندہ، غلام، ملازم، نوکر۔

(فیروز اللغات، ص۸۹۰ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۸)

امان: پناہ، حفاظت، آرام، آسائش، عافیت، تکلیف نہ دینا۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۰ ☆ لغات کشوری، ص۵۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۶)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''امان'' ہے اس کا مطلب ''پناہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''امان'' ہے اس کا مطلب ''آرام'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ، حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت و شفاعت پر یقین کامل کا اظہار کرتے ہوئے خود اپنے آپ سے مخاطب ہیں کہ اے احمد رضا! تم قیامت کے ہولناک ماحول و منظر، میدان حشر کی سختیاں اور حساب و کتاب وغیرہ کا خوف مت رکھو۔ کیوں کہ تم عبد مصطفیٰ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام ہو۔ اور غلام مصطفیٰ کے لئے آخرت میں

پناہ اور آرام ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''امان'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ امان ہے وہ پناہ کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ امان ہے وہ آرام کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''امان'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آپ کو عبد مصطفیٰ کہا ہے۔ عبد المصطفیٰ، عبد الرسول، عبد النبی وغیرہ ناموں سے دور حاضر کے منافقین کو سخت جلن ہے۔ اور ایسے ناموں کے رکھنے پر بغض و عداوت نبی اور ولی کی شقاوت سے وہ لوگ شرک کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ لفظ عبد کے کیا معنی ہیں؟ اللہ کے سوا کسی کے ساتھ لفظ عبد کی اضافت کرنے کے متعلق قرآن و حدیث، اقوال صحابہ اور ائمہ دین میں کیا حکم ہے؟ اس کی تفصیلی بحث شعر نمبر 90 ''میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا'' کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے ''تیرے لئے امان ہے'' کا جملہ تکرار کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ حالاں کہ دونوں مرتبہ یہ جملہ الگ الگ معنی کا حامل ہے۔ یعنی کہ تیرے لئے پناہ بھی ہے اور تیرے لئے آرام بھی ہے۔ صرف پناہ سے آدمی کا کام نہیں چلتا۔ بلکہ پناہ کے ساتھ آرام بھی ہونا ضروری ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کے پیچھے اس کے دشمن بہ ارادہ قتل پڑ گئے۔ وہ شخص دشمنوں سے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہوا اپنے ہمدرد دوست کے گھر پہنچ گیا۔ اور دوست کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس کے دوست نے اس کو اپنے مکان کے تہہ خانے میں چھپا دیا اور پناہ دے دی۔ وہ شخص دشمنوں کے شر سے ضرور محفوظ ہو گیا۔ اس کے دشمن اب تہہ

خانے تک نہیں پہنچ پائیں گے، لیکن صرف پناہ ملنے پر وہ شخص کامل طور پر مامون نہیں۔ کیوں کہ زندہ رہنے کے لئے اسے خورد ونوش کی بھی ضرورت ہے۔ اس شخص کا دوست اس کو ایک ماہ کے لئے اپنے مکان کے تہہ خانے میں پناہ دے دے۔ لیکن اس کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا قطعاً لحاظ نہ کرے۔ تو اس کی پناہ کا کوئی مطلب نہیں۔ وہ تہہ خانے میں بھوک پیاس کی وجہ سے ہلاک ہوجائے گا۔

اسی نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی میں پناہ کے ساتھ آرام کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یعنی قیامت کے دن حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو تکالیف ومصائب سے پناہ دیں گے۔ جہنم کے عذاب سے میدان محشر کی سختیوں سے اور پل صراط کے خطروں سے انشاء اللہ ضرور پناہ دیں گے۔ لیکن آپ کا یہ پناہ دینا صرف پناہ دینے کی منزل تک محدود نہ ہوگا۔ بلکہ جہنم سے پناہ دینے کے ساتھ ساتھ ہم جیسے گنہگاروں کو آرام وآسائش عطا فرمانے کے لئے جنت میں داخلہ بھی عطا فرمائیں گے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو دوزخ سے پناہ اور جنت کا آرام دونوں عطا فرمائیں گے۔ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت فرما کر انہیں جہنم سے نجات دلائیں گے۔ لیکن افسوس! کہ دور حاضر کے منافقین فرقہ وہابیہ نجدیہ، دیوبندیہ تبلیغیہ، شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا حق ہونا قرآن وحدیث کے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا جائے۔ حضرت رضا بریلوی نے شفاعت مصطفیٰ کے تعلق سے کئی تصانیف مرقوم فرمائی ہیں۔ ان تصانیف میں سے (۱) سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ ۱۳۰۲ھ (۲) اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین ۱۳۰۵ھ کو بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ان دونوں مبارک رسائل کے کچھ اقتباسات ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

- قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ’’ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ ‘‘ (پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹)

ترجمہ: قریب ہے کہ تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

(کنز الایمان)

- بخاری شریف میں ہے کہ حضور اقدس شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی مقام محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ ’’ھُوَ الشَّفَاعَۃُ ‘‘ یعنی وہ شفاعت ہے۔
- قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ’’ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ‘‘ (پارہ ۳۰، سورۂ والضحیٰ، آیت ۵)

ترجمہ: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے۔

(کنز الایمان)

- دیلمی مسند الفردوس میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’اِذَنْ لَا اَرْضٰی وَوَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِیْ فِیْ النَّارِ ‘‘ یعنی جب اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کردینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا۔
- امام احمد بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور ابن ماجہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے راوی کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ’’ خُیِّرْتُ بَیْنَ الشَّفَاعَۃِ وَ بَیْنَ اَنْ یَّدْخُلَ شَطْرُ اُمَّتِیْ الْجَنَّۃَ فاخترت الشفاعۃ لانھا اعم و اکفین ‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے۔ میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔
- ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''شَفَاعَتِیْ لِلْهَالِكِيْنَ مِنْ اُمَّتِیْ '' یعنی میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لئے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کرڈالا۔

● ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی بافادۂ تصحیح حضرت انس بن مالک سے، اور ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان وحاکم حضرت جابر بن عبداللہ سے اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے اور خطیب بغدادی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق سے وحضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی ہیں کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ ''یعنی میری شفاعت میری امت میں ان کے لئے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔

● طبرانی اور بیہقی حضرت بریدہ سے اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اِنِّیْ لَاَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَاَكْثَرَ مِمَّا عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ وَحَجَرٍ وَمَدَرٍ ''یعنی روئے زمین پر جتنے پیڑ (گھاس) پتھر اور ڈھیلے ہیں قیامت میں میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت کروں گا۔

● بخاری، مسلم، حاکم اور بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''شَفَاعَتِیْ لِمَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا يُصَدِّقُ لِسَانَهٗ قَلْبُهٗ ''یعنی میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لئے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔

● طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اٰتِیْ جَهَنَّمَ فَاَضْرِبَ بَابَهَا فَيُفْتَحُ لِیْ فَاَدْخُلُهَا فَاَحْمَدُ اللّٰهَ مَحَامِدَ مَاحَمِدَهٗ اَحَدٌ قَبْلِیْ مِثْلَهٗ وَلَا يَحْمَدُهٗ اَحَدٌ بَعْدِیْ

مِثْلَهٗ ثُمَّ اُخْرِجُ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا۔ '' یعنی میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا۔ وہاں خدا کی تعریف کروں گا۔ ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کی، نہ میرے بعد کوئی کرے پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔

احادیث کی کتابیں شفاعت کی حدیثوں سے لبریز ہیں۔ یہاں اختصاراً چند احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن بے شمار لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن دور حاضر کے منافقین شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت نہیں کریں گے۔ ان منافقین کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور شفاعت نہیں کریں گے۔ لیکن کن کی؟ تمہاری شفاعت نہیں کریں گے کیوں کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''شَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِهَا لَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِهَا ''یعنی میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا۔ اس کے قابل نہ ہوگا۔ اس حدیث کو ابن منیع نے حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ (۱۴) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرمایا ہے۔

منکرین شفاعت اس حدیث متواتر کو دیکھیں اور اپنی جان پر رحم کرکے شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

❁......❁......❁

(38)

یاد رخ میں آہیں کرکے بن میں میں رویا آئی بہار
جھومیں نسیمیں نیساں برسا کلیاں چٹکیں مہکی شاخ

حل لغت:

بن: جنگل، بیلا، صحرا، بیابان، میدان، ریگستان، باڑی، کپاس کا پودا، جہاں کثرت سے درخت ہوں۔ (فیروز اللغات،ص ۲۱۵)

میں: اپنی ذات، خود، آپ، تکبر، غرور۔ (فیروز اللغات،ص ۱۳۳۲)

میں: اندر، بھیتر۔ (فیروز اللغات،ص ۱۳۳۲)

نسیمیں: نسیم کی جمع، پچھلی رات کی نرم و معطر ہوا، صبح کی ٹھنڈی ہوا۔ (فیروز اللغات،ص ۱۳۵۹)

نیساں: قدیم شام کے ساتویں مہینہ کی بارش، بیساکھ، اپریل مئی کا موسم، اس مہینہ بھر آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے اور اس مینھ کے قطروں سے سیپ میں موتی پیدا ہوتا ہے۔
(فیروز اللغات،ص ۱۳۹۴ ☆ لغات کشوری،ص ۷۹۴ ☆ کریم اللغات،ص ۱۸۹)

چٹکنا: ٹوٹنا، تڑقنا، کلی کا کھلنا، پھٹنا، رنگ اڑنا، پھیکا پڑنا، بگڑنا، خفا ہونا، جھنجھلانا، آگ میں کوئلہ یا کالے دانے کا آواز کرنا، انگلیوں کا بلائیں لیتے وقت یا موڑتے وقت آواز دینا، ناراض ہوکر بات کرنا۔ (فیروز اللغات،ص ۵۲۱)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''میں'' ہے اس کا مطلب ''اندر'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''میں'' ہے اس کا مطلب ''خود'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ انور کی یاد میں تڑپ اور اس تڑپ کے نتیجے میں اپنی گریہ و زاری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ انور کی یاد میں آہیں کر کر کے میں صحرا میں اتنا رویا کہ بہار آ گئی اور اس بہار کے آتے ہی نسیم یعنی شاندار ہوائیں چلنے لگیں۔ مینھ برسا، کلیاں کھل اٹھیں، اور شاخ مہک اٹھی، یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی۔ اس شعر کے مصرع اول میں لفظ ''میں'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ اندر اور بھیتر کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ اپنی ذات خود کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر کی ابتداء میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''یاد رخ میں آہیں کر کے'' یعنی اپنے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس چہرۂ انور کی یاد میں ''آہیں کر کے بن میں رویا'' میں صحرا میں رویا۔ پہلی بات یہ کہ یاد اور رونا، یہ دونوں فعل قریب قریب لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں میں چولی دامن کا رشتہ ہے یعنی ایک کے ہوتے ہی دوسرا خود بخود نمودار ہو جاتا ہے۔ محبوب کی یاد آئی، یاد کا غلبہ ہوا، وہ وقت یاد آیا کہ محبوب کے جلوؤں سے بہرہ مند ہو رہے تھے۔ محبوب کے جمال سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وصل کی لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لیکن اب وہ دن کہاں؟ محبوب کے جلوے کے لئے آنکھیں تڑپتی ہیں۔ محبوب کے جمال کے بغیر گویا ظلمت و تاریکی چھا گئی ہے۔ ہجر یار میں تڑپ تڑپ کر کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ یہ تمام

حالات و کیفیات اب نا قابل برداشت ہیں۔ اور ضبط وتحمل کا مادہ بھی جواب دے چکا ہے۔ احساس ہجر غم نے رونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور ہجر یار میں پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوں۔ ہر عاشق کو اس مرحلے سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ محبوب کی یاد میں تڑپنا اور تڑپ تڑپ کر رونا اور آنسو بہانا خوش قسمتوں کو ہی میسر ہوتا ہے۔ یاد محبوب میں تڑپنے والے ''اشک'' کی قیمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔ اور محبوب رب العالمین، محبوب کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد و فراق میں بہنے والے آنسو بیش بہا در سے بھی ''بے بہا'' ہیں فقیر راقم الحروف نے ایک جگہ عرض کیا ہے کہ:

تمہاری یاد میں جو چھلکتے ہیں آنسو
ابھرتے ہیں موتی مری چشم تر میں

(مصروفؔ، ہمدانی)

خیر! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس یاد میں تڑپنا اور رونا عاشق صادق کا مرغوب شیوہ ہوتا ہے۔ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں آنسو بہا کر وہ اپنی زندگی کے لمحات بسر کرتا ہے اور ہر لمحہ وصال محبوب کی آس و تمنا میں محو رہتا ہے۔ اس کی زبان پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و صفات کا ذکر ہمیشہ رہتا ہے اور وہ اسے ورد جان بنائے رکھتا ہے اور یہ کیفیت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو جمال مبارک کی شبیہ اور تصور ہمیشہ ملحوظ نظر رکھتا ہے۔ آپ کی خیالی شبیہ اور تصویر اتصال باطنی میں قوی و متصل ہوتی ہے اور اس کی لذت دل میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حال تھا کہ وہ جب حضور کا ذکر کرتے تو رونے لگتے اور حضور کی غایت درجہ تعظیم اور آپ کی محبت و ہیبت کا وہ لحاظ تھا کہ ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور یہی حال تابعین اور ان کے بعد والوں کا تھا۔

● صاحب المواہب اللدنیہ بحوالہ ابن منیر لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا۔ تو اس صدقے میں آپ کے اصحاب کرام کا عجب حال ہو رہا تھا۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ پاک سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے کہ ''وَلَوْ اَنَّ مَوْتَكَ كَانَ اِخْتِيَارًا لَجُدْنَا لِمَوْتِكَ بِالنُّفُوْسِ اُذْكُرْنَا يَا مُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّكَ وَلَنَكُنْ مِنْ بَالِكَ'' اگر آپ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ کی موت کے بدلے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ یا رسول اللہ! اپنے پروردگار کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔

(سیرت رسول عربی، از علامہ نور بخش توکلی، ۲۰۸)

● حضرت ابو ایوب سختیانی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے پاس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے تھے کہ لوگوں کو ان کے حال پر رحم آجاتا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۳۸)

● حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ رونے لگتے۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک باقی نہ رہتے۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سنتے ہی ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور رونے لگتے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۳۹)

ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں بارگاہ رسالت کے عاشقوں کا حالت ہجر و فراق میں گریہ و زاری کرنا مذکور ہے۔ اور بعض واقعات تو ایسے ہیں کہ عاشقوں نے روتے روتے اپنی جان تک دے دی۔ ان تمام واقعات کو یہاں درج کرنا ممکن نہیں۔ حاصل گفتگو یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں بے شمار عاشق روتے آئے ہیں اور رو رہے ہیں اور کائنات کے وجود تک روتے رہیں گے۔ آدمی جب روتا ہے تب اس کی آنکھوں سے اشک بہتے ہیں اور جس آنکھ سے عشق رسول میں آنسو بہتے ہیں وہ آنکھ بھی خوش نصیب ہے۔ عشق

رسول میں بہنے والا آنسو اتنا قیمتی، موثر اور فیض رساں ہے کہ یہ آنسو جہاں ٹپک کر گرتا ہے اسے آباد و شاد بنا دیتا ہے اور بن میں یعنی جنگل میں یہ آنسو بہایا جائے تو آنسو کی برکت سے بن بھی لالہ زار بن جاتا ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بن کا ذکر کیا ہے۔ ظاہری معنی تو اس کے جنگل، بیاباں اور صحراء کے ہوتے ہیں۔ لیکن تصوف اور اہل عشق کی اصطلاح میں اداس اور غمگین دل کو بن یا صحرا کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اداس اور غمگین دل رنج و الم کی تپش سے متاثر ہو کر مرجھایا ہوتا ہے۔ اس کی شادمانی، فرحت و تروتازگی، نکھار وغیرہ سوزش غم سے جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں۔ بہار کی جگہ خزاں آ جاتی ہے۔ خوشی کے پھولوں کے بجائے رنج و غم کے خار و مغیل نمودار ہو جاتے ہیں۔ ایسے اجڑے ہوئے دل پر عشق رسول کے آنسوؤں کی جب بوچھار ہوتی ہے اور جب موسم بہار آتا ہے۔ تب فضا یک لخت تبدیل ہو جاتی ہے۔ تو بقول رضا ''آئی بہار'' اس مردہ اور خزاں رسیدہ دل پر از سر نو بہار کی آمد ہوتی ہے۔ خشک پیڑ سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں۔ اور ان پیڑوں پر پرندے اپنے گھونسلے بناتے ہیں۔ اور آمد بہار کی خوشی اور مسرت میں جھوم جھوم کر شادمانی کے گیت گاتے ہیں۔ ہلکی ہلکی بارش ہوتی ہے، شبنم برستی ہے اور کلیاں چٹک اٹھتی ہیں اور شاخوں میں خوشبو اور مہک سے بھرے ہوئے شاداب پھول کھل اٹھتے ہیں۔ ان پھولوں کی خوشبو اور مہک سے شاخ درخت بھی مہک اٹھتی ہے اور فضا کو معطر بنا دیتی ہے۔

ٹھیک یہی منظر کشی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے شعر میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ زیبا اور چہرۂ انور کی یاد اور فراق و ہجر میں بے تاب ہو کر جو روتا ہے اور اپنی آنکھوں سے اشک بہاتا ہے اس کے دل کی دنیا آباد و شاداب ہو جاتی ہے۔ اس کا پژمردہ، ویران اور اجڑا ہوا دل جو ایک بیابان اور ریگستان کی مانند خشک و ویران ہوتا ہے وہ ان اشکوں کی بدولت آباد و شاداب ہو جاتا ہے۔

رحمت و عرفان کی بارش سے آب پاشی ہوتی ہے۔ اور دل میں شجر عشق اپنی جولانی سے نصب ہوتا ہے جس میں محبت و عظمت رسول کے مہکتے پھول کھل کر فضا کو معطر کر دیتے ہیں اور اس کے دل کے شجر عشق پر طوطی رنگیں مزاج اپنا آشیانہ تعمیر کر کے سکونت پذیر ہو کر ہمہ وقت جھوم جھوم کر نعت رسول کی دل کش اور دل آراء دھن میں نغمات عشق کی لوریاں گاتی ہیں۔ اور ان نغمات عشق کی سماعت سے وہ عاشق ایسا محسوس کرتا ہے کہ فضا میں ہر جگہ میرے آقا کی مدح و ثنا میں مست کلیاں چٹکی ہیں اور شاخیں مہکی ہیں۔ اور اس احساس کی عکاسی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

جھومیں نسیمیں نیساں برسا کلیاں چٹکیں مہکی شاخ

عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت بے شمار ویران دل عرفان وعلوم کے نور سے آباد ہوئے ہیں۔ ایک زمانے میں جو دل ضلالت، جہالت، ظلم، ستم اور دیگر امور قبیحہ کے مرکز تھے وہ اجڑے ہوئے دل عشق رسول کی ہی بدولت ایسے جگمگائے کہ جن کی روشنی راہ عشق کے مسافروں کے لئے مشعل و رہبر ثابت ہوئی۔ اور میدان عشق میں وہ ایسے چمکے کہ تا قیام قیامت ان کا نام عاشقوں کی فہرست میں جلی حروف سے مرقوم اور نمایاں رہے گا۔ اور لوگ ان کو نیک نامی سے یاد کرتے رہیں گے۔

(39)

جود شاہ کوثر اپنے پیاسوں کا جویا ہے آپ
کیا عجب اڑ کر جو آپ آئے پیالی ہاتھ میں

حل لغت:

جود: بخشش، سخاوت، فراخ دلی، کرم۔
(فیروز اللغات، ص۴۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۵۰)

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، نوشہ، دولھا، بڑا، عظیم، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔ (فیروز اللغات، ص۸۳۵)

کوثر: بہشت کی ایک نہر، جنت کا حوض، بڑا سخی، بڑی بخشش کرنے والا۔
(فیروز اللغات، ص۱۰۴۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۰۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۱)

جویا: ڈھونڈنے والا، تلاش کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۴۸۶ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۵)

آپ: خود، اپنی ذات سے، ذات خدا، روح، آتما، غائب اور حاضر کے لئے تعظیماً مستعمل ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۶)

عجب: تعجب، حیرت، انوکھا، نادر، تعجب انگیز، نیا، عمدہ، طرفہ، تعجب خیز، انوکھا پن، تعجب کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۸۹۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۸)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''آپ'' ہے اس کا مطلب ''خود'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''آپ'' ہے اس مطلب ''اپنی ذات سے'' (اپنے آپ) ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وکرم، لطف وعنایت، عطا وسخاوت اور اپنے امتیوں کے ساتھ ہمدردی، شفقت اور انسیت کا ذکر کر رہے ہیں اور میدان محشر میں حوض کوثر پر جمع اپنے امتیوں کی پیاس بجھانے کے لئے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دست اقدس سے جام بھر بھر کر عنایت فرمائیں گے۔ اس کی منظر کشی فرماتے ہوئے اور آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وکرم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کرم اور فیاضی وعنایت کا یہ عالم ہے کہ میدان محشر میں جب لوگ پانی کے لئے تڑپتے اور بلکتے ہوں گے تب مالک کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود (بذات خود) بنفس نفیس اپنے پیاسے امتیوں کو ڈھونڈھ کر، اور تلاش فرما کر حوض کوثر کے جام سے سیراب فرمائیں گے۔ اس وقت اربوں، کروروں، کھربوں بلکہ ان گنت لوگ حوض کوثر سے جام مصطفیٰ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوں گے۔ غضب کی بھیڑ ہوگی۔ لوگوں کی بھیڑ اور ازدہام لگا ہوگا۔ آدمی پر آدمی گرتا ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر آقا کا مزید کرم ہوجائے اور ہم کو بھیڑ میں جانے کی تکلیف سے بھی چھٹکارا مل جائے اور سرکار کے کرم سے ہم جہاں پر ہوں وہیں حوض کوثر کا جام (بھری ہوئی پیالی) اڑ کر خود بخود ہمارے ہاتھ میں آجائے تو کیا عمدہ ہے۔ اور اگر اس طرح حوض کوثر سے چھلکتی ہوئی پیالی اڑ کر ہمارے ہاتھ میں آجائے تو یہ انوکھا کرم ہوگا اور ایسا ہونا کوئی ناممکن بات نہیں بلکہ ان کے تصرفات واختیارات کی بناء پر ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس میں تعجب اور حیرت کی کوئی بات نہیں یہ سب ان کے کرم کی بات ہے۔ وہ آقا اپنے امتیوں پر غایت درجہ رحم وکرم فرماتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن مجید نے ان کی شان رحیمی کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

● اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان وعظمت کا اظہار فرما رہا ہے۔ ''لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔'' (پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے ایک رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (کنزالایمان)

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

● ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔'' (پارہ ۲۱، سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۶)

ترجمہ: یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے بھی زیادہ مالک ہے۔ (کنزالایمان)

● اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نبی مومنین پر ان کی جان سے بھی زیادہ رافت ورحمت اور لطف وکرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

● امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔'' میں مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ والی ہوں۔

● اس حدیث کی شرح میں علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ ''لِاَنِّیْ خَلِیْفَةُ الْاَکْبَرِ اَلْمُمِدُّ لِکُلِّ مَوْجُوْدٍ'' اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نائب اعظم اور تمام مخلوق الٰہی کا مددگار ہوں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (الامن والعلیٰ، از: اعلیٰ حضرت، ص ۲۲۴، حدیث ۱۸۳)

● بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابو داؤد و ترمذی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰی بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ''

ترجمہ: کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ میں اس کا دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ والی نہ ہوں۔

● اس حدیث کے تحت امام عینی اپنی مشہور ومعروف کتاب ''عمدۃ القاری'' میں فرماتے ہیں کہ ''اَلْمَوْلٰی اَلنَّاصِرُ'' یعنی یہاں مولیٰ بمعنی مددگار رہے۔ (الامن والعلیٰ ص ۲۲۵)

مذکورہ بالا اقتباس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے امتیوں پر اور وہ بھی مسلمان امتیوں پر نہایت مہربان، ان کی جانوں کے مالک ہیں، رحم وکرم فرمانے والے، ان کے والی اور ان کے مددگار ہیں۔ اور انہیں تمام اوصاف کریمہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی نے اس شعر کے مصرع اول میں ''اپنے پیاسوں کا جویا'' جملہ استعمال فرمایا ہے۔ پیاسوں کے ساتھ لفظ ''اپنے'' کی اضافت فرما کر حضرت رضا نے جملے کو بہت ہی معنی خیز اور عمیق المطالب بنادیا ہے اور اس کی وضاحت وتشریح کے لئے کثیر اوراق درکار ہیں۔ لہٰذا یہاں پر اس کی بحث سے قصداً احتراز کرنے کی کوتاہی کرنے کا اقبال جرم کرتے ہوئے عفو ومعافی کا خواستگار ہوں۔ انشاء اللہ کسی اور موقع پر عرض کروں گا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش میدان محشر میں ایسا ہو کہ حوض کوثر سے چھلکتی ہوئی پیالی خود بخود اڑ کر ہمارے ہاتھ میں آجائے، تو لطف آجائے۔ ایک انوکھا اور نادر حادثہ ہوجائے۔ ایک تعجب انگیز بات ہوجائے۔ ایک حیرت خیز معاملہ ہوجائے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے؟ یا ایسا کبھی ہوا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ ایسا ہونا یقیناً ممکن ہے۔ ایسا بہت مرتبہ ہوا ہے کہ پیاسوں کے پاس آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم سے خود بخود پانی گیا ہے۔ بلکہ سرکار خود اپنے پیاسوں کی دستگیری فرماتے ہوئے پانی کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ دنیا کا تو یہ قاعدہ ہے کہ پیاسا کنوے کے پاس جاتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔ لیکن اس بارگاہ بیکس پناہ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ اگر پیاسا نہیں

آسکتا تو آپ خود پیاسے کے پاس تشریف لے جاتے۔کتب احادیث ایسے کئی واقعات سے بھری ہیں جن میں سے چند واقعات پیش خدمت ہیں جن کے مطالعہ سے ایمان کو تازگی حاصل ہوگی۔(انشاءاللہ)

- ابن منیع نے اپنی مسند میں بطریق نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی کہ جب امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصور ہوگئے۔ اور بلوائیوں نے ان کے گھر کو محاصرے میں لے کر پانی بند کر دیا تو آپ روزے سے رہنے لگے۔ ایک دن افطار کا وقت آیا تو آپ نے ان بلوائیوں سے افطار کے لئے پانی مانگا۔لیکن بلوائیوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا آپ نے تشنگی کے عالم میں رات بسر کی۔پھر جب سحر کا وقت آیا۔ تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکان کی چھت سے رونق افروز ہوئے۔حضور کے ساتھ پانی کا ڈول تھا۔آپ نے فرمایا: اے عثمان پانی پیو۔حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے پیا، یہاں تک کہ میری پیاس بجھ گئی۔حضور نے فرمایا کہ اور زیادہ پیو۔تو میں نے پھر پیا۔یہاں تک کہ میں سیراب ہوگیا۔ (خصائص کبریٰ)

- بیہقی نے ثابت ابو عمران جونی اور ہشام بن حسان سے روایت کی ان سب نے روایت کی کہ جب حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے پاس کچھ بھی زاد راہ نہ تھا۔جب وہ روحا نام کے مقام کے قریب پہنچیں تو شدید تشنگی معلوم ہوئی وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے سر کے اوپر تیز ہوا کی آواز سنی میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ آسمان سے سفید رسی سے بندھا ڈول لٹک رہا ہے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے تھام لیا۔اور میں اسے تھامے رہی اور میں نے اس میں سے اتنا پیا کہ سیراب ہوگئی۔وہ فرماتی ہیں کہ اسی ڈول سے پانی پینے کے بعد شدید گرمی کے دن میں روزہ رکھتی اور دھوپ میں پھرتی تا کہ مجھے پیاس لگے مگر اس کے باوجود مجھے پیاس نہ لگتی۔(خصائص کبریٰ، اردو جلد۲، ص۱۷۲)

اس روایت کو ابن منیع نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ ہم سے روح نے، ان سے ہشام اور ان سے عثمان بن قاسم نے اس کی مثل حدیث بیان کی ہے۔اور ابن سعد نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے جریر بن حازم سے اور انہوں نے عثمان بن قاسم سے اسے روایت کیا۔

حضرت سیدہ ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت ابوالعکر جب مسلمان ہوئے تو وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر دوسی (قبیلہ کا نام) لوگوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیار پاک مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ابوالعکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیر موجودگی میں ابوالعکر کے گھر والے حضرت ام شریک کے پاس آئے۔ حضرت ام شریک نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے آکر مجھ سے پوچھا کہ اے ام شریک کیا تم ان کے دین پر ہو؟ میں نے کہا ہاں خدا کی قسم میں ان کے دین پر ہوں۔انہوں نے کہا کہ پھر تو ہم تجھے ضرور شدید عذاب دیں گے۔پھر وہ مجھے ایک ایسے اونٹ پر سوار کر کے لے چلے جو بہت سست رفتار اور ان کے سواریوں میں سب سے زیادہ شریر اور خراب تھا۔وہ مجھے شہد کے ساتھ روٹی کھانے کو دیتے اور پینے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ جب دوپہر اور سخت دھوپ کا وقت ہوتا اور ہم پڑاؤ کرتے تو وہ اتر کر اپنے خیمے نصب کرتے اور مجھے دھوپ میں چھوڑ دیتے یہاں تک کہ میری عقل، سماعت اور بصارت جاتی رہی۔ایسا سلوک انہوں نے میرے ساتھ تین دن کیا۔پھر تیسرے دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تو اپنے اس دین کو جس پر تو ہے چھوڑتی ہے یا نہیں؟ ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میں قطعاً کچھ نہ سمجھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔بجز اس کے کہ ایک جملے کے بعد دوسرا جملہ سنائی دیتا تھا۔گویا میری سمجھ بالکل جاتی رہی۔اس وقت میں نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے توحید کا اقرار کیا۔میرے اس رویہ سے مایوس ہوکر مجھے دھوپ میں تڑپتی چھوڑ کر وہ اپنے اپنے

خیموں میں چلے گئے۔ میں اسی حال میں تھی اور تیز دھوپ کی وجہ سے مجھے شدت و تکلیف پہنچ رہی تھی کہ اچانک ٹھنڈے پانی کا ایک ڈول میں نے اپنے سینے پر پایا۔ میں نے اس ڈول کو تھام کر اس میں سے ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی پیا۔ پھر وہ ڈول مجھ سے جدا ہوگیا۔ اور میں اسے جاتا دیکھتی رہی۔ میں نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ وہ ڈول میرے قریب آیا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور اس کے پانی کو اپنے سر، اپنے چہرے، اور کپڑوں پر بہالیا۔ ام شریک کہتی ہیں کہ اسی وقت وہ لوگ اپنے خیموں سے نکل کر میرے قریب آئے اور انہوں نے مجھ کو پانی سے سیراب دیکھ کر پوچھا کہ یہ پانی تیرے پاس کہاں سے آیا؟ میں نے کہا اللہ کی جانب سے آیا ہے۔ اور اسی نے مجھے عنایت فرمایا۔ پھر وہ لوگ تیزی کے ساتھ اپنے خیموں میں گئے اور اپنی چھاگلوں اور مشکیزوں کو دیکھا تو بدستور سر بند تھے۔ انہیں کھولا ہی نہ گیا تھا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمہارا رب ہی ہمارا رب ہے اس جگہ تجھے جو پانی نصیب ہوا ہے۔ بیشک اسی نے تجھے عنایت کیا ہے۔ اب تک جو تیرے ساتھ ہم نے کیا وہ کیا۔ لیکن اب ہم اقرار کرتے ہیں کہ اسی نے اسلام کو مشروع کیا ہے۔ پھر وہ سب مسلمان ہوگئے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد۲، ص ۵۸، ۵۷)

ابو یعلی، بیہقی اور ابن عساکر نے متعدد سندوں کے ساتھ ابو غالب سے اور انہوں نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے میری قوم کی طرف اپنے نمائندہ کی حیثیت سے اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا۔ جب میں اپنی قوم کے پاس پہنچا تو میں بھوکا تھا۔ اس وقت میری قوم کے لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ اور کھانے میں وہ جانور کا خون پکا رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں تم سے یہ خون کھانا، چھڑاؤں اس پر انہوں نے میرا مذاق اڑایا۔ اور میری تکذیب کرتے ہوئے میری بات نہ مانی۔ میں نے کہا افسوس

ہے تم پر مجھے ایک گھونٹ پانی تو دو میں سخت پیاسا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیں گے بلکہ ہم دعا کریں گے کہ تم پیاسے ہی مر جاؤ۔ اس پر میں غمگین ہوا اور اپنا سر عبا (یعنی جبہ، یا چغہ جو پاؤں تک ہوتا ہے) میں چھپالیا۔ اور سخت گرم ریت پر سو گیا۔ خواب میں میرے پاس آنے والا آیا اور مجھے پیالہ دیا جس میں دودھ تھا۔ میں نے اسے لے کر پیا۔ اور خوب سیراب ہوگیا۔ اور میرا پیٹ اتنا بھر گیا کہ وہ اونچا ہوگیا۔ میرے سو جانے کے بعد میری قوم میں سے کسی نے قوم کو ملامت کرتے ہوئے کہا تمہارے پاس تمہاری قوم کے سرداروں میں سے ایک شخص آیا اور تم نے اسے واپس کر دیا۔ اور کھانے پینے تک کو بھی نہ پوچھا۔ جاؤ اسے کھانا پینا دو۔ جیسا بھی وہ چاہے۔ میری قوم کے لوگ میرے پاس کھانا پینا لے کر آئے میں نے ان سے کہا کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے کھلا، پلا دیا ہے۔ اور شکم سیر ہوگیا ہوں۔ میں نے ان کو اپنا پیٹ دکھایا، یہ دیکھ کر وہ سب مسلمان ہوگئے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے پینے کے بعد نہ کبھی تشنگی معلوم ہوئی اور نہ کبھی بھوک کی تکلیف ہوئی۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد اول، ص ۱۷۲)

انہیں تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا نے آخرت کی یہ تمنا کی ہے:

کیا عجب اڑ کر جو آپ آئے پیالی ہاتھ میں

۞......۞......۞

(40)

پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی کچھ سنبھلا پھر اوندھے منھ
مینھ نے پھسلن کردی ہے اور دُھر تک کھائی نالی ہے

حل لغت:

کھائی: کھایا کی تانیث، سہنا، برداشت کرنا، طعام دعوت، ضیافت، نوش کرنا، خوراک، بھوجن، مہمانی، نگلنا، حلق سے اتارنا، ہضم کرنا، اٹھانا، غبن کرنا، رشوت لینا، فضول خرچی کرنا، ڈسنا، ڈنک مارنا، مارڈالنا، قتل کرنا، گلا دینا، بوسیدہ کرنا، سننا، برباد کرنا، پریشان کرنا، پیٹنا، زدوکوب کرنا، ستیاناس کردینا۔ (فیروز اللغات ص۱۰۵۲)

اوندھے منھ گرنا: منھ یا پیٹ کے بل گرنا، الٹا گرنا، آگے کو گرنا، ذلیل ہونا، مات کھانا۔
(فیروز اللغات ص۱۴۱)

مینھ: بارش۔ (فیروز اللغات ص۱۳۳۳)

پھسلن: رپٹن، کھسکن، پاؤں پھسلنے کی جگہ۔ (فیروز اللغات ص۳۱۶)

دُھر: اختتام، اخیر، انتہا، فاصلہ، حسد، شروع، ابتداء، سیدھا راستہ جو منزل تک پہنچے۔
(فیروز اللغات ص۶۶۲)

نالی: موری، پانی نکلنے کا راستہ۔ (فیروز اللغات ص۱۳۴۵)

کھائی: گڑھا، کھڈ۔ (فیروز اللغات ص۱۰۹۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''کھائی'' ہے اس کا مطلب ''کھانا، برداشت کرنا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''کھائی'' ہے اس کا مطلب ''گڑھا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''کھائی'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''کھائی'' ہے اس کا مطلب کھانا یعنی کہ برداشت کرنا ہے مثلاً: کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے ٹھوکر کھائی۔ زید نے خطا کھائی، بکر نے گالی کھائی، عمر نے مار کھائی، یہاں کھانا بمعنی برداشت کرنا ہے۔ کھانا کھانا، پھل کھانا، پان کھانا وغیرہ معنی میں نہیں ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے شعر میں لفظ کھانا کے بجائے ''کھائی'' کا استعمال فرمایا ہے۔ لفظ کھائی کھایا کی تانیث (Feminine) ہے۔ اور لفظ کھانا کے لغوی معنی سہنا۔ برداشت کرنا وغیرہ ہیں۔ مصرع ثانی میں جو لفظ کھائی ہے وہ گڈھا اور کھڈ (Pit) کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''کھائی'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔

یہ شعر حضرت رضا بریلوی کی اس نعت کا ہے جو آپ نے اپنے دور میں پھیلے ہوئے الحاد اور بے دینی کے ماحول سے ملت اسلامیہ کو آگاہ اور متنبہ کرنے کے لئے کہی ہے۔ جس کی مختصر وضاحت شعر نمبر 5:

پھر پھر کے ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

اور شعر نمبر 11:

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

کی تشریح میں مذکور ہوئی۔ یہ شعر اس بے دینی کے ماحول میں پھنسے ایک بھولے

بھالے اجنبی شخص کی حالت بیان کرتا ہے۔جس کا صحیح اندازہ اس شعر سے ماقبل جو تین اشعار ہیں ان سے ہوتا ہے۔وہ تینوں اشعار قارئین کی معلومات کے لئے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

آنکھیں ملنا جھنجھلا پڑنا لاکھوں جمائی انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

●

جگنو چمکے پتا کھڑکے مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کون پون ہے یا اگیا بیتالی ہے

●

بادل گرجے بجلی چمکے دھک سے کلیجہ ہوجائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

مذکورہ تین اشعار کے بعد آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ہے۔ان اشعار کے ذریعہ ایک بے کس وتنہا شخص کی دلی کیفیت کا عالم تصور میں اظہار فرمایا ہے۔دور حاضر میں جہاں ہر طرف نئے نئے کفری عقیدے اور فرقے پھیلے ہوئے ہیں۔اور جس انداز سے وہ اپنے عقائد باطلہ ضالہ کی نشر واشاعت کررہے ہیں۔اس سے ایک دیندار مومن کی حالت ایسی ہے جیسے گھنگھور گھٹا اور بھیانک جنگل میں پھنسا ہوا اور بھٹکا ہوا مسافر جو تن تنہا ہے۔ساتھ میں مال ودولت اور زیور ہیں۔کوئی ہمسفر یا رفیق ساتھ میں نہیں۔ڈاکوؤں کا ڈر ہے کہ نہ جانے کب آکر ٹوٹ پڑیں،اور میری متاع چھین لیں۔جنگل کے بیچ آپھنسا ہے۔ماحول بھی ڈراؤنا ہے۔رات کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔سفر کی تھکان ہے۔جسم چکنا چور ہے۔دماغ پریشانی کی وجہ سے کند اور ماند ہوگیا ہے۔نیند کا غلبہ ہے۔جمائی اور انگڑائی کا تسلسل ہے۔نیند کی آغوش میں جانے کے لئے پلکیں بوجھل ہوکر جھکی پڑتی ہیں،لیکن ایسی حالت میں نیند مہلک ہے۔لہٰذا وہ آنکھیں مل مل

کر نیند کو بھگانے کی متواتر کوشش کررہا ہے۔سنسان بن اور وہ اکیلی جان جنگل کے درندوں کا بھی خوف ہے کہ وہ مجھے اپنا لقمہ نہ بنالیں۔شب کی تاریکی بڑھتی جارہی ہے۔اس وقت آدمی کو ذراسی آواز سے بھی ڈر لگتا ہے وہ بھی ڈراؤنی معلوم ہوتی ہے۔

قارئین کرام! تھوڑی دیر کے لئے یہ تصور کرلیں،میں اس وقت جنگل میں ہوں اور پھر اس کی خوفناکی کا احساس کریں۔رات کے اندھیرے میں جب ہاتھ نہیں سوجھتا اس وقت ایک انجان ڈر دل میں گھس جاتا ہے۔ہزاروں ڈراؤنے خیالات اس کے دماغ پر قبضہ جمالیتے ہیں۔جسمانی اور ذہنی طور پر وہ مسافر اب ہار چکا ہے۔رات کاٹے نہیں کٹتی۔وقت گویا جامد ہوگیا ہے۔چور،ڈاکو اور جنگلی درندوں کے ساتھ ساتھ اب اس کو جن وبھوت کا بھی ڈر لگ رہا ہے اور اچانک تیز ہوا کا جھونکا آیا۔درخت کے پتے ترنم ریز ہوئے اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آرہا ہے۔کسی کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوتی ہے اور ساتھ میں نظر کے سامنے ایک وحشت ناک منظر کھڑا ہوجاتا ہے۔رات کی تاریکی میں اچانک چکا چوند چھوٹی چھوٹی اور کچھ کچھ فاصلے پر روشنی نظر آنے لگی۔اور یہ مارے خوف کے لرزنے لگا کہ اگیا بیتال آگیا۔اگیا بیتال ایک دخانی مادہ ہے جو اکثر دلدل،پرانے قبرستان یا مرگھٹ میں رات کو جلتا ہوا نظر آتا ہے۔عام لوگ اسے بھوت پریت خیال کرتے ہیں۔

(فیروز اللغات،ص ۱۱۱)

ایک طرف سے پون یعنی ہوا کی ڈراؤنی آواز۔دوسری طرف نظر کے سامنے چکا چوند روشنی چمک اور بھوت پریت کا تصور اسے گھبراہٹ میں ڈال دیتا ہے۔حالاں کہ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ذراسا پون کا جھونکا آیا تو پتے ہل اٹھے اور جگنو اڑنے لگے۔

جگنو: ایک اڑنے والا کیڑا جس کے جسم سے رات کے وقت روشنی نکلتی ہے۔

(فیروز اللغات،ص ۴۶۵)

اب اس کی ذہنی حالت کا اندازہ لگائیے کہ جگنو کو وہ اگیا بیتال سمجھ کر ہل گیا۔اس کا

دل دھک دھک کرنے لگا۔اس گھبراہٹ کے عالم میں وہ جلد از جلد جنگل پار کرنے کی غرض سے تیز تیز چلنے لگتا ہے کہ اچانک بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نے اس کا کلیجہ تھرتھرا دیا،اور دفعتاً بارش شروع ہوگئی۔ایک تو رات کا اندھیرا،اوپر سے کالی بدلی اور ساتھ میں موسلا دھار بارش۔اب کرے تو کیا کرے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا دماغ گویا کام نہیں کرتا،لیکن پھر بھی وہ ہمت کرکے چلتا ہے۔ابھی دو چار قدم مشکل سے چلا ہوگا کہ ٹھوکر لگی اور وہ زمین پر گرا۔لیکن چوٹ کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے پھر سنبھل کر کھڑا ہوگیا۔اور چلنے لگا لیکن اب بارش کے پانی نے مٹی کے ساتھ مل کر پھسلن پیدا کردی تھی اس لئے وہ اب پھسلا اور منھ کے بل زمین پر دوبارہ گرا۔اب اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا ہے۔ اب وہ کسی ساتھی کی شدت سے ضرورت محسوس کرتا ہے۔اور:

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کے سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

وہ ساتھی ساتھی کہہ کر متواتر و مسلسل پکارتا ہے لیکن ساتھی ہو تو جواب آئے نہ! پکارتے پکارتے تھک گیا۔اس کا گلا بیٹھ گیا لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔وہاں اس کو کون جواب دے؟ جب کہیں سے بھی کوئی جواب آنے کی امید نہ رہی تو وہ جھنجھلا اٹھا۔طیش میں آگیا اور غصے کے عالم میں تلملا اٹھا اور بہت افسوس کرتے ہوئے کہہ اٹھا کہ جب کوئی ساتھی نہیں تو اب مولیٰ تعالیٰ اور آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھروسے پر چل نکلوں اور وہ اللہ و رسول کے بھروسے پر چل نکلا۔

یہ ایک مثال ہے۔اسی تصورانہ واقعہ کو بطور تمثیل حضرت رضا نے بیان فرمایا ہے۔
اس واقعہ کو موجودہ پرفتن دور پر قیاس کرکے اس کا اندازہ کرو کہ جو حالت جنگل میں راہ بھٹکے ہوئے اور مصیبت میں پھنسے ہوئے مسافر کی ہے وہی حالت الحاد و بے دینی کے ماحول میں پھنسے ہوئے ایک مومن کی ہے۔جس طرح وہ مسافر گھنگھور جنگل میں پھنسا ہے اسی طرح یہ

مومن الحاد و بے دینی و ارتداد کے جنگل میں پھنسا ہے۔اس کے چاروں طرف گمراہیت کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔بداعمالی کی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔نئے نئے فتنوں کی آندھی چل رہی ہے۔جھوٹے قائدین و رہبر اس اندھیرے ماحول میں دھوکے باز اور فریب کار جگنو کی طرح رونما ہو رہے ہیں۔وہابیت اور دیگر باطل تحریکیں سیاہ بادل کی مانند منڈلا رہی ہیں۔توہین انبیاء اور تنقیص اولیاء پر مشتمل کفری بولی کی بجلی بھیانک روپ میں کڑک رہی ہے۔اس مومن کو اپنے متاع ایمان لٹ جانے کا خطرہ ہے۔مذہب کے نام پر گمراہیت اور لامذہبیت پھیلانے والے سیاسی لیڈروں کے وحشیانہ اور قاتلانہ طرز عمل کا خطرہ لاحق ہے۔وہ اس ماحول میں اپنے کو تنہا محسوس کر رہا ہے۔ساتھی ساتھی کہہ کر پکار رہا ہے۔لیکن اس کی پکار نقار خانے میں طوطی کی آواز کی طرح دب کر رہ جاتی ہے۔

مذہب کے نام پر کئی نئے فرقے نکل پڑے ہیں۔جیسے جنگل میں کئی پگ ڈنڈی ہوتی ہیں وہ مومن الحاد و بے دینی کے جنگلی ماحول میں سیدھے راستے یعنی صراط مستقیم پر چلنے کا قصد کرتا ہے۔لیکن منافقین زمانہ کی فریب کاری سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔لیکن پھر وہ سنبھل کر کھڑا ہوتا ہے اور چلنے کا عزم کرتا ہے کہ دنیا کی حرص و طمع اور اقتدار کی لالچ کی بارش راہ میں پھسلن پیدا کردیتی ہے اور وہ پھسل کر منھ کے بل گر پڑتا ہے کوئی ساتھی (رہبر) نظر نہیں آتا۔
بالآخر وہ یہی کہتا ہوا راہ حق پر گامزن ہوجاتا ہے کہ ''چل رے مولیٰ والی ہے''۔

حضرت رضا بریلوی نے جنگل میں پھنسے ہوئے مسافر کی کیفیت بیان فرما کر دور حاضر میں الحاد و بے دینی کے ماحول میں گھرے ہوئے ایک مومن کی حالت کی مثال بیان فرمائی ہے اور ملت اسلامیہ کو اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے غفلت کی نیند سے بیدار فرمایا ہے۔

(41)

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانیٔ دل و جاں نہیں
کہوں کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ واں نہیں

حل لغت:

دو جہاں: دنیا اور آخرت، دنیا اور دین۔

(فیروز اللغات، ص ۶۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۴۷)

بہتریاں: بہتر کی جمع، بھلائی، نیکی، خوبی، فائدہ، فضیلت، بڑائی، بزرگی۔

(فیروز اللغات، ص ۲۲۷)

امانی: امنیہ کی جمع، امیدیں، وہ کام جو اپنے طور پر کرایا جائے، ٹھیکہ کی ضد۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۱ ☆ لغات کشوری، ص ۵۹)

نہیں: کلمۂ نفی، انکار، حرف شرط، ورنہ، وگرنہ، نہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۹۰)

ہاں: کلمۂ ایجاب، اچھا ہوں، بھلا، ضرور، ٹھیک، بیشک، البتہ، اقرار، حکم کا اشارہ، تاکید، تنبیہ، واقعی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۲۹)

دوسرے مصرع میں شروع اور آخر میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

دوسرے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''انکار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ در پاک ہے کہ جہاں دنیا اور آخرت یعنی دونوں جہاں کی بھلائی ملتی ہے اور اسی در سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں۔ اور جو اس در سے امیدیں وابستہ کرتا ہے وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا کیوں کہ اس در پر سب ہے۔ البتہ یہاں پر ''نہیں'' نہیں ہے۔ یعنی یہاں پر کسی بھی سائل کے سوال کے جواب میں ''نہیں'' کہہ کر اس کا سوال ٹھکرایا نہیں جاتا بلکہ سائل کا دامن گوہر مراد سے بھر دیا جاتا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''نہیں'' کا استعمال مصرع ثانی میں جو کیا ہے وہ دونوں لفظ ''نہیں'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ مصرع ثانی میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''نہیں'' ہے وہ نہیں، نہ ہونا کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''نہیں'' ہے وہ انکار کے معنی میں ہے حالاں کہ اس شعر کے مصرع اول میں بھی لفظ ''نہیں'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے لیکن دونوں ہم معنی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے تھے۔ آپ نے ہر سائل کا سوال پورا فرمایا، اس کی تفصیلی بحث

شعر نمبر 15	:	میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
شعر نمبر 21	:	گیسو و قد لام الف، کرد و بلا منصرف
شعر نمبر 27	:	واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا

اور شعر نمبر 69 : مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر ہم صرف مصرع اول کی تشریح میں کچھ گفتگو کریں گے۔

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار عالی سے دنیا اور آخرت کی بھلائی اور نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بلکہ دل و جان کی امیدیں اور آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں کچھ واقعات احادیث اور ائمہ دین کی مستند اور معتمد کتب سے پیش خدمت ہیں۔

● حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا کرتے تھے۔ حضور کے لئے وضو کا پانی حاضر کرنا اور جامہ، مسواک اور کنگھی وغیرہ حاضر کرنے کی خدمت بھی بجالاتے تھے۔ ایک روز مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دریائے کرم جوش میں آیا اور حضرت ربیعہ سے فرمایا ''سَــــلْ'' یعنی ''مانگو'' اس فرمان میں حضور نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں قسم کا ہی سوال کرنا اور فلاں قسم کا سوال نہ کرنا۔ بلکہ مطلق فرمایا کہ مانگو یعنی جو بھی جی میں آئے مانگو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا سے مجھے سب کچھ عطا کرنے کا اختیار و تصرف ہے۔ وہ صحابی آج کے زمانے کے وہابی کی طرح نہ تھے کہ جو معاذ اللہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔'' (تقویۃ الایمان، از: مولوی اسماعیل دہلوی) بلکہ حضرت ربیعہ کو یقین کامل تھا کہ اللہ کے محبوب کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی سلطنت کا مالک بنایا ہے۔ یہ سب کچھ عطا فرما سکتے ہیں۔ چاہے دنیا کی چیز مانگوں، چاہے آخرت کی۔ حضرت ربیعہ نے آخرت کی نعمت مانگی اور وہ بھی ایسی افضل و اعلیٰ نعمت کہ ''اَسْـئَلُكَ مُـرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ'' یعنی میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت (ساتھ) چاہتا ہوں۔ یہ جواب سن کر حضور نے مزید ارشاد فرمایا کہ ''فَقَالَ اَوْ

غَیْرَ ذٰلِكَ'' یعنی فرمایا کہ اس کے سوا اور کچھ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کچھ بھی چاہتے ہو؟ اور اگر چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو۔ ہم عطا فرمائیں گے۔ حضرت ربیعہ عرض کرتے ہیں ''فَقُلْتُ هُوَ ذَاكَ'' یعنی میں نے کہا کہ میری مراد تو صرف یہی ہے۔ جیسا کہ:

سائل ہوں تیرا مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو
معلوم ہے اقرار کی عادت تیری مجھ کو

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔ یہ حدیث مسلم شریف، ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور معجم کبیر طبرانی میں ہے۔

● اس حدیث کی شرح میں علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم مطلق دیا۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔ (الامن والعلیٰ، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص۱۲۰)

اہل عشق و محبت نے ہمیشہ اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی بارگاہ بیکس پناہ سے طلب کیں اور حاصل کی ہیں مصیبت کے وقت اسی بارگاہ مختار میں استغاثہ کیا اور نجات پائی۔

● حضرت ابوالحسن علی بن مصطفیٰ عسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ ہم بحر عیذاب میں کشتی پر سوار ہو کر جدّہ کو روانہ ہوئے۔ سمندر میں طغیانی آ گئی۔ ہم نے اپنا سامان و اسباب سمندر میں پھینک دیا۔ جب ہم ڈوبنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنے لگے اور یوں پکارنے لگے ''یَا مُحَمَّدَاهُ، یَا مُحَمَّدَاهُ'' ہمارے ساتھ مغرب کا ایک نیک دل شخص تھا۔ وہ بولا: حاجیو! گھبراؤ مت، تم بچ جاؤ گے کیوں کہ ابھی میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے حضور سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کی امت آپ سے استغاثہ کر رہی ہے۔ حضور نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مدد کرو۔ مغربی کا قول ہے کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ

حضرت صدیق اکبر سمندر میں گھس گئے۔ انہوں نے کشتی کے پتوار پر اپنا ہاتھ رکھا اور کشتی کو کھینچتے رہے یہاں تک کہ خشکی سے جا لگی۔ چنانچہ اس خواب کے بموجب ہم صحیح وسالم رہے اور اس کے بعد بجز خیر ہم نے کچھ نہ دیکھا اور صحیح وسالم خشکی پر پہنچ گئے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، از علامہ نبہانی، ص ۷۸۷)

- ابراہیم بن مرزوق بیانی علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں کہ جزیرۂ شقر کا ایک شخص قید ہوگیا۔ اسے بیڑیوں اور کاٹھ میں جکڑ دیا گیا۔ وہ یا رسول اللہ پکار پکار فریاد کرتا تھا۔ اس کے بڑے دشمن نے اس سے طنزیہ کہا کہ جس کو تم پکارتے ہو اس سے کہو کہ تمہیں چھڑا دے۔ جب رات ہوئی تو ایک شخص نے اسے بلایا اور کہا کہ اذان کہو! وہ بولا کہ تم نہیں دیکھتے کہ میں کس حال میں ہوں؟ پھر اس نے اذان کہی۔ جس وقت وہ ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پر پہنچا، تو اس کی بیڑیاں وغیرہ خود بخود ٹوٹ گئیں اور اس کے سامنے ایک باغ نمودار ہوا وہ باغ میں گھومتا رہا اور اچانک اسے باغ سے نکلنے کا ایک راستہ مل گیا۔ جس سے وہ جزیرۂ شقر میں پہنچا اور اس کا قصہ اس کے شہر میں مشہور ہوگیا۔

(شواہد الحق، از علامہ نبہانی، بحوالہ سیرت رسول عربی، از علامہ محمد نور بخش توکلی ۷۴۰)

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی لشکر زیر سرداری امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام گیا ہوا تھا۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر صدیق، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت فضل بن عباس عم رسول، حضرت ضرار بن ازور، حضرت عکرمہ بن ابوجہل، حضرت زبیر بن العوام، حضرت ربیعہ بن عامر، حضرت رافع بن عمیرہ، حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت قیس بن سعید خزرجی، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت رافع بن سہیل، حضرت عبد اللہ بن

عمر فاروق، حضرت صفوان ابن امیہ، حضرت صفوان بن فضل، حضرت سہیل بن عمرو، حضرت دامس ابوالہلول جو غلام تھے۔ حضرت سراقہ بن مرداس، حضرت فضل بن ثابت وغیرہ۔ جیسے جلیل القدر اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس لشکر میں شامل تھے۔ اسلامی لشکر نے ملک شام کے اہم اہم مقامات مثلاً: اجنادین • اریکہ • سحنہ • تدمر • بصرہ • دمشق • توما • حصن القدس • قنسرین • بعلبک • جوسیہ • حمص • جابیہ • یرموک • بیت المقدس • حلب • اعزاز • انطاکیہ کو فتح کرلیا۔

انطاکیہ فتح ہوگیا ہے۔ یہ خبر امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچانے کے لئے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خط دے کر حضرت زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حضرت زید امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ دن ۲۵/ ذیقعدہ ۱۷ھ کا تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط پڑھ کر تمام کیفیت معلوم کی اور خط کا جواب لکھ کر حضرت زید بن وہب کے ہاتھوں روانہ کیا۔

حضرت زید خط لے کر جب واپس آئے تو اسلامی لشکر انطاکیہ سے کوچ کر کے دحازم میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ جب حضرت زید بن وہب وہاں پہنچے تو لشکر میں خوشی اور سرور کا شور و غل تھا۔ کیوں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریائے فرات کے ساحلی علاقے کے شہر • بنج • براعہ • تابلس اور قلعہ نجم کو فتح کرلیا تھا۔ حضرت زید بن وہب نے امیر المومنین کا خط اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ انہوں نے وہ خط کھولا اور تمام حاضرین کو سنایا۔ اس خط میں امیر المومنین نے لشکر اسلام کے سردار کو یہ حکم دیا تھا کہ تم ایک جگہ بیٹھے نہ رہو بلکہ اطراف کے پہاڑی علاقوں کو بھی فتح کر کے وہاں بھی اسلامی حکومت قائم کرو۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت میسرہ بن مسروق العیسی کی

سرداری میں پہاڑی علاقوں کی طرف ایک سریہ یعنی چھوٹا لشکر روانہ کیا۔

اس لشکر کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) تھی جن میں سے تین ہزار مجاہدین گروہ یمن کے تھے اور ایک ہزار مجاہدین عرب کے غلاموں سے تھے۔ ان ایک ہزار غلاموں پر حضرت دامس ابوالہلول کو سردار مقرر کر کے حضرت ابوعبیدہ نے ان کو لشکر کا مقدم یعنی آگے چلنے والا دستہ مقرر کیا۔ حضرت ابوعبیدہ نے ایک نشان مثل نشان رسول اللہ بنایا اور وہ نشان سیاہ کپڑے کا تھا جس میں سفید حروف سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ '' لکھا ہوا تھا۔ پس جنبش دی اس نشان کو جو ایک نیزے پر بنا ہوا تھا اور سپرد کیا اس کو حضرت میسرہ بن مسروق کو۔ پورے چار ہزار کا لشکر حضرت میسرہ بن مسروق کی سرداری میں وہاں سے پہاڑی علاقوں کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت میسرہ بن مسروق نے ملک شام کے جغرافیہ سے واقفیت رکھنے والے چار اشخاص کو بحیثیت راہبر کے ساتھ لیا۔ ان راہبروں کے مشورے اور راہبری کے موافق اسلامی لشکر شہر قورس پہنچا جو پہاڑی علاقے میں واقع تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر بقعۂ جند داس نامی مقام سے ہوتے ہوئے نہر ساحور پر پہنچے۔ وہاں سے کوچ کر کے پہاڑی کے شگاف میں ایک گاؤں میں پہنچے۔ لیکن پورا گاؤں انسانوں سے خالی تھا۔ کیوں کہ وہاں کے رومی باشندوں کو اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے اہل و عیال سمیت فرار ہو گئے تھے۔ حالاں کہ ان کا مال و اسباب جانور مویشی وغیرہ گاؤں ہی میں تھے لیکن آدمی کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اس اسلامی سریہ یعنی چھوٹے لشکر کے سردار حضرت میسرہ بن مسروق نے مجاہدین سے فرمایا کہ ہوشیار ہو جاؤ اور احتیاط برتو۔ کیوں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ شاید ان لوگوں نے کوئی مکر و فریب ہمارے ساتھ کیا ہے تھوڑی ہی دیر میں لشکر کے ایک مجاہد کو سب نے دیکھا کہ وہ کسی رومی گبر یعنی آتش پرست رومی کو مثل چوپائے کے گھسیٹ کر لا رہے ہیں۔ جب اس کو حضرت میسرہ کے سامنے لایا گیا تو اس نے بتایا کہ جب ہمارے بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ انطا کیہ عربوں نے فتح

کر لیا ہے اور انطا کیہ کے حاکم کو سولی دے دی گئی ہے تو اس نے اپنے بطارقہ یعنی پادریوں کو جمع کیا ہے اور پہاڑی علاقوں کو عربوں سے محفوظ کرنے کے لئے تیس ہزار (۳۰،۰۰۰) کی مسلح فوج لے کر نکلا ہے اور وہ فوج تم سے صرف دو فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ حضرت میسرہ بن مسروق اور اس رومی گبر کے درمیان یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ اچانک رومیوں کے لشکر کے نشان اور صلبان دکھائی دیئے اور وہ اسلامی لشکر سے کچھ فاصلے پر آ کر ٹھہر گیا۔ رومیوں نے اپنے لشکر کو تین صفوں میں تقسیم کیا، تیس ہزار کے لشکر کے سامنے مسلمانوں کا صرف چار ہزار کا لشکر مقابل ہوا۔ اور جب جنگ کی آگ تیز ہوئی اور رومیوں نے مسلمانوں پر شدت کا حملہ کیا اور بظاہر غالب ہوتے نظر آنے لگے، تب اسلامی لشکر کے مجاہدین نے ''اَلنَّصْرُ ، اَلنَّصْرُ یَا مُحَمَّدُ ، یَا مُحَمَّدُ '' پکارنا شروع کیا اور مسلمانوں نے کامل شجاعت اور دلیری دکھائی۔ یہ جنگ بمقام ''مرج البقائل'' ہوئی تھی۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ حضرت دامس ابوالہلول نے کیا تھا۔ ان کے لڑائی کے کرتب اور فن سپہ گری سے رومی پریشان ہو گئے تھے۔ کیوں کہ وہ دشمن پر قہر الٰہی کی بجلی کی مانند ٹوٹ پڑتے تھے اور آن کی آن میں صفوں کی صفیں الٹ دیتے تھے۔ پہلے دن کی جنگ ختم ہوئی تو رومی لشکر کے گیارہ سو (۱۱۰۰) سپاہی قتل ہوئے اور نو سو (۹۰۰) سپاہی گرفتار ہوئے۔ اسلامی لشکر کے پچاس مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور حضرت دامس ابوالہلول اور ان کے ساتھ دس ۱۰/ حضرات کو رومیوں نے گرفتار کر لیا تھا۔

وہ دس حضرات:

(۱) عامر بن طفیل (۲) راشد بن زبیر (۳) مالک بن حاتم (۴) سالم بن مفرح (۵) دارم بن صابر (۶) عون بن قارب (۷) مشعر بن حسان (۸) مفرح بن عاصم (۹) نبہان بن مرہ (۱۰) اور عدی بن شہاب تھے۔ رومیوں نے ان کو بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا۔

یہ پورا واقعہ بیان کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یہ کہ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ''کہ امانِ دل وجاں'' اور بلا سے نجات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار سے حاصل ہوتی ہے۔ ان قیدیوں کو کس طرح رہائی حاصل ہوئی؟ خود حضرت دامس ابوالہلول کی زبانی سنئے۔جس کو علامہ واقدی نے اپنی کتاب ''فتوح الشام'' ص ۲۸۶ پر نقل فرمایا ہے۔

اور دامس نے کہا کہ اپنے سردار (یعنی میسرہ بن مسروق) جانو تم اس امر کو کہ رومیوں نے مجھ کو گرفتار کیا اور جکڑ لائے تھے ہم کو بیڑیوں میں اور ایسا ہی کیا تھا انہوں نے میرے ہمرائیوں کے ساتھ اور نا امید ہو گئے تھے ہم اپنی جانوں سے۔ پس جب چھپایا رات نے سو گیا میں پس دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور گویا آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں ''لَا بَاسَ عَلَیْكَ یَا دَامِسُ وَاعْلَمْ اِنَّ مَنْزِلَتِیْ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمًا '' (نہیں سختی ہے تجھ پر اے دامس اور جان تو کہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔)

پھر کھینچا آپ نے اپنے بزرگ ہاتھ سے بیڑیوں کو، پس کھل گئیں وہ اور طوقوں کو، پس دور ہو گئے وہ اور ایسا ہی کیا آپ نے میرے ہمرائیوں کے ساتھ اور فرمایا ''اَبْشِرُوْا بِنَصْرِ اللّٰہِ فَاَنَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ '' تم خوش ہو تم ساتھ مدد ہی اللہ کے، پس میں محمد رسول اللہ ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پھر پوشیدہ ہو گئے آپ ہم سے پس لیا ہم نے اپنی تلواروں کو اور کھینچ لیا ہم نے ان کو قدم کے بیچ اور حملہ کیا ہم نے قوم (رومیوں) پر پس مدد دی ہم کو اللہ نے ان پر اور رسول اللہ نے اور یہ حال اور بیان ہمارا ہے پس شور کیا مسلمانوں نے ساتھ تہلیل اور تکبیر کے اور درود بھیجا بشیر اور نذیر پر۔

(ملخصاً حوالہ ماخوذ از: فتوح الشام، مصنف علامہ امام اجل محمد بن عمرو واقدی۔ ناشر نولکشور لکھنؤ، اردو ترجمہ، سال طباعت ۱۹۰۳ء، ص ۳۷۶ تا ۳۸۶)

قارئین کرام! مذکورہ واقعہ میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ حضرت دامس ابوالہلول اور

ان کے ساتھیوں کو رومیوں کی قید سے رہائی عطا کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ان کی بیڑیاں کھول دیں اور ان کو فتح کی خوشخبری بھی سنائی۔ اور اس خوشخبری کے عین مطابق مجاہدین اسلام نے رومیوں کے تیس ہزار کے لشکر پر فتح پائی۔ ایسے تو کئی واقعات علامہ واقدی اپنی کتب سیر وتواریخ مثلاً: (۱) مغازی صادقہ ترجمہ مغازی الرسول (۲) فتوح الشام (۳) فتوح مصر اور (۴) فتوح عجم میں روایت کرتے ہیں۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام جنگ کے دوران اور دیگر مراحل میں مصیبت کے وقت یا رسول اللہ کہہ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارتے تھے اور آپ سے استغاثہ کرتے تھے اور اپنے جاں نثاروں کی نصرت واعانت کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر موقع وہر مقام پر ان کی دستگیری اور مشکل کشائی فرماتے تھے۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنا اور آپ سے مدد طلب کرنا شرک ہوتا تو صحابۂ کرام نے کیوں پکارا؟ اور کیوں مدد طلب کی؟ کیا وہ شرک کے معنی، اصطلاح اور احکام سے واقف نہ تھے؟ کیا اسلام کو وہ نہ جانتے تھے؟ ان تمام سوالات کا جواب قارئین اپنے دل سے حاصل کریں۔

۞......۞......۞

(42)

ہوئی کمخوابی ہجراں میں ساتوں پردے کمخوابی

تصور خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا

حل لغت:

کمخوابی: نیند نہ آنے کا مرض۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۲۷)

ہجراں: جدائی، مفارقت، ہجر، قطع تعلق۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۳۴ ☆ لغات کشوری، ص۸۱۲)

ساتوں پردے: بہت زیادہ پردہ کرنے لگنا، اس عورت پر طنز جو یکا یک صاحب ثروت ہوجانے پر بہت زیادہ پردہ کرنے لگے۔ (فیروز اللغات، ص۷۶۰)

کمخواب: ایک قسم کا ریشمی کپڑا، جو زری کے تاروں کی آمیزش سے بنایا جاتا ہے، زربفت۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۲۹)

تصور: دل میں تصویر بنانا، دھیان، مراقبہ، خیال، منصوبہ، سوجھ۔

(فیروز اللغات، ص۳۶۲ ☆ لغات کشوری، ص۱۴۸ ☆ کریم اللغات، ص۳۲)

استار: ستر کی جمع بمعنی پردہ۔ (لغات کشوری، ص۳۲)

تربت: قبر، مزار، گور، مٹی۔

(فیروز اللغات، ص۳۵۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۴۱ ☆ کریم اللغات، ص۳۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کمخوابی'' ہے اس کا مطلب ''نیند نہ آنا'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کمخوابی'' ہے اس کا مطلب ''ریشمی کپڑا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عشق رسول کی اعلیٰ منزل میں پہنچ کر اپنے پیارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق وہجر کی بے چینی و تڑپ کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس شعر کے مصرع اول میں لفظ ''کمخوابی'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ کمخوابی ہے اس کا مطلب ہوتا ہے کمخوابی یعنی نیند نہ آنے کا مرض اور دوسری مرتبہ جو لفظ کمخوابی ہے اس کا مطلب ہوتا ہے ریشمی کپڑا، جس کو عوام ''کن خواب'' بھی کہتے ہیں۔ کن خواب کا کرتا یا کن خواب کا پردہ عوام کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت کن خواب کا لفظ ''کم خواب'' کا بگڑا ہوا ہے۔ صحیح لفظ کمخواب ہے۔ کمخواب کا کپڑا ریشم اور سونے کے تاروں کی آمیزش سے بنایا جاتا ہے۔ اور اس کپڑے کا ایک دوسرا نام زربفت بھی ہے، زربفت کے کپڑے کا زیادہ تر استعمال بادشاہوں کے محل اور امیروں کے ایوانوں کے پردے میں ہوتا ہے۔ زربفت یعنی کہ کمخواب کا کپڑا ایک نرالی شان وشوکت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ کپڑا قیمت کے اعتبار سے بہت مہنگا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کی بنائی میں سونے کے تار کی آمیزش ہوتی ہے۔ کم خواب کا کپڑا دن کو آفتاب کی روشنی کی وجہ سے اور رات کو چراغ کی وجہ سے جگمگا اٹھتا ہے۔ اور وہ ہر ایک کی نظر کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کمخواب کا کپڑا صاحب خانہ کی جاہ وجلال کا مظہر ہوتا ہے۔ کمخواب کے کپڑے کا استعمال مفلس الحال یا متوسط مالی حیثیت رکھنے والے کے لئے مشکل ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع اول میں دونوں لفظ ''کم خواب'' اسم ہیں۔ لیکن دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل مماثل کا ہے۔

پہلے ہم شعر کے لغوی اور ظاہری معنی دیکھیں۔ شعر کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ہجراں اور جدائی میں نیند نہ آنے کا مرض لاحق ہو گیا اس محبوب کے فراق میں جو کمخواب کے کپڑے کے پردوں میں اپنے آپ کو خوب چھپائے ہوئے ہے۔ وہ محبوب سات پردوں میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے اس کا ظاہری دیدار و نظارہ ممکن نہیں۔ لہٰذا اس کے عشاق محبوب کی مقدس قبر کے پردے کا تصور اپنی آنکھوں میں باندھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یعنی کہ تربت کا تصور باندھنے سے آنکھوں میں محبوب کی تربت کا جو نقشہ جمتا ہے اور تربت کا جو صاف یا دھندلا نظارہ ابھرتا ہے۔ یہ تو ہوئے باعتبار لغت شعر کے ظاہری معنی۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں ہجر و فراق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے جذبات دل سوختہ کا اظہار فرمایا ہے۔ اب شعر کے مفہوم کی گہرائی میں غوطہ زن ہونے سے پہلے شعر میں ''ساتوں پردے'' جملہ کی وضاحت کرلیں۔ ساتوں پردے چھپنا یہ اردو زبان کا محاورہ ہے۔ اس محاورے کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے کہ کوئی ذات اپنے آپ کو خوب پردے میں چھپانے لگے، یا اس عورت پر بطور طنز اس محاورے کا استعمال ہوتا ہے جو یکا یک صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے خوب پردہ کرنے لگے۔ لیکن یہاں یہ معنی مراد نہیں۔ بلکہ کوئی ذات اپنے آپ کو چھپانے کے لئے خوب پردہ کرے۔ یہ مراد ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہم گنہگاروں پر عظیم رحمت ہے کہ آپ نور ہونے کے باوجود ہم میں بصورت بشری تشریف لائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حدیث حضرت جابر میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

- قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''قَدۡ جَاءَکُمۡ مِنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیۡنٌ'' (پارہ ۶، سورۂ مائدہ، آیت ۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

(کنزالایمان)

- اس آیت کی تفسیر میں امام اجل علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ ''اَلۡمُرَادُ بِالنُّوۡرِ مُحَمَّدٌ وَ بِالۡکِتَابِ اَلۡقُرۡاٰنُ'' یعنی نور سے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کتاب سے قرآن مراد ہے۔ (تفسیر کبیر پارہ ۶، ص ۱۸۹)
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی اصلیت نور ہے۔ حقیقت نور محمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ خود حضور فرماتے ہیں کہ ''لَمۡ یَعۡرِفۡنِیۡ حَقِیۡقَةً غَیۡرُ رَبِّی۔''
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی نور تھی۔ آپ نے اپنی نوری ذات پر بشریت کے پردے ڈال رکھے تھے۔ اور اپنی حقیقت نوریہ کو بقول حضرت رضا بریلوی ''ساتوں پردے میں چھپا رکھا تھا'' خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اَیُّکُمۡ مِثۡلِیۡ'' یعنی تم میں سے کون ہے جو میری مثل ہو۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عالم شہادت و دنیا میں نوع انسانی کی بھلائی کے لئے اگرچہ لباس بشریت میں تشریف لائے اس کے باوجود بھی آپ کی مبارک بشریت نور سے مغلوب ہی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔ آپ کے جسم اقدس سے خارج ہونے والا پسینہ، بول و براز میں دنیا کی سب سے بہترین خوشبو ہوتی تھی۔ آپ کا جسم اقدس کائنات کی ہر شئ سے بڑھ کر لطیف تھا۔ ایک مقام پر آپ نے اجسام انبیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''نُبِتَتۡ اَجۡسَادُنَا عَلٰی اَرۡوَاحِ الۡجَنَّةِ'' یعنی ہمارے اجسام اہل جنت کی مانند پیدا کئے گئے ہیں۔ (زرقانی شریف)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی نوری تھی۔ اس ذات گرامی کی حقیقت

نور ہے۔اوراس حسین وجمیل ذات نے اپنے آپ کو چھپانے کے لئے لطیف جسم پر بشری پردہ ڈال رکھا ہے۔ بلکہ سات پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ظاہری حیات میں جب آپ نے اپنی نورانی ذات کو بشریت کے پردے میں چھپا رکھا تھا۔اب دنیا سے ظاہری طور پر پردہ کرنے کے بعد ساتوں پردوں میں اوراضافہ ہوگیا۔اب نظروں سے اوجھل ہوگئے۔وہ تو ضرور ہم کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔لیکن ہماری قاصر نظریں ان کے ظاہری دیدار سے محروم ہیں۔اوراسی محرومی کے احساس نے رفیق غار،خلیفۃ المسلمین،امیرالمومنین سیدنا صدیق اکبراور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی راتوں کی نینداور دن کا چین چھین لیا تھا۔فراق وہجر یار میں ایسے تڑپتے تھے کہ جیسے ماہئ بے آب۔صحابہ کرام نے تو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے حالت بیداری میں ظاہری حیات میں اس جان جاناں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نظارہ کیا تھا۔لہٰذا ان پر تو فراق وہجر بہت ہی شاق گزرے یہ فطری وطبعی بات ہے۔لیکن ہزار سال کے بعد بھی ایسے عاشق پیدا ہوئے ہیں جو اپنے محبوب آقا کے ہجروفراق میں تڑپتے ہیں۔اور پوری رات ان کے تصور میں بیدار رہتے ہیں۔نیندان کی آنکھوں سے میلوں دور ہوجاتی ہے۔اوروہ کمخوابی کے عالم میں کمخواب کے ساتوں پردوں میں محجوب اپنے آقا کے ہجروفراق میں بے چین وبے قرار رہتے ہیں۔حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

حسن بے پردہ کے پردے نے مٹا رکھا ہے
ڈھونڈنے جائیں کہاں جلوۂ ہرجائی دوست

●

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دیدہائے فلک

●

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

●

اٹھا دو پردہ دکھادو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہورہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ’’تصور خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا‘‘ اس مصرع میں حضرت رضا بریلوی ایک عاشق کی ذہنی وقلبی حالت کی عکاسی فرمارہے ہیں۔جب ایک عاشق بظاہر اپنے محبوب کے وصال سے محروم ہوجاتا ہے تو وہ تصور میں وصل محبوب سے لطف اندوز ہونے کی راہ اختیار کرتا ہے۔بلکہ راہ خود بخود رونما ہوجاتی ہے۔ہجروفراق کی سنگین گھڑیاں اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ہجروفراق کے تعب کے ازالہ کے لئے اس کے پاس کوئی راہ نہیں ہوتی،بجز اس کے کہ وہ ہمہ وقت یاد محبوب میں محو رہے۔ایک عاشق صادق کے لئے اپنے محبوب کے خیال میں کھوجانے سے بڑھ کر کوئی چیز فرحت بخش اور راحت افزا نہیں ہوتی،قلب حزیں کا سکون صرف یاد محبوب ہوتا ہے۔صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات زندگی کا جائزہ لینے سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے فراق محبوب کی آگ کو یاد محبوب کے پانی سے راحت بخش بنالیا تھا۔جس کو دیکھو وہ اپنے کریم کی مدح وثناء میں مصروف ہے۔کوئی حسن وجمال رخ انور کا ذکر کررہا ہے،کوئی خصائص کا تذکرہ کررہا ہے،کوئی معجزات کا بیان کررہا ہے،کوئی خلق وخلق کی نعت میں مصروف ہے،کوئی اختیارات وتصرفات کے واقعات روایت کررہا ہے۔

الغرض!عاشق ہرلمحہ ہرساعت اپنے آقا کے ذکر میں رطب اللسان ہے۔ان حضرات کے سوز عشق نے ملت اسلامیہ پر ایک عظیم احسان یہ کیا کہ لاکھوں احادیث کا ذخیرہ،سرمایہ علم و عرفان وایمان کی حیثیت سے میراث میں انھیں عطا کیا۔اور آنے والی نسل ان کے مطالعہ یا سماعت سے عشق رسول کی چاشنی سے بہرہ مند ہوتی رہے گی۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے ظاہری طور پر پردہ کرنے کے بعد صحابۂ کرام کا مرکز توجہ وارادت مزار انور رہا۔ان

تمام واقعات کی تفصیلی گفتگو یہاں ممکن نہیں صرف ایک واقعہ عرض خدمت ہے۔

● حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال سے پہلے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور کے سامنے رکھ دینا اور ''اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْکَ وَسَلَّمَ'' کہہ کر عرض کرنا کہ حضور! ابوبکر آپ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوا ہے۔ اگر اجازت ہوئی تو دروازہ کھل جائے گا۔ تو تم مجھے اندر لے جانا اور دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملنے کی وجہ سے دروازہ نہ کھلے تو مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رحلت فرمائی تو لوگوں نے آپ کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ ابھی اجازت حاصل کرنے کے کلمات پایۂ اختتام کو نہ پہنچے تھے کہ پردہ اٹھ گیا، دروازہ کھل گیا۔ اور مزار اقدس سے آواز آئی کہ ''حبیب کو حبیب کی طرف لے آؤ'' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روضۂ اقدس میں دفن کیا گیا۔ (شواہد النبوۃ، از علامہ نور الدین جامی، اردو، ۲۷۵)

انہیں حضرات کے نقش قدم پر چل کر حضرت رضا بریلوی راہ عشق کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ اور ہر لمحہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربت اطہر کے تصور میں کھوئے رہتے تھے۔ ایک نعت میں اپنے عشق کے سوز و گداز کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضؔا سارا تو سامان گیا

●

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی ایسی ہوا بتائی کیوں

(43)

آس ہے کوئی نہ پاس اک تمہاری ہے آس
بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود

حل لغت:

آس: ارد، گرد، قرب و جوار، اغل بغل، گرد و پیش، پڑوسی، ایک پھل کا نام۔
(فیروز اللغات، ص ۱۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱)

آس: امید، آشا، خواہش، آرزو، آسرا، بھروسہ، سہارا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۹)

بس: کافی، بہت، صرف، فقط، معنی آفرینی چپ رہو، خاموش رہو۔
(فیروز اللغات، ص ۲۰۲)

آسرا: سہارا، بھروسہ، وسیلہ، توقع، آس، امید۔ (فیروز اللغات، ص ۱۹)

پاس: قریب، نزدیک، قابو میں، قبضے میں، ملکیت میں۔ (فیروز اللغات، ص ۲۶۴)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''آس'' ہے اس کا مطلب ''اردگرد'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''آس'' ہے اس کا مطلب ''بھروسہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مایوسی اور امید کے جذبے کو مشترک طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ شعر کی ابتداء جذبہ مایوسی سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''آس ہے کوئی نہ پاس'' یعنی: میرے اردگرد اور قریب کوئی نہیں اور یہ جملہ

محاورۃً ارشاد فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میرا ہمدرد، مونس، مددگار، دستگیر اور معین کوئی بھی نہیں۔ میں اکیلا ہوں۔ بے یار و مددگار ہوں۔ بے بس و بے کس ہوں۔ مجھے مشکل کے وقت کام آئے ایسا کوئی نہیں۔ اس طرح اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار ایک مایوسی کے طور پر کرتے ہوئے فوراً ہی ایک امید کا تذکرہ کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ ''اک تمہاری ہے آس''، یعنی اے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مایوسی کے عالم میں کہ جب میرے پاس (گرد) اور پاس (قریب) کوئی نہیں۔ ایسے عالم میں مجھے صرف آپ کی آس (امید) ہے اور اس امید کو یقین کامل کی منزل گردانتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ''بس ہے یہی آسرا''، یعنی یا رسول اللہ! آپ کی ذات گرامی جو سراپا رحمت ہے اس کی آس (امید) ہی میرا آسرا ہے۔ تم پہ خدا کی رحمت کے کروڑوں درود نازل ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے مصرع اول میں لفظ ''آس'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''آس'' ہے وہ ارد گرد، قرب و جوار اغل بغل وغیرہ معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''آس'' ہے وہ امید، بھروسہ، آشا، سہارا وغیرہ معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''آس'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے پہلے مایوسی کا اظہار فرمایا ہے۔ بعدہ ایک امید ظاہر فرمائی ہے اور آخر میں اس امید پر یقین کامل کا اعتماد ظاہر فرمایا ہے اور یہ ترتیب احادیث میں مذکور قیامت کے دن کی ہولناک حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کی ہے۔ میدان محشر کی سخت تکالیف سے بیزار ہو کر لوگ مایوسی کے عالم میں کسی شفیع کی تلاش میں مارے مارے پھریں گے۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام تک اولوالعزم انبیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ لیکن کہیں بھی ان کی بگڑی نہ بنے گی۔ ان اولو

العزم انبیائے کرام میں سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کو محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں جانے کا مشورہ دیں گے اور لوگوں کی امیدیں بندھیں گی کہ اس بارگاہ میں جانے سے ہمارا کام بن جائے گا۔ لوگ دوڑے ہوئے اس بارگاہ عالی جناب کے حضور حاضر ہوں گے۔ پریشان لوگ اس بارگاہ میں آنے سے پہلے کئی اور بارگاہ مقدسہ میں حاضر ہو چکے تھے۔ لیکن ہر جگہ سے صرف ایک ہی جواب ملا تھا۔ ''نَفْسِیْ نَفْسِیْ۔ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ''، یعنی آج ہم کو اپنی جان کی پڑی ہے، ہم کو اپنی فکر ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ لیکن اس شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب حاضر ہوں گے تو کریم آقا لوگوں سے کہیں اور جانے کو نہ فرمائیں گے بلکہ یہ فرمائیں گے کہ ''اَنَا لَهَا۔ اَنَا لَهَا''، یعنی میں ہی شفاعت کے لئے ہوں۔ اس دن آپ جس فراخی اور وسعت کے ساتھ شفاعت فرمائیں گے۔ اس سے تمام اولین و آخرین پر کھل جائے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور جو مرتبہ، رتبہ، قرب، وجاہت، عظمت، شان، رسائی، نزدیکی، جاہ وچاہ، رفعت اور محبوبیت اس ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے وہ کسی کی نہیں۔ اس دن کھل جائے گا کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں المنۃ للہ تعالیٰ اس دن موافق اور مخالف پر روشن ہو جائے گا کہ۔ ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ''ایک اللہ ہے اور اس کی نیابت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، از: امام احمد رضا، ص ۱۰۸)

حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ کے تعلق سے تفصیلی گفتگو مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح میں کی گئی ہے۔ ناظرین کرام سے التماس ہے کہ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

شعر نمبر 19:

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

شعرنمبر 37:

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ

تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

شعرنمبر 65:

لو وہ آیا میرا حامی میرا غم خوار امم

آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

شعرنمبر 78:

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے

جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

شعرنمبر 79:

یہ مرحمتیں، کہ کچی متیں ، نہ چھوڑیں لتیں نہ اپنی گتیں

قصور کریں اوران سے بھریں قصور جناں تمھارے لیے

یہاں پر چند احادیث تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں ۔ جو مندرجہ بالا اشعار کی تشریح میں مذکور ہیں۔

● ابونعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’وَبِيَدَيَّ لَوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ تَحْتَهُ وَلَا فَخْرَ وَاِلَيَّ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا فَخْرَ وَ بِيْ تُفْتَحُ الشَّفَاعَةُ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا سَابِقُ الْخَلْقِ اِلَى الْجَنَّةِ وَ لَا فَخْرَ وَاِمَامُهُمْ وَ اُمَّتِيْ بِالْاَثَرِ۔‘‘

ترجمہ: قیامت کے دن میرے ہی ہاتھ میں لواء حمد ہوگا اور تمام انبیاء اس کے نیچے اور کچھ فخر نہیں اور میرے ہی اختیار میں جنت کی کنجیاں ہوں گی اور کچھ فخر نہیں اور مجھی سے شفاعت

کی پہل ہوگی ۔ اور کچھ فخر نہیں ۔ اور میں تمام مخلوق سے پہلے جنت میں تشریف لے جاؤں گا۔ اور کچھ فخر نہیں۔ میں ان سب کے آگے ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے۔ (تجلی الیقین، ص۹۰)

● دارمی، ترمذی، ابویعلیٰ بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ’’اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَ اَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَ اَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصِتُوْا وَ اَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ اِذَا جَلَسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا يَئِسُوْا اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ ،لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ ۔ اَنَا اَكْرَمُ وَلَدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ اَلْفُ خَادِمٍ كَاَنَّهُمْ بِيْضٌ مَكْنُوْنٌ وَ لُؤْلُؤٌ مَنْثُوْرٌ۔‘‘

ترجمہ: میں سب سے پہلے (قبر سے) باہر تشریف لاؤں گا۔ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور میں سب کا پیشوا ہوں گا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حضور چلیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ دم بخود رہ جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا۔ جب عرصۂ محشر میں رد کئے جائیں گے اور میں انہیں بشارت دوں گا جب وہ ناامید ہو جائیں گے۔ عزت اور خزائن رحمت کی کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں تمام آدمیوں سے زیادہ اپنے رب کے نزدیک اعزاز رکھتا ہوں ۔ میرے گرد و پیش ہزار خادم دوڑتے ہوں گے گویا وہ انڈے ہیں حفاظت سے رکھے ہوئے یا موتی ہیں بکھرے ہوئے۔

● حاکم اور بیہقی نے کتاب الرویۃ میں حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ’’اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ ۔ مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَهُوَ تَحْتَ لِوَائِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَنْتَظِرُ الْفَرَجَ وَاِنَّ مَعِيْ لِوَاءَ الْحَمْدِ اَنَا اَمْشِيْ وَ يَمْشِيْ النَّاسُ مَعِيْ حَتّٰى اٰتِيْ بَابَ الْجَنَّةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا؟ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَيُقَالُ

مَرْحَبًا بِمُحَمَّدٍ فَاِذَا رَاَيْتُ رَبِّی خَرَرْتُ لَهٗ سَاجِدًا اَنْظُرُ اِلَیْهِ۔‘‘

ترجمہ: میں روز قیامت سب لوگوں کا سردار ہوں اور کچھ افتخار نہیں، ہر شخص قیامت میں میرے ہی نشان کے نیچے کشائش کا انتظار کرتا ہوگا اور میرے ہی ہاتھ لوائے حمد ہوگا۔ میں جاؤں گا اور لوگ میرے ساتھ چلیں گے یہاں تک کہ در جنت پر تشریف لے جا کر کھلواؤں گا۔ پوچھا جائے گا، کون ہے؟ میں کہوں گا، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہا جائے گا: مرحبا محمد کو (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اس کے حضور سجدے میں گر پڑوں گا۔ اس کی طرف نظر کرتا۔ (تجلی الیقین)

- احمد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور ابن ابی شیبہ نے بافادۂ تحسین وتصحیح اور بسند صحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُنْتُ اِمَامُ النَّبِيِّيْنَ وَ خَطِيْبُهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرُ فَخْرٍ۔‘‘

ترجمہ: جب قیامت کا دن ہوگا میں تمام انبیاء کا امام اور ان کا خطیب اور ان کا شفیع ہوں گا۔ (تجلی الیقین، ص ۱۲۵)

اسی کو حضرت رضا بریلوی پیش نظر رکھتے ہوئے اور اس پر کامل اعتماد کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ

بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود

(44)

ملے لب سے وہ مشکیں مہر والی دم میں دم آئے
ٹپک سن کر قم عیسیٰ کہوں مستی میں قلقل کو

حل لغت:

مہر: ہمدردی، ترس، ممتا، حب، محبت، دوستی، الفت، پیار، شفقت، رحم، آفتاب، سورج۔
(فیروز اللغات، ص ۱۳۲۲ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۷ ☆ کریم اللغات، ص ۷۵)

مشکیں: مشک کے مانند، سیاہ، کالا، مشک سی خوشبو کا، مشک آلودہ۔
(فیروز اللغات، ص ۱۲۵۲)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے کو دھیمی آگ پر رکھنا، طاقت، قوت، زور، نیزے کی نوک، تلوار کی دھار، خوبی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت، اولوالعزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، دغا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن، خون، شیخی۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۴۷)

قم: اٹھ کھڑا ہو، اٹھ بیٹھ، جی اٹھ۔ (فیروز اللغات، ص ۹۶۳ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۸)

مستی: نشہ، خمار، کیف، مدھ، مدہوشی، بدمستی، متوالا پن، غرور، تکبر، خواہش نفسانی، وہ پانی جو بعض درختوں سے ٹپکتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۴۴)

قلقل: صراحی یا بوتل سے پانی یا شراب نکلنے کی آواز۔
(فیروز اللغات، ص ۹۶۱ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۷)

ٹپک: پانی کے قطرے لگاتار گرنے کی آواز، زخم کی ٹیس یا چمک، تپک، دھڑک، پھڑک۔
(فیروز اللغات، ص ۴۱۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''زندگی'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''خوشی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان وجد عشق نبی میں سرشار ہوکر اپنے عشق کی کیفیت ایک نرالے انداز میں بیان فرمارہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اے کاش میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس لبوں سے مشک کی خوشبو میں بسی ہوئی ہمدردی اور رحم کی آمیزش والی چند بوندیں لعاب دہن، یا پانی کی مل جائیں تو دم میں دم آجائے۔ زندگی تمام خوشیوں سے بھر جائے۔ دونوں جہاں کی نعمت حاصل ہوجائے اور نعمت کے حصول پر مستی میں جھوم اٹھوں اور اس مستی کے عالم میں قلقل کو قم عیسیٰ کہہ اٹھوں ''قلقل'' کو قم عیسیٰ کہہ اٹھنے کا جملہ فرما کر حضرت رضا بریلوی نے علم وعرفان کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رواں کر دیا ہے۔ قلقل کے لغوی معنی یہ ہیں کہ جب صراحی یا بوتل سے پانی نکالنے کے لئے اس کو جھکایا جاتا ہے تو اس صراحی میں پانی کی سطح کے اوپر کی ہوا کی تہہ بوتل یا صراحی کے جھکنے کی وجہ سے اپنی جگہ سے اوپر کی طرف سرایت کرتی ہے اور سرایت کرتے وقت پانی درمیان میں حائل ہوتا ہے تو وہ ہوا پانی میں سرایت کرکے اپنی راہ بناتی ہے۔ جس کے نتیجے میں گٹ، گٹ، گٹ آواز پیدا ہوتی ہے۔ بوتل یا صراحی سے پانی گٹ گٹ کی آواز سے نکلتا ہے۔ اور پانی نکلنے کی رفتار بھی آہستہ ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صراحی اور بوتل کا منھ سکڑا ہوا اور تنگ ہوتا ہے اور پانی نکلنے میں ہوا حائل ہوکر رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ ہوا پانی میں سرایت کرنے کی کوشش کرتی ہے اور پانی اور ہوا میں گھسن اور رگڑ ہوتی ہے۔ اور اسی رگڑ کی وجہ سے گٹ گٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے پتیلی، کڑاہی اور دیگر چوڑے منھ اور سطح والے برتن سے پانی نکالتے وقت نہ

تو گٹ گٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی پانی دھیمی رفتار سے نکلتا ہے بلکہ باعتبار برتن کے جھکاؤ کے رفتار سے بہتا ہے، ٹپکتا نہیں۔ حضرت رضا نے صراحی یا بوتل سے پانی نکلتے وقت پیدا ہونے والی آواز قلقل کو قم عیسیٰ کہا۔ اب قم عیسیٰ کا مطلب بھی ذہن نشیں کرلیں۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ کہ آپ مٹی سے کوئی بھی پرندہ بنا کر پھونک دیتے تھے تو واقعی وہ زندہ پرندہ ہوجاتا تھا۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے، اور مردہ آدمی کو ''قم باذن اللہ'' کہہ کر زندہ کرتے تھے۔

- قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح ہے کہ ''اِنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْيِی الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (پارہ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۴۹)

ترجمہ: میں بناتا ہوں تمہارے لیے پرند کی سی مورت، پھر پھونک مارتا ہوں اس میں تو ہوجاتی ہے وہ پرند اللہ کی پروانگی سے، اور میں شفا دیتا ہوں، مادرزاد اندھے اور بدن بگڑے کو، اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ تعالیٰ کی پروانگی سے۔ (الامن والعلی، ص۴۰)

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزات کی خود رب تبارک وتعالیٰ تائید اور تصدیق فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ۔'' (سورۂ المائدہ، آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور جب تو بناتا مٹی سے پرند کی شکل میری پروانگی سے پھر پھونک مارتا اس میں تو وہ ہوجاتی پرند میری پروانگی سے اور جب تو قبروں سے مردے نکالتا میری پروانگی سے۔

(الامن والعلی، ص۴۰)

عام اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ کو ''قم عیسیٰ''، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا کھڑا کرنا کہتے ہیں شعر کی معنویت اور جامعیت سے لطف

اندوز ہونے کے لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے استعمال فرمودہ الفاظ ''دم دم، قم قم'' اور ''قل قل'' میں باہمی ربط، تطبیق اور تطابق کی تفصیلی وضاحت سے پہلے مصرع اول کا ابتدائی حصہ ''ملے لب سے وہ مشکیں مہر والی'' پر غور کریں۔ اس جملہ میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تمنا کرتے ہیں کہ کاش! رحمت عالم اور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لبہائے مقدس سے لعاب دہن یا پانی کی چند بوندیں مل جائیں۔ حضرت رضا بریلوی کی یہ تمنا احادیث میں مذکورہ واقعات ومعجزات سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا بے مثل و بے نظیر بنایا ہے کہ کائنات کی کوئی شئی یا شخصیت آپ کے مثل نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کے جسم اقدس سے مشک وعنبر سے بڑھ کر خوشبو ومہک آتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کے پسینہ مبارک سے بھی خوشبو آتی تھی۔ جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کئی دن تک خوشبو مہکتی تھی، جس کنویں کے پانی میں آپ اپنا لعاب دہن (تھوک مبارک) ڈال دیتے تھے وہ کنواں اگر کھاری ہوتا تو میٹھا ہو جاتا تھا۔ اور اس کنویں کے پانی میں بھی خوشبو آتی تھی۔

احادیث کی روشنی میں چند واقعات پیش ہیں۔ جن کو بغور مطالعہ کرنے کی قارئین سے گزارش ہے۔ مخالفین ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اور نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے والے اپنے سروں پر ندامت کی دھول ڈالیں۔

● حضرت عتبہ بن فرقد کی ایک بیوی کا بیان ہے کہ عتبہ کی چند بیویاں تھیں تمام بیویوں کی یہی کوشش ہوتی کہ اچھی خوشبو لگا کر ان کے پاس رہیں۔ کیوں کہ عتبہ کے جسم سے بہترین قسم کی خوشبو آتی تھی۔ حالاں کہ وہ خوشبو کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ تاہم ان کی خوشبو ہماری کوششوں سے رچائی ہوئی خوشبو پر غالب آجاتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی مجلس میں چلے جاتے تو ساری مجلس مہک جاتی تھی۔ لوگوں نے ایک دن ان سے اس خوشبو کی وجہ پوچھی۔ تو

انہوں نے بتایا کہ مجھے ایک دفعہ ایک ایسا پھوڑا نکلا کہ جس کی بدبو مجھے پسند نہ تھی، میں نے اس کی شکایت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کی۔ حضور نے اس پر اپنے مقدس لبوں سے دم فرمادیا۔ اسی دن سے عمر بھر کے لئے مجھ سے خوشبو آنے لگی۔ (شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص۲۲۴)

● سنن ابن ماجہ میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ڈول پانی لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے کچھ پانی نوش فرمایا اور اس پانی میں کلی فرمادی۔ لوگوں نے اس ڈول کا پانی ایک کنویں میں ڈال دیا۔ ''فَفَاحَ مِنْهَا مِثْلَ رَائِحَةِ الْمِسْكِ'' یعنی آپ کے مبارک لعاب کی برکت سے اس کنویں سے کستوری جیسی خوشبو آنے لگی۔ (ابن ماجہ)

● حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ اب اس کنویں کی کیفیت یہ تھی کہ ''فَلَمْ يَكُنْ بِالْمَدِيْنَةِ بِئْرٌ اَعْذَبَ مِنْهَا'' یعنی تمام مدینہ میں ایسا شیریں پانی نہ تھا۔ (شواہد النبوۃ، از: علامہ نورالدین جامی، اردو ترجمہ، ص۲۴۸)

● محدث ابن السکن حضرت ہمام بن نفیل السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں یمن سے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم نے پانی کے لئے ایک کنواں کھودا ہے۔ مگر اس کا پانی نہایت ہی کھارا اور نمکین ہے جو پینے کے قابل نہیں ہے۔ حضور نے مجھے ایک برتن دیا جس میں پانی تھا اور حکم فرمایا کہ اسے کنویں میں ڈال دینا۔ جب وہ پانی ہم نے کنویں میں ڈالا تو وہ اتنا شیریں ہوگیا۔ ''فَهِيَ اَعْذَبُ مَاءٍ بِالْيَمَنِ'' یعنی یمن کے تمام کنوؤں سے اس کا پانی مٹھاس میں بڑھ گیا۔ (شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ۲۲۳)

حضرت رضا بریلوی مذکورہ واقعات کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے دہن اقدس سے حاصل ہونے والے لعاب دہن یا پانی کو مشکیں مہر والی فرما رہے ہیں۔ صرف مشکیں نہیں کہا بلکہ ساتھ میں مہر والی بھی کہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکار نے کھاری کنویں کو شیریں کرنے کے لئے اپنا نوش فرمودہ پانی یا لعاب دہن عطا فرمایا۔وہ بہ تقاضائے رحمت تھا۔حضور کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔کھاری پانی کی وجہ سے آپ کے نام لیوا پریشان تھے۔مصیبت میں تھے،اور ان کی مصیبت کو آپ نے اپنی مہر یعنی رحمت سے زائل فرمادی۔ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عام تجربے کی بات ہے اور اگر کسی کو تجربہ نہ ہوا ہو تو بطور تجربہ پانی میں خوشبو پیدا کرنے کے لئے ایک گلاس پانی میں مشک یا عطر کی دو بوندیں ڈال دے۔پانی یقیناً خوشبودار ہوجائے گا لیکن عطر کی کڑواہٹ کی وجہ سے پینے کے قابل نہ رہے گا۔لیکن بقول حضرت رضا بریلوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی بدولت پانی میں جو خوشبو پیدا ہوئی تھی وہ مہر والی یعنی رحمت والی خوشبو تھی دنیا کی عام خوشبوؤں کی طرح نہ تھی۔کہ جس کی وجہ سے پانی بدذائقہ ہوجائے۔بلکہ مشکیں مہر والی تھی کہ خوشبو کے ساتھ ساتھ پانی خوش ذائقہ اور شیریں ہوجائے۔اب شعر کے مصرع اول کے آخری حصہ پر گفتگو کریں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ زہے نصیب اگر ہماری قسمت چمک اٹھے اور سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس لب سے ''مشکیں مہر والی'' مل جائے تو سمجھو کہ ہماری بگڑی بن جائے اس مشکیں مہر والی کے طفیل ہمارے دم میں دم آئے۔یعنی ہماری زندگی میں جان آجائے۔یہ جملہ بھی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے احادیث میں مذکورہ واقعات کے پیش نظر مرقوم فرمایا ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن کے کئی معجزات صادر ہوئے ہیں اس مقدس لعاب دہن کے طفیل کئی بیماروں اور زخم زدہ صحابۂ کرام نے شفائے کاملہ حاصل کی ہے۔چند واقعات پیش خدمت

ہیں۔

● حضرت شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔میرے ہاتھ میں ایک پھوڑا تھا۔جس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔میں نے سرکار کی خدمت میں اس پھوڑے کی تکلیف کے متعلق عرض کیا کہ اس پھوڑے سے مجھے سخت تکلیف ہے۔نہ تلوار کا دستہ پکڑ سکتا ہوں اور نہ ہی گھوڑے کی لگام تھام سکتا ہوں۔آپ نے مجھے اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا کہ پٹی کھولو! میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پٹی کھول دی۔آپ نے لعاب دہن وہاں لگادیا۔فوراً درد جاتا رہا۔ اور میرا ہاتھ اس قدر صحت یاب ہوگیا کہ مجھے پتہ نہ چلا کہ درد کہاں تھا۔

(شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۲۲۵)

● بخاری اور مسلم میں حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ جنگ خیبر کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں اسلام کا جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ہاتھوں خیبر فتح فرمادے گا۔اور وہ شخص اللہ اور رسول سے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ساری رات تمام صحابۂ کرام آرزوئیں اور دعائیں کرتے رہے کہ یہ جھنڈا ہمیں نصیب ہو۔جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اس وقت وہ یہاں موجود نہیں آپ نے پھر حکم فرمایا کہ جاؤ علی کو بلا کر لاؤ۔جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن مبارک لگادیا۔حضرت علی کی آنکھیں فوراً اس طرح درست ہوگئیں کہ کبھی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ (بخاری شریف)

● حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک خاتون تھی۔ اس کا وطیرہ یہ تھا کہ جو منہ میں آتا کہہ دیتی تھی۔حیا اس میں ذرہ بھر بھی نہ تھی۔لوگ اس سے

تنگ آ چکے تھے۔ ایک دن وہ عورت خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آئی۔ اس وقت حضور خشک کیا ہوا گوشت تناول فرما رہے تھے۔ اس نے کہا کہ آپ اس گوشت میں سے مجھے بھی کچھ دیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے گوشت کا ایک ٹکڑا عطا فرما دیا تو اس نے لینے سے انکار کیا۔ اور ''فَقَالَتْ لَا اِلَّا الَّذِیْ فِیْ فِیْكَ'' یعنی اس عورت نے کہا کہ میں وہ لوں گی جو آپ کے دہن مبارک میں ہے۔ آپ نے اس کی درخواست منظور فرماتے ہوئے اپنے دہن اقدس سے چبایا ہوا کچھ حصہ نکال کر اسے عطا فرما دیا۔ جو اس عورت نے کھایا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن کا اس کے پیٹ میں جانا تھا کہ اس عورت کی کیفیت بدل گئی اور اس خاتون میں فحش گوئی اور بے حیائی کا کوئی نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔ (شواہد النبوۃ)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعاب دہن، یا وضو کا غسالہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھی، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ کے نمائندے عروہ نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنی قوم میں واپس جا کر کہا کہ خدا کی قسم میں قیصر وکسریٰ کے درباروں میں گیا ہوں جو دنیا کے عظیم الشان افراد ہیں میں روم اور ایران بھی گیا ہوں اور ان کے علاوہ بہت سے درباروں میں گیا لیکن جو تعظیم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اصحاب بجالاتے ہیں ایسی تعظیم دنیا کے کسی بادشاہ کے اصحاب نہیں بجالاتے۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھوکا ہے تو لعاب دہن زمین پر نہیں گرتا تھا بلکہ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پہنچ جاتا تھا۔ اور جس کے ہاتھ میں لعاب دہن پہنچتا وہ اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ اور جب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو کرتے تو وضو کا پانی زمین پر گرنے کے بجائے ان کے اصحاب کے ہاتھوں پر گرتا اور وہ اصحاب وضو کا پانی حاصل کرنے میں ایسی سبقت کرتے کہ جھگڑے جیسی

نوبت آجاتی۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۴۶۳)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس لعاب دہن کو دنیا و مافیہا سے افضل اور اعلیٰ جان کر اس کے حصول کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ کیوں کہ اس لعاب دہن کی بدولت ان کے دم میں دم آیا تھا۔ اور اس کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان شعر کے مصرع اول میں بیان فرماتے ہیں شعر کے مصرع ثانی میں مشکیں مہر والی کے حصول کی خوشی اور فرحت کا ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے عشق صادق کی بلندی تو ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ عشق کی مستی میں سرشار ہو کر شریعت مطہرہ کی سرحدیں عبور نہیں کرتے بلکہ احادیث کی روشنی میں شریعت کے اندر رہ کر ''قم قم'' اور ''قل قل'' کو ایک اچھوتے انداز سے نبھا رہے ہیں۔ مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس لب سے مشکیں مہر والی نصیب ہو جائے تو میرے دم میں دم آجائے۔ اور میں مستی میں جھوم اٹھوں۔ مجھ پر کیف وسرور کا عالم طاری ہو، کیف عشق رسول میں مدہوش ہو جاؤں، اور اسی مدہوشی کے عالم میں ''قلقل''، کو ''قم قم'' کہہ اٹھوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ قم قم یعنی جی اٹھ، نے مردوں کو زندہ فرما دیئے لیکن میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی نوش فرمایا۔ اور حلق کے نیچے پانی اترتے وقت جو گٹ گٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ یا وضو کرتے وقت کلی فرمائی اور دہن اقدس سے پانی نکلتے وقت جو قلقل (قل قل) کی مبارک صدا آئی وہ قلقل کی صدا مجھے عشق رسول کی مستی میں قم قم کی صدا محسوس ہو رہی ہے اور یہ سب کچھ مستی کے عالم میں حضرت رضا نے محسوس کیا۔ ایک تو ہوتی ہے مستی اور ایک ہوتی ہے غشی، مستی میں آدمی مدہوش ہو جاتا ہے لیکن غشی میں بے ہوش ہو جاتا ہے، بے ہوشی کے عالم میں انسان اپنے ہوش وحواس

کھو بیٹھتا ہے۔اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ جب آدمی بے ہوش پڑا ہوتا ہے تب اس
کے اردگرد کیا ہو رہا ہے اور کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ اس کا اسے مطلق احساس نہیں ہوتا۔لیکن
مدہوشی کے عالم میں کچھ کا کچھ سمجھتا ہے بلکہ اس کے دل میں جو جذبات اور ذہن میں جو
خیالات ہوتے ہیں۔اسی کی متابعت میں وہ اس گفتگو کو قیاس کرتا ہے۔حضرت رضا بریلوی
عشق رسول کی مستی میں اور کیف وسرور کی حالت میں ''قلقل'' کی آواز سنتے ہیں لیکن دل میں
جذبۂ عشق رسول موجزن ہے۔ذہن میں تصور جاناں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تسلط ہے۔کان
میں تو قلقل کی آواز جاتی ہے۔لیکن مستی میں صحیح ادراک اور فہم نہیں ہے۔لہٰذا قلقل کو قم قم سمجھ
رہے ہیں۔اور یہ اعلان کر رہے ہیں کہ صرف قم عیسٰی ہی سے مردے جی نہیں اٹھے بلکہ میرے
آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو یہ اعجاز ہے کہ:

تم نے چلتے پھرتے مردے جلا دیئے ہیں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
ایک مرتبہ دعوت کی۔حضور جب حضرت جابر کے مکان پر تشریف لے گئے۔تو جابر نے ایک
بکری کا بچہ ذبح کیا۔اور اس کو پکانے کے لئے گھر دے دیا۔حضرت جابر کی بیوی اس گوشت کو
پکانے میں مصروف ہو گئیں۔اور حضرت جابر باہر والے کمرے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور حضور کی زبان فیض ترجمان سے علم وعرفان کی باتیں سماعت
کرنے میں مصروف ہو گئے۔حضرت جابر کے دو بیٹے تھے۔جب حضرت جابر نے بکری کا بچہ
ذبح کیا تھا۔تب وہ دونوں ذبح کے وقت موجود تھے۔حضرت جابر جب حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اور حضرت جابر کی بیوی ادھر گوشت پکانے میں مصروف تھیں تب
بڑے بیٹے نے چھوٹے بھائی سے کہا کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ہمارے والد نے بکری کا بچہ کس
طرح ذبح کیا؟ اس نے چھوٹے بھائی کو زمین پر لٹا کر گلے پر چھری چلا دی اور نادانی سے اسے

ذبح کر دیا۔اچانک حضرت جابر کی بیوی کی نظر بڑے بیٹے کی حرکت پر پڑی تو وہ دوڑ کر اس کی
طرف آئیں لیکن وہ خوف کے مارے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔اور اس نے ماں کے خوف
سے چھت سے چھلانگ لگا دی۔چھت سے زمین پر گرتے ہی وہ بھی واصل بحق ہو گیا۔ایک
ساتھ دو دو بیٹوں کی موت نے حضرت جابر کی بیوی کا کلیجہ شق کر دیا۔لیکن اس صابرہ عورت نے
صرف اس خیال سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت پر شاق نہ گزرے قطعاً رونا
اور چیخنا موقوف رکھا۔بلکہ صبر سے کام لیا اور دونوں صاحبزادوں کی لاشوں پر کپڑا ڈال دیا اور
کسی کو بھی اس حادثہ کی اطلاع نہ دی۔یہاں تک کہ حضرت جابر کو بھی نہیں بتایا۔اور حضور صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کے امور میں مصروف ہو گئیں۔جب دسترخوان پر کھانا آیا، تو
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو بھی شریک
طعام کریں حضرت جابر گھر میں گئے۔اور اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ بچے کہاں ہیں؟ انہوں نے
بات ٹالنے کے لئے بہانہ بنایا کہ باہر گئے ہیں۔لیکن حضرت جابر نے جب اپنی بیوی کو بتایا کہ
حضور کا حکم ہے کہ ان کو بھی ساتھ میں کھلانے کے لئے لے آؤ، تب ان کی بیوی نے روتے
ہوئے پورا ماجرا بیان کیا۔اور بچوں کی لاشوں سے کپڑا ہٹا دیا۔دونوں میاں بیوی روتے ہوئے
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر گر گئے۔اور سارے گھر میں کہرام مچ گیا۔
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر
ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ان بچوں کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائیں تو اللہ
تعالیٰ ان کو زندگی عطا فرمائے گا۔چنانچہ حضور مکان کے اندر تشریف لائے اور بچوں کی لاشوں
کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔فوراً وہ دونوں بچے زندہ ہو گئے۔(شواہد النبوہ، اردو، ص ۱۵۶)

حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں معجزات کو مدنظر
رکھتے ہوئے مستی کے عالم میں قلقل کو قم قم کہہ رہے ہیں۔شعر میں دم دم، قم قم اور قل قل تینوں

ہم وزن الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔اس میں شروع کے دو الفاظ دم اور قم کے آخر میں حرف م آتا ہے۔لیکن قل میں آخری حرف لام آتا ہے۔مگر حرف ''ل'' کو اگر بطور تلفظ لکھا جائے تو اس کا املاء ''لام'' ہوتا ہے جس کے آخر میں بھی حرف میم آتا ہے۔لیکن حضرت رضا قلقل لفظ کو قم قم ہی سنتے ہیں اور قم قم لفظ سے ان کو صرف یہی بتانا ہے کہ:

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کے ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

(رضا بریلوی علیہ الرحمۃ)

(45)

شاہ برکات و برکات پیشینیاں
نوبہار طریقت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، نوشہ، دولھا، عظیم، بڑا، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۳۵)

برکات: برکت کی جمع، زیادتی، بہتات، کثرت، نعمت کی زیادتی، خوش قسمتی، رونق، عروج، بنیئے تولتے وقت ایک کی بجائے برکت کہتے ہیں، نیک بختی، افزائش۔

(فیروز اللغات، ص ۱۹۶ ☆ لغات کشوری، ص ۹۴)

پیشینیاں: اگلے زمانے کے لوگ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱)

نوبہار: موسم بہار کا شروع، موسم بہار، وہ چیز جس پر نئی رونق ہو، وہ شئے جس پر نئی بہار ہو، موسم بسنت کا نام، نام آتش کدۂ بلخ کا، نام ایک بت خانہ کا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

طریقت: راہ صفائی باطن کی، راستہ، تصوف کی اصطلاح میں تزکیہ باطن، صوفیوں کا طریقہ جس سے روحانی کمال حاصل ہوتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۸۷۸ ☆ لغات کشوری، ص ۴۶۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''برکات'' ہے اس سے مراد ''شاہ برکت اللہ مارہروی'' ہیں۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''برکات'' ہے اس کا مطلب ''برکتیں'' ہوتا ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے جید بزرگ سلطان المناظرین ، سید المتکلمین ، سلطان العاشقین ، قدوۃ الواصلین ، صاحب البرکات ، حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’شاہ برکت اللہ ہمارے لئے اگلے بزرگوں کی نعمت ہیں۔ صرف نعمت ہی نہیں بلکہ برکات یعنی کہ بہت ہی نعمت ہیں۔ آپ راہ طریقت کی نئی بہار اور نئی رونق ہیں۔ آپ پہ لاکھوں سلام ہو۔

اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ برکات کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے دونوں لفظ برکات اسم ہیں۔ اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ برکات ہے وہ حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم شریف کی حیثیت سے ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ’’برکات‘‘ ہے وہ نعمت کی زیادتی کے معنی میں ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ برکت اللہ کو ’’برکات پیشینیاں‘‘ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ یعنی اگلے بزرگوں کی برکت، حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی اولاد رسول ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۴ ؍واسطوں سے حضرت امام حسن اور ۳۵ ؍واسطوں سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک اور ۳۶ ؍واسطوں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ ان تمام ۳۶ ؍نفوس قدسیہ کی برکت اور فیض آپ کو وراثتاً ملا ہے۔ آپ میں جو باطنی جواہرات تھے ان جواہرات کو آپ کے شیخ طریقت حضرت میر سید فضل اللہ کالپوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے۔

● حضرت شاہ برکت اللہ ابن حضرت سید شاہ اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت

باسعادت ۲۶ ؍جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ کو بلگرام شریف میں ہوئی۔ (حوالہ خاندان برکات) آپ نے ایسے مقدس ماحول میں تربیت پائی کہ جو علم وعرفان، حکمت وروحانیت سے مزین وتاباں تھا۔ حصول علم کے لئے آپ کو کہیں بھی دور دراز کا سفر کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ آپنے اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں رہ کر تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، الغرض تمام علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل فرمائے۔ اور ان تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ بعدہ علوم باطن وسلوک بھی اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل فرمائے۔ والد ماجد نے جملہ سلاسل کی اجازت، خلافت سے سرفراز فرما کر سلاسل خمسہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور مداریہ میں بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی۔

(ماثر الکرام ۲۴۹، دفتر ثانی، و برکات مارہرہ ۲۱)

● آپ مسلسل ۲۶ ؍سال تک صائم رہے دن کو روزہ رہتے اور رات بھر عبادت میں مصروف رہتے۔ صرف ایک کھجور سے روزہ افطار فرماتے۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز فجر سے لے کر اشراق کی نماز تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ چاشت کے وقت مدرسہ میں تشریف لاتے اور مریدین وطلبہ کو درس دیتے۔ ظہر کی نماز کے بعد قرآن شریف کی تلاوت فرماتے اور عصر کی اذان تک تلاوت میں محو رہتے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان متعلقین و متوسلین پر علم وعرفان کی بارش کرتے اور یہی وقت توجہ خاص اور تعلیم خاص کا ہوتا تھا۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ۳۳۲)

● آپ نے جب سیدنا شاہ فضل اللہ کالپوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم وحکمت اور سلوک ومعرفت کا شہرہ سنا، تو آپ کالپی شریف تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ فضل اللہ کی نگاہ آپ پر پڑی تو آگے بڑھ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ اور فرمایا کہ دریا در دریا پیوست۔ یعنی دریا دریا سے مل گیا۔ یہ جملہ حضرت شاہ فضل اللہ نے تین مرتبہ فرمایا۔ صرف اتنا فرما کر آپ کو تصوف وسلوک

اور دیگر بہت سے مقامات کی سیر کرادی۔ اور آپ کے سینہ کو علم وعرفان ومعرفت کا گنجینہ بنادیا۔ کچھ عرصہ کالپی شریف میں قیام فرمانے کے بعد آپ جب وہاں سے رخصت ہوئے تو حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے نہایت عقیدت ومحبت سے آپ کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ذات جملہ امورصوری ومعنوی سے معمور ہے اور تمہارا سلوک کمال کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ (اصح التواریخ)

● ایک دن آپ اپنے چشم سر سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور آپ کو اس جگہ کی بشارت دی جہاں فی الحال خانقاہ عالیہ برکاتیہ موجود ہے اور ارشاد فرمایا کہ تم اس جگہ مستقل سکونت اختیار کرو جس جگہ کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشارت ونشان دہی فرمائی تھی۔ وہ جگہ مارہرہ شریف میں ایک تالاب کی شکل میں تھی۔ حکم کے بموجب اس جگہ ایک خس پوش مکان آپ کے لئے بنوادیا گیا اور وہاں سکونت پذیر ہوئے ۱۱۱۸ھ تک دیکھتے دیکھتے خانقاہ کے اردگرد ایک اچھی خاصی آبادی ہوگئی اور اس آبادی کا نام آپ کے تخلص کی بنا پر پیم نگر برکات نگری رکھا گیا۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۳۵)

● آپ کی بے شمار کرامات ہیں۔ آپ نے اپنی کرامات کے ذریعہ مریدین ومتوسلین اور معتقدین کی نصرت وحمایت فرمائی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت نصرت وحفاظت فرماتے رہیں گے۔ آپ کی کرامات میں سے خبیث شیخ سدّو کو مغلوب کرنے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ آئین احمدی میں حضرت سیدنا شاہ اچھے میاں مارہروی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ سدو انسانی طبقہ میں سے تھا۔ یہ نواح کلکتہ کا باشندہ تھا، سفلی عمل کا عامل اور ماہر تھا۔ گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں بادشاہ عادل حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد حکومت میں تھا۔ ایک سفلی عمل اونٹ کے بالوں پر پڑھتا تھا۔ اور اس کے ذریعہ اپنے ناجائز افعال و

خواہشات کی تکمیل کرتا تھا۔ شیخ سدو میں ایک بری خصلت یہ تھی کہ وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کی آگ بجھانے کے لئے ہر روز ایک نئی عورت کے ساتھ زنا کر کے اپنا منھ کالا کرتا تھا۔ حسین و جمیل اور جوان وخوبصورت لڑکیوں کو اپنے موکلوں کے ذریعہ اٹھواتا تھا۔ حالاں کہ اس کے موکل اس خلاف شرع کام سے راضی نہ تھے لیکن مجبوراً شیخ سدو کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ شیخ سدو جب زنا کرتا تھا تو اپنے چاروں طرف حصار کرلیا کرتا تھا۔ اور اسی حصار میں غسل کے لئے پانی رکھ لیا کرتا تھا۔ زنا کے ارتکاب سے فارغ ہونے کے بعد حصار کے اندر غسل کر کے باہر آتا تھا۔

ایک دن وہ زنا میں مبتلا ہوا لیکن اتفاق سے حصار کے اندر پانی رکھنا بھول گیا زنا سے فارغ ہونے کے بعد اس نے دیکھا کہ پانی موجود نہیں تو اس نے موکلوں کو آواز دی، موکل اسی تاک میں تھے کہ کب موقع ملے کہ اس خبیث کو ختم کردیں۔ کسی بہانے سے شیخ سدو کو حصار سے باہر نکال کر پکڑا اور پہاڑ کی بلندی سے گرا کر مار ڈالا۔ شیخ سدو سفلی عمل کے ذریعہ قوت تسخیر یہ سے لوگوں کے دل ودماغ پر چھا گیا تھا۔ بہت سے لوگ اس کے استدراج کی وجہ سے اس کے کافی معتقد ہوچکے تھے۔ وہ اپنے معتقدین سے اپنی پرستش کرواتا تھا۔ اور بھینٹ چڑھواتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا یہ ناپاک اثر کلکتہ سے مارہرہ مطہرہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مارہرہ کے کچھ خاندان کی رشتہ داریاں شیخ سدو کے زیر اثر دیہاتوں اور شہروں میں تھیں۔

● حضرت سلطان العاشقین، قدوۃ الواصلین سید شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مارہرہ تشریف لائے۔ تو آپ نے وہاں کے لوگوں میں ایک عجیب رسم دیکھی کہ کوئی شیخ سدو کی نیاز دلا رہا ہے۔ کوئی اس کے نام پر کڑھائی پکا کر پیش کر رہا ہے۔ آپ نے لوگوں کو حکم شرعی سے آگاہ فرمایا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ایک بدکردار شخص سے اپنی عقیدت کا

رشتہ توڑ دو۔اوراس کام سے باز آجاؤ۔آپ کی یہ نصیحت لوگوں کے دلوں پر اثر کرگئی اورلوگوں نے شیخ سدو سے علاقہ عقیدت منقطع کرلیا۔ایک دن شیخ سدو گھبرایا ہوا آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ تم میرے معتقد نہیں ہو۔اورلوگوں کو مجھ سے بدظن کرتے ہو۔میں تم سے مقابلہ کروں گا۔شیخ سدو کی اس گستاخانہ گفتگو سے حضرت کو جلال آیا۔اورآپ نے نہایت گرج دار آواز میں اس کو ڈانٹا۔وہ خوفزدہ ہوکر فوراً بھاگا۔ایک دن حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ غسل کے لئے دریا کی طرف جارہے تھے کہ اثنائے راہ میں ہی شیخ سدو نے آگھیرا۔اور کہنے لگا کہ آپ نے مجھے بہت تکلیفیں اوراذیتیں دی ہیں۔میں آپ سے اپنا بدلہ لے کر رہوں گا۔اوراسی وقت میں آپ کو جلادوں گا۔حضرت نے پھر اسے ڈانٹا اورفرمایا کہ فقیروں سے مت الجھو۔ لیکن وہ نہ مانا۔آپ نے فرمایا کہ تو مجھے جب جلائے گا تب جلائے گا لیکن اب میرا جلانا دیکھ۔ آپ نے غسل فرماکر شیخ سدو کو مضبوط حصار کے ذریعہ گھیرے میں لے لیا۔اور حصار کو آہستہ آہستہ تنگ کرتے گئے۔اوراس کو بالکل اپنے قریب کھینچ لیا۔اورفرمایا کہ دیکھ میں تجھے آن کی آن میں جلا کر نیست و نابود کردیتا ہوں۔وہ رونے اور چلانے لگا اور گڑگڑا کر رہائی کی درخواست کرنے لگا۔چنانچہ آپ نے اس سے حسب ذیل معاہدے لے کر چھوڑ دیا۔معاہدہ یہ ہے:

(۱) میں آپ کے مریدوں اورمتوسلوں کو کبھی نہیں ستاؤں گا۔

(۲) جہاں کہیں بھی آپ یا آپ کی اولاد ہوگی وہاں بھول کر بھی قدم نہیں رکھوں گا۔

(۳) اگر میرے دخل کی جگہ میں آپ یا آپ کے خاندان کا کوئی شہزادہ بھی تشریف لے جائے گا تو میں وہاں سے اپنا دخل اورعمل اٹھالوں گا۔اوروہاں سے چلا جاؤں گا۔

مندرجہ بالا معاہدہ کے تحت ایسے بہت سے واقعات بعد میں رونما ہوئے ہیں کہ شیخ سدو کے دخل والے مقام پر خاندان برکات کا ایک چھوٹا بچہ بھی تشریف لے گیا تو شیخ سدو وہاں سے بھاگ نکلا ہے۔ان تمام واقعات کی تفصیلی معلومات کے لیے (۱) بیاض اسماعیلیہ (۲)

اصح التواریخ (۳) خاندان برکات (۴) برکات مارہرہ (۵) حیات صاحب البرکات (۶) مآثر الکرام وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

حضرت سید شاہ برکت اللہ کی کئی کرامات انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کی مظہر ہیں۔اورکئی کرامات اولیاء کاملین کی کرامات کا اعادہ ہیں۔ان تمام کرامات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کی بارگاہ عالیہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ''شاہ برکات وبرکات پیشینیاں''یعنی حضرت شاہ سید برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ اگلے بزرگوں کی برکتوں کے مظہر کی حیثیت سے رونق افروز ہیں اورتاقیامت رہیں گے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ کے لئے نو بہار طریقت کا جملہ استعمال فرمایا ہے اوراس کے ذریعہ آپ کی شخصیت کی جامعیت کا اظہار کیا ہے۔ایک ہوتی ہے ''بہار'' اورایک ہوتی ہے ''نو بہار'' بظاہر دونوں کا اطلاق موسم بہار پر ہوتا ہے۔لیکن ''نو بہار'' لفظ کا استعمال موسم بہار کے آغاز کے لئے کیا جاتا ہے۔اورصرف ''بہار'' لفظ کا استعمال موسم بہار کے آغاز، وسط اور انتہاء سب کے لیے ہوتا ہے۔ان دونوں لفظوں کے استعمال میں کیا فرق ہے؟ ایک مثال سے سمجھیں۔ایک شخص عراق میں رہتا ہے وہ ہندوستان فروری کے مہینے میں آیا۔فرض کرو کہ ہندوستان میں موسم بہار کا آغاز جنوری کی پہلی تاریخ میں ہوجاتا ہے اور مارچ کی پندرہ تاریخ تک موسم کی انتہا ہوجاتی ہے تو اس سے یہ بات لازم آئی کہ عراق سے آنے والے مہمان نے موسم بہار ضرور پایا بلکہ وسط پایا۔ دوسرا شخص ایران سے جنوری کے پہلے ہی ہفتہ میں ہندوستان آیا۔اس نے بھی موسم بہار پالیا۔ اورکامل طور پر پالیا۔ابتداء اور وسط اور انتہا تینوں حال سے لطف اندوز ہوا۔ایران وعراق سے آنے والے دونوں نے موسم بہار پایا۔لیکن دونوں کے پانے میں فرق ہے۔جو لطف ایران سے آنے والے کو حاصل ہوا وہ عراق سے آنے والے کو نہ ہوا۔اسی مثال کو ذہن میں رکھتے

ہوئے حضرت رضا بریلوی کے شعر کے الفاظ ''نو بہار طریقت'' کو معنویت کی گہرائی سے دیکھیں۔ کہ آپ سلطان العاشقین حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ کے اوصاف میں فرماتے ہیں کہ میرا برکاتی آقا طریقت کی ایسی بہار ہے کہ اس بہار کا آغاز مفقود نہیں بلکہ حاصل ہے۔ طریقت کی ابتدائی منزل سے لے کر آخری منزل مقصود بھی اسی آستانے سے حاصل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں لغوی معنی کے اعتبار سے ''نو بہار'' کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر نئی بہار اور نئی رونق ہو۔ موسم بہار کی ابتدائی ایام میں جو رونق ہوتی ہے۔ وہ آخری دنوں میں ماند پڑ جاتی ہے۔ آخری دنوں میں پہلے جیسا طمطراق نہیں ہوتا۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات وہ ذات گرامی ہے کہ جس پر طریقت کی بہار کا دائمی طمطراق ہے۔ یہاں طریقت کی جو بہار ہے اس کی رونق اور شان وشوکت کبھی ماند یا مدھم نہیں پڑتی۔ بلکہ روزافزوں ہے۔

اہل دل اس بات سے خوب واقف ہیں کہ راہ سلوک میں منازل طے کرنے میں کتنی دشواری ہوتی ہے اور اس راہ کو طے کرنے کے لئے کتنا طویل عرصہ درکار ہے۔ لیکن نو بہار طریقت حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ آپ طالب کو صرف تین دن میں راہ سلوک طے کرادیتے تھے۔ اور بقول حضور سراج العارفین شاہ حمزہ مارہروی قدس سرہٗ بعض دفعہ تو ایسا ہوا ہے کہ نو بہار طریقت حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی نے کئی طالبوں کو گھڑی دو گھڑی میں راہ سلوک طے کراکے سالک بنا دیا ہے۔ اسی لئے حضرت بریلوی نے آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''نو بہار طریقت پہ لاکھوں سلام'' آپ نے ۷۱ رسال چند ماہ کی عمر پائی اور ۱۰ رمحرم الحرام ۱۱۴۲ھ بوقت صبح صادق داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(46)

عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند
پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکہ نور کا

حل لغت:

عکس: الٹنا، لوٹنا، کوٹنا، ضد، خلاف، سایہ، پرچھائی، پرتو، فوٹو، وہ شکل جو کسی چیز کی آئینہ یا پانی میں دکھائی دے۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۴۹۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۱)

سم: کھر، گھوڑے یا گدھے کا پاؤں، ناخن، گھوڑے وغیرہ کا جس کو اردو میں کھر کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۸۰۸ ☆ لغات کشوری، ص۳۹۳ ☆ کریم اللغات، ص۹۳)

چار چاند لگنا: عزت بڑھنا، شان وشوکت بڑھنا، خوبصورتی بڑھنا۔ (فیروز اللغات، ص۵۱۰)

سیم: چاندی، نقرہ، دولت، روپیہ۔

(فیروز اللغات، ص۸۲۹ ☆ لغات کشوری، ص۴۰۵ ☆ کریم اللغات، ص۹۵)

زر: سونا، طلاء، دھن، دولت، روپیہ، پیسہ، مال متاع، پھول کا زیرہ، سونے کا تار، کلابتون (کلابتون = چاندی یا سونے کے تار جو ریشم پر چڑھا کر بنے جاتے ہیں، فیروز اللغات، ص۱۰۲۰)۔ (فیروز اللغات، ص۷۴۳ ☆ لغات کشوری، ص۳۴۷)

گردوں: آسمان، چرخ، رتھ، بہلی، گاڑی، چھکڑا، گھومنے والا، بہل۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۹۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۳)

سکہ: ٹھپا، ضرب، چھاپ، سرکاری منقش زر جو ملک میں چلے، ڈھلا ہوا، طرز، روش، طریقہ، قانون، کوچہ، محلّہ، بازار، راستہ، خرما کا درخت، راہ ہموار، رعب، داب،

اشرفی، روپیہ، پیسہ۔

(فیروز اللغات، ص۸۰۳☆لغات کشوری، ص۳۹۰☆ کریم اللغات، ص۹۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جولفظ ’’چاند‘‘ ہے اس کا مطلب ’’ماہتاب‘‘ ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جولفظ ’’چاند‘‘ ہے اس کا مطلب ’’شان وشوکت‘‘ ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قاہر حکومت اور فیض عام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج میں براق پر سوار ہو کر عرش اعظم تک جانے کے لئے جب آسمان دنیا سے گزرے تو آپ کی سواری یعنی براق کے پاؤں کے سم یعنی کھر کا عکس چاند اور سورج پر پڑ گیا۔ یہ عکس سم نے چاند اور سورج کو چار چاند لگادیئے یعنی اس کی شان وشوکت اور عزت بڑھا دی۔ یہ چاند اور سورج آسمان کے سیم یعنی چاندی اور زر یعنی سونا ہیں۔ ان پر نور کا ٹھپا لگ گیا اور ان کی ایک نمایاں حیثیت ہوگئی۔ کیوں کہ نور کا ٹھپا لگ جانے سے وہ سرکاری زر کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ’’چاند‘‘ کا استعمال دو مرتبہ کیا ہے۔ پہلی مرتبہ جولفظ چاند ہے اس کا مطلب چاند، ماہتاب ماہ یعنی Moon ہے۔ دوسری مرتبہ جولفظ ’’چاند‘‘ ہے اس کے ساتھ لفظ ’’چار‘‘ کی اضافت کر کے محاورہ بنایا گیا ہے یعنی چار چاند لگنا اور اس میں جولفظ چاند ہے وہ شان وشوکت کے معنی میں استعمال شدہ ہے۔ دونوں لفظ چاند حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ

سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے آپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اقتصادیات کے انداز (Economically) میں کر رہے ہیں۔ ہر ملک کا اپنا مخصوص زر ملک (National Currency) ہوتا ہے۔ اس کا مخصوص طرز طباعت ہوتا ہے۔ اس کی مخصوص نقاشی اور مہر (چھاپ) ہوتی ہے اور اس زر پر اس ملک کا نام چھپا ہوا یا کندہ ہوتا ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے کہ فلاں ملک کا زر یعنی (Currency) ہے۔ اس وقت ہم رائج الوقت نوٹ کو ایک طرف رکھ کر صرف رائج الوقت زر مسلوک یعنی طلائی سکہ یعنی (Coins) کے متعلق کچھ گفتگو کریں۔

موجودہ دور میں جو رائج الوقت زر مسلوک، جس کو عام اصطلاح میں ریز گاری کہا جاتا ہے۔ اب ریز گاری کے تعلق سے کچھ گفتگو سنیں۔ موجودہ دور میں جو رائج الوقت سکہ ہے اس کی حیثیت معلوم کریں۔ مثال کے طور پر دو روپے کا جو سکہ ہوتا ہے اس کی قوت خریداری (Purchasing Power) دو روپیہ ہوتی ہے لیکن اس میں جو دھات (Metal) ہوتی ہے وہ بہت کم قیمت کی ہوتی ہے اور اس دھات کو اگر بطور دھات یا دھات کے چورے یعنی (Metal Scrap) کی حیثیت سے فروخت کریں گے۔ تو اس کی قیمت مشکل سے چوّنی (25,N.P.) ہوگی۔ موجودہ رائج الوقت سکہ ہنڈولیم (Hindolium) نرم اسٹیل (Mild Steel) الومینیم (Aluminium) وغیرہ سستی (Cheap) دھاتوں سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن ان سکوں کو دار الضرب (ٹکسال) میں جب بناتے ہیں تو ان سکوں پر حکومت کا ٹھپا (Embose) لگایا جاتا ہے۔ اب اس کی حیثیت بدل گئی۔ ٹھپا لگنے (Embossing) سے پہلے جس دھات (Metal) کی قیمت (Value) چونی بھر تھی۔ اب اس پر ڈائی (Dye) مشین کے ذریعہ ایک مخصوص بلاک (Block) کی عکاسی

(Impression) ہوتی ہے ۔ اب وہ معمولی دھات نہیں بلکہ زر ملک (National Currency) ہے۔اب اس کی قیمت چونّی سے ابھر کر دو روپیہ ہوگئی ہے۔

الحاصل! چونی بھر کی معمولی دھات پر حکومت کی ٹکسال کی ڈائی مشین نے حکومت کے مخصوص بلاک کا عکس ڈالا تو اس معمولی دھات کی قیمت وعزت کو چار چاند لگ گئے دنیوی زر ملک کی ترکیب بناوٹ (Manufacturing Process) کو مثال بنا کر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں کہ جس طرح کسی ملک کی حکومت کے دارالضرب کا ٹھپا لگنے سے ایک معمولی دھات رائج الوقت زر بن گئی۔اسی طرح گردوں (آسمان) کی دو قیمتی دھات سیم (یعنی چاندی بمعنی چاند) اور زر (سونا بمعنی سورج) پر میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری براق کے پاؤں کا عکس (سایہ، پرچھائی) پڑا ہے۔وہ نوری حکومت عالمگیر کا ٹھپا ہے۔حالاں کہ آسمان کی یہ دو دھات چاندی اور سونا یعنی چاند وسورج کی پہلے سے ہی ایک حیثیت تھی لیکن میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کی سم (پاؤں، کھر) کا اس پر نوری ٹھپا لگنے سے اب ان پر چار چاند لگ گئے ہیں اور پہلے کے مقابلے اب ان کی شان وشوکت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

(47)

بلبلیں خامش پڑی ہیں خاک پَر
کیوں ہیں منقاریں چھپائے زیرِ پَر

(حدائقِ بخشش، حصہ سوم)

حلِ لغت:

خامُش: خاموش، چپ، مخفف خاموش کا۔

(فیروز اللغات، ص۵۸۳ ☆ لغات کشوری، ص۲۵۰ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

پَر: اوپر کا مخفف، لیکن، مگر، کیوں کہ، فاصلہ، اور وقت ظاہر کرنے کے لئے وجہ اور سبب ظاہر کرنے کو، علامت مفعول کے طور پر۔ (فیروز اللغات، ص۲۸۳)

منقاریں: جمع منقار کی، چونچ، چونچ پرند کی، برما جس سے بڑھئی لکڑی میں سوراخ کرتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۹۶ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۱)

زیر: نیچے، تلے، تحت، کمزور، کم طاقت، کم تر، گھٹیا، مدھم آواز، سارنگی کا چھوٹا بڑا گڑا، تار، نیچا سر، اعراب میں کسرہ یعنی حرف کے نیچے آنے والا نشان۔

(فیروز اللغات، ص۷۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۳۵۷ ☆ کریم اللغات، ص۸۶)

پَر: پتا، پرندوں کے بدن پر اگے ہوئے بال، پنکھ، تیر کے بازو، مجازاً قوت اور طاقت اور سہارا، جانور کا پر، برگ کاہ یعنی کٹی ہوئی سوکھی گھاس، گوشہ، ہر چیز کا کنارہ۔

(فیروز اللغات، ص۲۸۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۸ ☆ کریم اللغات، ص۲۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''پَر'' ہے اس کا مطلب ''اوپر'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''پَر'' ہے اس کا مطلب ''پنکھ، پرند کا بازو'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ’’جبہ شریف‘‘ کی جدائی اور فراق میں بلبل کا غمگین ہونا اور اپنے غم و اندوہ کا اپنی ہیئت سے اظہار کرنے کا بیان کیا ہے۔ مذکورہ شعر اس ’’مثنوی الوداع جبہ مقدسہ‘‘ کا ہے۔ جو حضرت رضا بریلوی نے اپنے مکان سے جبہ شریف کے رخصتی کے موقع پر لکھی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس جبہ شریف چند روز کے لئے آپ کے مکان پر برائے زیارت لایا گیا تھا۔ جب وہ جبہ مقدس حسب وعدہ الوداع کرنے کا وقت آیا تو آپ بے چین و بے قرار ہوگئے اور غم واضطراب کے عالم میں جبہ شریف کے الوداع پر انہتر (۶۹) اشعار پر مشتمل مثنوی الوداع مرقوم فرمادی۔ اسی مثنوی کا یہ شعر ہے۔ اس شعر میں آپ کے دل کی کیفیت کی عکاسی ہورہی ہے۔ علم نفسیات اور تقاضائے عشق کی بنیاد پر یہ امر مسلم ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا اور اس سے نسبت رکھنے والی ہر چیز بھی محبوب ہوتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی کا شمار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشقوں میں ہوتا ہے۔ اور آپ جیسا عاشق صادق آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والے ’’مقدس جبہ شریف‘‘ کی جدائی میں کیسے چین وسکون سے رہ سکتا ہے۔ آپ جبہ شریف کے فراق کے غم میں اتنے منہمک ہوگئے کہ آپ کو ہر طرف رنج وغم کا ماحول نظر آنے لگا۔ اپنے اردگرد کی ہر شئے غم والم میں مستغرق محسوس ہونے لگی۔ ماحول سے، در و دیوار سے، شجر وحجر سے، چرند و پرند سے آفتاب و ماہتاب سے غرض کہ کائنات کی ہر شئے آپ کے جبّہ شریف کے فراق میں بے چین و بے قرار نظر آنے لگی۔ اور خود آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ تڑپتے تھے جس کا اندازہ مثنوی شریف کے مندرجہ ذیل اشعار سے ہوجائے گا کہ جبّہ شریف کا فراق آپ پر کتنا شاق گزرتا تھا۔

کون جاتا ہے کہ بے ہوش ہے جہاں
گر پڑا ہے آسماں پر آسماں

●

عزم رخصت آج ہے کس چاند کا
خوں برستا ہے در و دیوار سے

●

کیوں نہ ہو اس رنج سے حالت تباہ
کیوں نہ بہہ جائے جگر آنکھوں کی راہ

●

باغ سونا رہ گیا آئی خزاں
جب گل و بلبل نہ ہوں رونق کہاں

●

خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ
زندگی کا میرے گل ہوگا چراغ

●

الوداع اے جبۂ خیر الوریٰ
اے لباس بادشاہ دوسرا

●

دل کے ٹکڑے کرتا ہے نالہ تیرا
اے رضاؔ خاموش یہ کب تک بکا

مندرجہ بالا چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے گئے۔ ۶۹؍اشعار پر مشتمل پوری مثنوی کا ایک ایک شعر بلکہ ہر لفظ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ پڑھنے والوں کی آنکھیں اشکوں سے یقیناً

تر ہو جائیں گی۔ اسی مثنوی کا یہ شعر ہے:

بلبلیں خامش پڑی ہیں خاک پر
کیوں ہیں منقاریں چھپائے زیر پر

جس کا مطلب یہ ہے کہ آج بلبلیں خاموش ہو کر زمین میں کیوں پڑی ہیں اور کیوں اپنی منقاروں یعنی چونچوں کو اپنے پروں یعنی پنکھ میں چھپائے ہوئے ہیں؟ اس شعر میں لفظ ''پر'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''پر'' ہے اس کے معنی ''اوپر'' کے ہیں۔ دوسرے مصرع میں جو لفظ ''پر'' ہے، وہ پنکھ یا پرندوں کے بدن پر اگے ہوئے بال کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''پر'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کی صنعت کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بلبل کی دو کیفیات بتائی ہیں۔ اول یہ کہ بلبل خاموش ہو کر زمین پر بیٹھی ہے اور دوم یہ کہ اپنی چونچ کو اپنے پروں میں چھپائے ہوئے ہے۔ یہ دونوں کیفیتیں بلبل سے شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں۔ کیوں کہ بلبل خوشی اور فرحت سے رہنے والا اور دوسروں کو خوشی و شادمانی دینے والا پرندہ ہے۔ بلبل کی شیریں آواز اور اس کی چہچہاہٹ سے مغموم دل سرور حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اس مسرور پرندہ کی حالت آج خلاف توقع نظر آرہی ہے۔ ماہرین پرندگان کے تجربات کے مطابق بلبل کبھی بھی زمین پر بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔ وہ زمین پر بیٹھنا اپنے معیار اور مرتبہ کے خلاف تصور کرتی ہے۔ علاوہ ازیں بلبل خاموش بھی بہت کم رہتی ہے۔ وہ ہمہ وقت چہچہاتی رہتی ہے اور اپنی سریلی آواز کے نغمات سے ماحول کو رنگین بناتی رہتی ہے۔ لیکن بقول رضا بریلوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جبہ شریف کے فراق میں بلبل کی یہ حالت ہے کہ وہ غم والم سے نڈھال ہو کر ترنم ریزی فراموش کر کے بجائے کسی درخت کی شاخ کے خاک زمین پر جلوس کئے ہوئے ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اپنی منقار (چونچ) کو زیر پر چھپائے ہوئے۔ منقار کو زیر پر چھپانا، یہ علامت ہے

کثرت غم اور آہ و بکا کی۔ علم نفسیات کے ماہرین کے اقوال کے مطابق جب آدمی غمزدہ اور رنجیدہ ہوتا ہے تو اس کے اثرات اس کے چہرے سے عیاں ہوتے ہیں۔ یعنی اس کا چہرہ اتر جاتا ہے اور گفتگو کرنے سے باز رہتا ہے، پھر جب اس کا درد و دکھ بڑھتا ہے تو اس کی نشان دہی اس اس کی آنکھیں کرتی ہیں۔ یعنی آنسوؤں سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور اشکباری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کا غم بے انتہا بڑھ جاتا ہے اور ضبط و برداشت سے باہر ہوتا ہے تب وہ روتا ہے۔ رونے کی بھی کئی کیفیت ہیں۔ کوئی آہستہ روتا ہے کوئی متوسط آواز سے روتا ہے کوئی پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ بارہا کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب آدمی پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے تب وہ اپنا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں سے چھپا لیتا ہے۔ اور اس طرح رونا رنج و غم کے بے انتہا ہونے کا نتیجہ ہے۔ آدمی تو کثرت غم کے عالم میں پھوٹ پھوٹ کر روتے وقت اپنے چہرے پر اپنے ہاتھوں کو رکھ لیتا ہے لیکن جب پرندہ پھوٹ پھوٹ کر رونے کی کیفیت محسوس کرتا ہے تب وہ اپنی منقار (چونچ) کو اپنے پروں میں چھپا لیتا ہے۔ اور یہی حال بلبل کا جبہ شریف کے فراق میں ہے جس کا تذکرہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں کیا ہے۔ اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ جبہ شریف کے ہجر و فراق میں غمگین ہو کر بلبل زمین پر خاموش بیٹھی ہے۔ اور کثرت غم کی وجہ سے اپنا چہرہ (منقار) اپنے پروں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ اور کیوں نہ روئے؟ کیوں کہ یہ وہ جبہ شریف ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نورانی جسم اقدس سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس جبہ شریف کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہوگئی ہے اور جس کو اس ذات اقدس سے نسبت ہو جاتی ہے۔ اس کی قدر و منزلت کی شان ارفع و اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ اہل عشق و اہل نظر اس نسبت والی چیز کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ ان آثار مقدسہ اور تبرکات مکرمہ کے ساتھ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، اولیائے

دین، صلحائے امت اور علماء وائمہ ملت نے تعظیم وادب، محبت اور ایثار کا جو سلوک کیا ہے اس سے ان مقدس تبرکات کی عظمت کا پتہ ملتا ہے۔ چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

● حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر حضور کی شان میں قصیدہ پڑھا، حضرت کعب کے محبت آمیز اشعار سماعت فرما کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوگئے اور اپنی چادر مبارک اپنے جسم اقدس سے اتار کر انہیں عطا فرمائی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مبارک چادر کے عوض حضرت کعب بن زہیر کو دس ہزار درہم دینا چاہتے تھے، مگر حضرت کعب نے اسے قبول نہ کیا۔ اور کہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جامۂ مبارک کو کسی کے لئے ایثار نہیں کرسکتا۔ جب حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو حضرت امیر معاویہ نے حضرت کعب کے ورثاء کو بیس ہزار درہم دے کر ان سے وہ مبارک چادر حاصل کرلی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ آج تک بادشاہوں کے پاس وہ چادر مبارک موجود رہی ہے۔ (مدارج النبوۃ، از شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد دوم ص ۵۶۶)

● ابن عدی نے بطریق محمد بن جابر روایت کی، کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے، وہ میرے دادا سنان بن طارق یمامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اس وفد کے پہلے شخص ہیں جو وفد بنی حنیفہ کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سر مبارک دھوتے ہوئے پایا، آپ نے فرمایا اے یمامی بھائی بیٹھ جاؤ، اور اپنا سر دھولو، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بچے ہوئے پانی سے اپنا سر دھویا، اس کے بعد اسلام قبول کیا، حضور نے میرے لئے ایک نامہ مبارک لکھا، اس وقت میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی قمیص مبارک کا ایک ٹکڑا مرحمت فرمایئے، تاکہ میں اس سے منفعت حاصل کروں، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنی

قمیص کا ایک ٹکڑا مبارک مرحمت فرمایا۔ حضرت محمد بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرے والد مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ قمیص مبارک کا ٹکڑا ان کے پاس رہا اور وہ مریض کو قمیص مبارک کا ٹکڑا دھوکر پلاتے تو وہ شفایاب ہوجاتا۔

(خصائص کبریٰ، از: امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد دوم، ص ۵۰)

● ابونعیم نے عباد بن عبدالصمد سے روایت کی کہ انہوں نے کہا ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے کنیز دسترخوان لاؤ، تاکہ ہم کھانا کھائیں، کنیز دسترخوان لائی پھر آپ نے فرمایا کہ رومال لاؤ، تو وہ رومال لائی جو میلا تھا، آپ نے فرمایا کہ تنور گرم کرو تو اس نے تنور گرم کیا آپ نے حکم دیا کہ رومال کو تنور میں ڈال دو۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں رومال کو تنور میں ڈال دیا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے تنور سے رومال نکالا تو وہ رومال دودھ کی مانند سفید تھا۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تنور نے رومال کو نہ جلایا اور خوب صاف کردیا؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس رومال سے روئے انور اور دست مبارک خشک کیا کرتے تھے۔ تو جب یہ میلا ہوجاتا ہے تو ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیوں کہ آگ اس چیز کو نقصان نہیں پہنچاتی جو انبیائے کرام علیہم السلام کے چہروں سے مس ہوجاتی ہے۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد۲، ص ۱۸۷ ☆ شواہد النبوۃ، از علامہ نورالدین جامی، اردو ترجمہ، ص ۲۴۷)

● صحیح حدیث شریف میں مروی ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک اطلسی (ریشمی) جبہ نکالا، اور فرمایا کہ اس جبہ شریف کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیب تن فرمایا ہے۔ اور ہم بیماروں کے لئے اس کا دامن مبارک دھوکر پلاتے ہیں تو انہیں فی الفور شفا حاصل ہوجاتی ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا اس میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے ہیں تو انہیں شفا ہوجاتی ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص ۳۶۶)

- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کولوگوں نے اس حال میں دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشست گاہ پر اپنے ہاتھوں کو پھیرتے ، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملتے۔ (مدارج النبوۃ ،اردو ترجمہ،ص۵۵۶)
- حدیث میں مروی ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی برص کے مرض (سفید کوڑھ) میں مبتلا تھیں ، وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کی شکایت لائیں ،حضور نے اپنے ہاتھ کے عصا (لکڑی) سے برص کے مقام پر ملا تو حق تعالیٰ نے برص کو دور فرمادیا۔ (مدارج النبوۃ ،اردو ترجمہ،جلد۱،ص۲۱۷)
- مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کو سپرد فرمایا۔اور وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کیوں کہ یہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حنوط سے بچائی ہوئی ہے۔(مدارج النبوۃ ،اردو،جلد۲،ص۷۴۶)

<u>حنوط:</u> چند خوشبودار چیزوں کا ایک مرکب جو مردے کو غسل دینے کے بعد اس پر ملتے ہیں۔

(فیروز اللغات،ص۵۷۶)

- امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ان کی زیادتیٔ علم وفضل اور قوت حافظہ کے تیز ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دے رہا تھا تو تھوڑا سا پانی آپ کے چشمہ خانہ (آنکھوں کے حلقے) میں رہ گیا تھا میں نے اسے زمین پر گرانا مناسب نہ جانا لہٰذا اس پانی کو میں نے اپنی زبان سے چوس کر اٹھالیا اور پی گیا، یہی میرے علم وفضل اور قوت حافظہ کے تیز ہونے کا باعث ہے۔

(شواہد النبوۃ ،اردو،ص۲۰۰ ☆ مدارج النبوۃ ،اردو،جلد۲،ص۷۴۵)

مذکورہ آٹھ واقعات میں چادر، قمیص کا ٹکڑا، رومال ، جبہ، پیالہ،لکڑی ،نشست گاہ، حنوط اور پانی یہ سب خارجی اشیاء تھیں ،حضور کے جسم اقدس کا جزء یا حصہ نہیں تھیں۔لیکن ان

تمام اشیاء کو جسم اقدس سے مس ہونے کی نسبت حاصل تھی ،لہٰذا ان اشیاء میں شفا و برکت پیدا ہوگئی تھی ،اور صحابۂ کرام ان اشیاء کی نہایت درجہ تعظیم وتوقیر بجالاتے تھے،اور اپنے لئے باعث برکت ونعمت اور نجات سمجھتے تھے۔

❁......❁......❁

(48)

بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنویں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجہ مرا چھینٹا تیرا

حل لغت:

بحر: بڑا دریا، بڑا سمندر، جہاں ساگر، شعر کا وزن، سمندر، اصطلاحاً بمعنی غور وفکر۔
(فیروز اللغات، ص۱۸۴☆ لغات کشوری، ص۸۶☆ کریم اللغات، ص۲۱)

سائل: بھکاری، سوال کرنے والا، پوچھنے والا، طالب، امیدوار، عرض دینے والا، جاری ہونے والا، مانگنے والا، چاہنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۷۷۱☆ لغات کشوری، ص۳۶۴)

کلیجہ: جگر، ایک عضو، ہمت، جرأت، دلیری، حوصلہ، نہایت عزیز، دوست، مطلق دل۔
(فیروز اللغات، ص۱۰۲۴)

چھینٹا: پانی کا چلو، ہلکی بارش، خفیف سا مینھ، فریب، دھوکہ، طعنہ، نوک جھونکی، بیج جو ہاتھ سے بکھیر کر بویا جائے، مدک یا چنڈو کا ایک دم۔ (فیروز اللغات، ص۵۵۶)

بجھنا: جلتی ہوئی چیز کا ٹھنڈا ہونا، تپتی ہوئی اینٹ یا لوہے وغیرہ کا پانی میں سرد ہونا، سیری ہونا، افسردہ ہونا، مایوس ہونا، دھیما ہونا، نرم ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''سائل'' ہے اس کا مطلب ''جاری ہونے والا'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''سائل'' ہے اس کا مطلب ''سوال کرنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں پیاسا ضرور ہوں لیکن میں کنویں کا نہیں بلکہ بہتے ہوئے اور جاری بڑے سمندر کا پیاسا ہوں۔ میرا سوال کنویں سے نہیں بلکہ بحر یعنی بہتے ہوئے سمندر سے ہے۔ میں کنویں کا سائل یعنی سوالی نہیں بلکہ سمندر کا سوالی ہوں، ایسے سمندر کا سوالی ہوں کہ جس کا صرف ایک چھینٹا میرے کلیجے کی آگ بجھانے کے لئے یعنی میری پیاس کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری معنی، اب اس شعر کی اختصار کے ساتھ تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

مصرع اول میں لفظ ''سائل'' دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دونوں اسم ہیں۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل مماثل میں داخل ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ سائل آیا ہے وہ حضرت رضا بریلوی سے منسوب ہے۔ یعنی رضا سوالی ہے لیکن کس کا؟ اس کا جو بحر ''سائل'' ہے یعنی بہتے ہوئے سمندر کا۔ اب بہتے ہوئے سمندر سے کون اور کیا مراد ہے؟ وہ دیکھیں اور ایک اور وضاحت بھی ہو جائے کہ حضرت رضا بریلوی نے جہاں اپنے لئے بہتے ہوئے سمندر سے سوالی ہونے کا اثبات واقرار کیا ہے وہیں پر کنویں کے سوالی ہونے سے نفی وانکار کا اظہار بھی کیا ہے۔ بحر کے تضاد میں کنواں لا کر اس شعر کو اردو ادب کے اعتبار سے صنعت تضاد سے بھی آراستہ کیا ہے۔ اب یہ عقدہ حل کرنا ہے کہ بحر سائل سے کیا مراد ہے اور کنویں سے کیا مراد؟ بحر سائل سے دو مراد لی جا سکتی ہے، ایک ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے حوض کوثر، دونوں مراد میں شعر اپنے ٹھیک مطلب، عنوان ومنشا کا حامل رہے گا۔ اسی طرح کنویں سے بھی دو مراد ہو سکتی ہیں ایک تو ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر حضرات

انبیائے کرام اور اولیائے عظام۔ اور دوسرے زم زم کا کنواں، یہاں بھی دونوں مراد میں شعر موزوں ہی رہے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقابل میں ماسوائے اللہ تمام مخلوق کی حیثیت سمندر کے مقابلے میں کنویں کے مانند ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور کثرت سے احادیث اس پر شاہد ہیں۔ جس کا تفصیلی تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ صرف ایک حدیث پیش خدمت ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

● حضور اقدس، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روز قیامت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''بِيَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَبِیٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ۔''

ترجمہ: حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، مگر فخر نہیں مجھ کو۔ اور حضرت آدم سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (ترمذی، باب المناقب)

اس ایک حدیث میں سب کچھ آ گیا، کہ اللہ کے محبوب کا درجہ اور رتبہ کتنا بلند اور عالی ہے۔

اس شعر میں بحر سائل سے مراد حوض کوثر، اور کنواں سے مراد چاہ زم زم لیا جائے تو بھی صحیح ہے کہ زم زم کا کنواں ایک محدود جگہ کو محیط ہے جب کہ حوض کوثر کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے جس کی درازی ایک ماہ کی راہ ہے''۔ (بروایت حضرت عبد اللہ بن عمرو دیگر اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حوض کوثر کے پانی کی ایک خاصیت متعدد احادیث شریفہ میں وارد ہے کہ ''جس کو حوض کوثر سے ایک پیالہ یا ایک چھینٹا مل جائے گا وہ محشر میں بھی پیاسا نہ ہوگا۔''

اب اس شعر کے مصرع ثانی کی طرف توجہ درکار ہے'' خود بجھا جائے کلیجہ میرا چھینٹا

تیرا۔'' اس میں شدت کی پیاس کا ذکر ہے اور اشارہ ہے میدان محشر کی سخت گرمی اور پیاس کی شدت کی طرف۔ متعدد احادیث نبویہ میں وارد ہے کہ آفتاب اس دن سر کے بالکل قریب ہوگا، گرمی کا یہ عالم ہوگا کہ لوگ اپنے جسم کے پسینے میں غوطہ زن ہوں گے، پیاس کا یہ عالم ہوگا کہ کلیجہ منھ کو آئے گا، ذرا غور و فکر کیجئے کہ ایسی شدت کی پیاس کہ جس کی وجہ سے پانی کا ایک قطرہ سیرابی کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ پیاس کو بجھانے کے بجائے اور بھڑکا دے گا۔ سکون حاصل ہونے کے بجائے بے قراری میں اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے جلتے ہوئے کلیجے کو بجھانے کے لئے صرف ایک قطرے کی آرزو و تمنا کر رہے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ پیارے آقا کا فرمان ہے کہ جس کو حوض کوثر سے ایک قطرہ حاصل ہو جائے گا وہ پھر پیاسا نہ ہوگا۔ فنا فی الرسول حضرت رضا بریلوی کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد مقدس پر یقین کامل ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔ آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ ''قیامت میں مجھے کوثر پر تلاش کرنا میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ اور اپنی امت کو کوثر کے پیالے بھر بھر کر پلاتا ہوں گا۔ تو جب آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دست اقدس سے خود ہی اپنے امتیوں کو جام کوثر عطا فرما رہے ہوں گے، نیک لوگوں کو تو چھلکتے جام عطا ہو رہے ہوں گے ان چھلکتے جاموں سے اچھل کر ایک قطرہ از کرم مجھ پر پڑ گیا تو میرا جلتا ہوا کلیجہ یقیناً بجھ جائے گا۔ اسی لئے ایک اور نعت میں حضرت رضا بریلوی بارگاہ رسالت میں اس طرح عرض کرتے ہیں کہ:

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

❁......❁......❁

(49)

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

سورہ: قرآن شریف کا ایک باب یا ایک فصل، سورت، بزرگی، شرف، مرتبہ، قرآن مجید کا ٹکڑا جو مقرر ہے۔ (فیروز اللغات، ص۸۱۹☆لغات کشوری، ص۴۰۰☆ کریم اللغات، ص۹۴)

نور: روشنی، تجلی، اجالا، چمک، رونق، روپ، کلام پاک کی ایک سورت کا نام، صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک صفاتی نام، فارسی زبان میں کبھی مراد چاند بھی۔
(فیروز اللغات، ص۱۳۸۴☆لغات کشوری، ص۹۰۷☆ کریم اللغات، ص۱۸۷)

گواہ: شاہد، ثبوت پہنچانے والا، گواہی دینے والا۔
(فیروز اللغات، ص۱۱۱۱☆لغات کشوری، ص۶۲۴☆ کریم اللغات، ص۱۳۵)

پُر: بھرا ہوا، لبریز، مکمل، بھرپور، بافراط، بہت۔
(فیروز اللغات، ص۲۸۴☆لغات کشوری، ص۱۱۸☆ کریم اللغات، ص۲۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب قرآن شریف کی ''سورہ نور'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب ''نور سے بھرپور'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان محبوبۂ محبوب

رب العالمین، ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی زوجہ العفیفہ) کی مدح و ثنا فرمارہے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''نور'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ مصرع اول میں جو لفظ ''نور'' ہے اس سے مراد قرآن مجید کی سورۂ نور ہے۔ دوسری مرتبہ مصرع ثانی میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کے معنی رونق یا چاند جیسا ہے۔ شعر کے لغوی اور ظاہری معنی یہ ہوئے کہ وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ جن کی عصمت اور پاک دامنی پر قرآن مجید کی سورۂ نور گواہی دے رہی ہے اس مقدس حریم براءت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نور سے بھرپور اور چاند جیسی رونق والی صورت پہ لاکھوں سلام ہوں۔ سب سے پہلے ہم مصرع اول میں قرآن مجید کی سورۂ نور کی گواہی کے تعلق سے کچھ گفتگو سنیں۔ بعدہٗ فضائل و مناقب سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کریں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں جو عدل و انصاف اور جو اعتدال فرماتے اس کی نظیر دنیا کے کسی شخص میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ سفر میں جاتے وقت اگر کسی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ فرماتے تو عدل و انصاف کے تقاضے کے تحت قرعہ اندازی فرماتے اور جس زوجہ مطہرہ کا نام قرعہ میں نکلتا اسے سفر میں ہم رکابی کا شرف عطا فرماتے۔

۵ھ میں غزوۂ بنی المصطلق میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ اور ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالا۔ اور اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نکلا۔ غزوۂ بنی المصطلق ۵ھ سے پہلے آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ یعنی عورتوں کے لئے پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ قرآن مجید پارہ ۲۲ سورۂ احزاب میں آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ غزوۂ بنی المصطلق کا واقعہ غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ سے قبل کا ہے۔ غزوۂ بنی المصطلق میں ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئیں۔ ان کی سواری کا بندوبست ایک اونٹنی پر محمل یعنی

کجاوے میں کیا گیا۔ اس کجاوے کو پردہ سے اچھی طرح محجوب کیا گیا۔ تاکہ کسی غیر محرم کی نظر ام المؤمنین پر نہ پڑے۔ آپ کجاوے میں پردے کے کامل انتظام کے ساتھ بیٹھ جاتیں۔ اور پھر اس کجاوے کو اونٹ کی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا جاتا۔ پڑاؤ اور منزل پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کجاوے کے اندر بیٹھی رہتی تھیں۔ اور کجاوے کو اونٹ کی پیٹھ سے اتار لیا جاتا تھا۔ اب پورا واقعہ جس کو "حدیث افک" کے نام سے شہرت ملی ہے۔ اس کو خود سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مقدس زبان سے سنئے۔

● شیخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، آپ فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ایک مقام پر پڑاؤ کا حکم فرمایا میں اٹھی اور قضائے حاجت کے لئے لشکریوں کے پڑاؤ اور ٹھہراؤ سے ذرا فاصلے پر باہر چلی گئی، فراغت پا کر اپنی قیام گاہ پر لوٹی تو اتفاق سے میرا ہاتھ سینے پر گیا، تو مجھے پتہ چلا کہ میرا ہار گلے میں نہیں ہے۔ وہ ہار جزع غفار کا بنا ہوا تھا۔ میں اسی جگہ پر واپس گئی تو ہار کو تلاش کرنے لگی۔ اور اس تلاش میں دیر لگ گئی۔ ادھر لشکر روانہ ہو رہا تھا جو لوگ میرا کجاوہ (محمل) اونٹ پر رکھتے اور باندھتے تھے وہ آئے اور یہ سمجھا کہ میں اس کجاوے (محمل) میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ محمل کو اٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر باندھ دیا۔ میں ایک کم وزن اور سبک جسم عورت تھی۔ لہٰذا ان کو یہ پتہ نہ چلا کہ محمل خالی ہے یا بھرا ہوا ہے۔ میں جب ہار تلاش کر کے اقامت گاہ پر لوٹی تو لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا، وہاں پر اب کوئی بھی موجود نہ تھا جس جگہ پر میرا ڈیرہ تھا میں اس جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ میرا خیال یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مجھ کو نہ پائیں گے تو کسی کو بھیج کر مجھ کو بلوالیں گے۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ بیٹھے بیٹھے آنکھیں بوجھل ہوئیں، نیند کا غلبہ ہوا اور میں سوگئی۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو لشکر کے پیچھے "معقب کارواں" کی خدمت پر مامور تھے (معقب کارواں یعنی پہلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی قافلہ یا لشکر کوچ کرتا تھا تو ایک

شخص کارواں یا لشکر کے پیچھے رکھا جاتا تھا تاکہ کارواں سے کسی کی کوئی چیز گر جائے تو وہ شخص اٹھا لے اور پھر منزل پر پہنچ کر امیر کارواں کے سپرد کردے، اور امیر کارواں تحقیق کر کے جس کی وہ چیز ہوا سے دیدے) حضرت صفوان بن معطل صبح کے وقت اس مقام پر پہنچے اور مجھ کو سوتا پایا۔ چوں کہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے جب عورتوں کے شرعی پردے نہ تھے، تب انہوں نے مجھ کو دیکھا تھا، اس لئے انہوں نے مجھ کو پہچان لیا۔ اور مجھ کو پہچان لینے پر فوراً استرجاع پڑھا۔ یعنی "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" ان کے استرجاع پڑھنے سے میں بیدار ہوئی اور چہرے اور جسم کو میں نے چادر میں اور زیادہ چھپالیا، حضرت صفوان نے استرجاع کے علاوہ کچھ بھی نہ کہا اور نہ میں نے کچھ سنا۔ انہوں نے اونٹنی سے اتر کر اونٹنی کو بٹھایا اور میں جا کر سوار ہوگئی۔ اور حضرت صفوان اونٹنی کو کھینچ کر چل دیئے۔ ہم نے چل کر لشکر کو سخت دھوپ اور گرمی کے وقت ٹھہراؤ میں پالیا۔ پھر ہلاک ہوا جس کو میرے معاملے میں ہلاک ہونا تھا اور جس شخص نے سب سے بڑھ کر اس کی تشہیر اور اتہام طرازی کی وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق تھا۔

(الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۴۴۹ تا ۴۵۰)

بس اتنی سی بات تھی لیکن مدینہ طیبہ کے منافقین اور خصوصاً عبد اللہ بن اُبی بن سلول منافق نے اپنے خبث باطن اور دل میں چھپے ہوئے نفاق کا اظہار کرتے ہوئے ام المومنین محبوبۂ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی کے خلاف تہمت اور افترا پردازی کا طوفان کھڑا کر دیا۔ فتنے کا طوفان برپا ہوگیا۔ منافقین کے ساتھ کفار اور مشرکین بھی شامل ہوگئے، کچھ ضعیف الاعتقاد، سادہ لوح، بھولے بھالے مسلمان بھی ان کے بہکاوے میں آ گئے۔

جہاں دیکھو وہاں صرف ایک ہی بات، مبالغہ، غلو اور جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ منافقین نے اس واقعہ کو اتنی اہمیت اور شہرت دی کہ خدا کی پناہ۔ ایک عظیم فتنہ کھڑا ہوگیا۔

حالاں کہ اجلّۂ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے منافقین کے بہتان وافک کا دنداں شکن جواب دیا اور بارگاہ رسالت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی کا اظہار کیا۔

● امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے جسم اقدس پر جب کہ مکّھی تک نہیں بیٹھتی کیوں کہ اس کے پاؤں نجاستوں سے آلودہ ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ آپ کے لئے کیسے گوارا کرے گا، اس بات کو جو اس سے کہیں زیادہ بدترین ہو اور اس سے آپ کی حفاظت نہ فرمائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا، مبادا کہ وہ زمین ناپاک ہو۔ حق تعالیٰ جب کہ آپ کے سائے کی اتنی حفاظت فرماتا ہے تو آپ کی زوجہ محترمہ کی ناشائستگی سے کیوں نہ حفاظت فرمائے گا۔ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! حق تعالیٰ نے اتنا گوارا نہیں فرمایا کہ آپ کے پائے اقدس کے نعلین مبارک میں نجاست کی آلودگی ہو اور وہ آپ کو اس کی خبر دیتا ہے کہ آپ نعلین کو پائے اقدس سے اتار دیں۔ تو اگر یہ واقعہ نفس الامر میں وقوع پذیر ہوتا تو یقیناً رب تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کی خبر دیتا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو، جلد ا، ص ۲۸۰ ☆ الخصائص الکبریٰ، امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۴۵۳)

منافقین ومشرکین کی جانب سے حضرت سیدتنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی پر مسلسل الزامات واتہامات کا سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ روز بروز اس میں اضافہ اور مبالغہ ہوتا رہا۔ ادھر صحابۂ کرام وجاں نثاران بارگاہ رسالت منافقین کے اقوال والزامات کی تردید فرماتے رہے۔ یہ معاملہ ایک ماہ سے زیادہ طول پکڑ گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بربنائے مصلحت سکوت فرمایا اور منافقین کو کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی سے آپ یقیناً باخبر تھے لیکن مصلحت

ایزدی کی بنا پر آپ نے اپنی رفیق حیات کی براءت کا صراحۃً اعلان نہ فرمایا۔ البتہ اشارۃً اپنے جاں نثار صحابہ کے سامنے ان الفاظ میں ذکر فرمایا کہ ''وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلیٰ أَھْلِیْ إِلَّا خَیْرًا'' یعنی خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ میری اہلیہ کا دامن اس تہمت سے پاک ہے۔

یہاں تک کہ اس فتنہ کے دوران آپ نے مسجد نبوی میں دوران خطبہ فرمایا کہ ''کون ہے جو میری مدد کرے، اور اس شخص سے انتقام لے جس نے بلا شبہ مجھے اور میری اہل کو ایذا پہنچائی'' (اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول منافق تھا) پھر فرمایا کہ ''قسم خدا کی! میں اپنی اہل سے پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتا''

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ اس واقعہ کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں اور اس پر غور وفکر فرمائیں کیوں کہ اس واقعہ کے ضمن میں جس طرح زمانۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منافقین نے فتنہ برپا کر رکھا تھا، اسی طرح دور حاضر کے منافقین فرقۂ وہابیہ، نجدیہ، تبلیغیہ وغیرہم نے بھی اس واقعہ کے ضمن میں بہت اودھم مچا رکھا ہے اور اس واقعہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور معاذ اللہ یہاں تک بکواس کرتے ہیں کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ علی الاعلان حضرت عائشہ کی براءت ظاہر کرتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔ دور حاضر کے منافقین کا یہی شیوہ ہے کہ وہ توہین وتنقیص رسالت کرنے کے لئے قرآن کے معنی اور احادیث کے مفہوم میں ترمیم وتردد پیدا کرکے لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں بقول:

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

(از: امام احمد رضاؔ، محدث بریلوی)

مذکورہ واقعہ تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اس واقعہ میں کیا کیا اسرار و رموز

تھے؟ نیز حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس مصلحت کی بنا پر سکوت فرمایا؟ اور اس میں کیا حکمت تھی؟ وہ انشاء اللہ کتاب کے اختتام پر عرض کروں گا۔ پہلے اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کرتا ہوں۔

● جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لشکر کے قافلے سے بچھڑ گئیں اور قافلہ جب روانہ ہو گیا تب تک کسی کو پتہ ہی نہ چلا کہ حضرت عائشہ بچھڑ گئی ہیں۔ محمل اٹھانے والوں نے یہی سمجھ کر محمل (کجاوے) کو اونٹ پر رکھ دیا تھا کہ آپ اس کے اندر تشریف فرما ہیں۔ لیکن جب یہ لشکر مدینہ شریف کے قریب صلصل نامی مقام پر ٹھہرا اور اونٹ بٹھائے گئے، مگر محمل سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا باہر تشریف نہ لائیں، تب پتہ چلا کہ آپ پیچھے رہ گئیں ہیں، ان کے انتظار میں لشکر بمقام صلصل ٹھہرا رہا لشکر میں پانی اس انداز سے تھا کہ مدینہ شریف پہنچ جائے۔ لیکن ام المومنین کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے قافلہ کو مجبوراً ان کے انتظار میں رکنا پڑا اور لشکر میں جتنا پانی تھا، وہ صرف ہو گیا۔ نماز کا وقت آیا تو وضو کے لئے پانی نہیں تھا پینے کے لئے بھی پانی کی تنگی تھی۔ پانی کے بغیر وضو اور وضو کے بغیر نماز پڑھنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن چوں کہ یہ قافلہ محبوبۂ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وازواجہ وبارک وسلم کے انتظار میں ٹھہرانے کی وجہ سے پانی کی قلت کی دقت ومصیبت میں مبتلا تھا۔ لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب کی حرم محترمہ کے صدقے اور طفیل ان لشکر والوں پر مہربان ہو کر، ان پر اور ان کے طفیل قیامت تک کے مسلمانوں پر کرم فرما کر تیمّم کا حکم نازل فرمایا۔ جس کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ صدیقہ میں عرض کیا کہ ''مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ '' اے اولاد ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں'' مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو تمہاری بہت سی برکتیں پہنچی ہیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۲۷۵)

● حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ واپس آئے، تو

مشیت ایزدی سے ان ہی دنوں میں بیمار ہو گئی۔ میں گھر ہی میں تھی۔ ایک ماہ سے زیادہ میں بیمار رہی۔ باہر میرے خلاف فتنہ پردازوں نے جو الزامات اٹھا رکھے تھے، اس کا مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ ایک دن ام مسطح نام کی عورت نے الزام تراشیوں اور اتہام سازیوں کی ساری باتیں مجھ سے بیان کیں۔ جنہیں سن کر میں پہلے سے زیادہ بیمار ہو گئی۔ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور سلام علیک کے بعد مجھ سے فرمایا ''تم کیسی ہو؟'' میں نے اپنی کیفیت بتانے کے بعد عرض کیا کہ اگر آپ اجازت عطا فرمائیں تو میں چند دنوں کے لئے اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔ حضور نے اجازت عطا فرمائی اور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چلی گئی۔ میں نے اپنی والدہ سے تمام باتیں دریافت کیں۔ میں تمام رات روتی رہی اور صبح ہو جانے پر بھی میرے آنسو تھمتے ہی نہ تھے، تمام شب جاگتی ہی رہی، پلک تک نہ جھپکی۔ میں دن بھر مسلسل روتی رہی، میرے آنسو رکے نہ رکتے تھے اور نیند نام کو بھی نہ تھی، مجھ کو اندیشہ ہوا کہ شدت گریہ کی وجہ سے شاید میرا جگر پھٹ جائے گا۔

(الخصائص الکبریٰ، اردو، جلد۱، ص۴۵۱)

● حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے ملنے میرے گھر تشریف لائے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! میرے حضور تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں پہنچی ہیں، لہٰذا اگر تم بری اور پاک ہو، تو عنقریب اللہ تمہاری پاکی بیان فرمائے گا اور تمہاری براءت کی خبر نازل فرمائے گا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ حضور کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں ایک قطرہ تک بھی نظر نہ آتا تھا۔ یہ اس خوشی کی بنا پر تھا جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے بشارت پائی تھی۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص۲۸۱ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۴۵۲)

● ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں امید رکھتی تھی

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری براءت فرمادے گا۔ اور میری پاکی اور پاک دامنی کی خبر دے گا۔ لیکن مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اللہ میرے اس معاملہ میں وحی نازل فرمائے گا۔ کیوں کہ میں اپنے آپ کو اور اپنے معاملے کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی۔ البتہ مجھ کو صرف اس بات کی توقع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاید خواب دیکھیں گے اور اس ذریعہ سے مجھ بے چاری کی عفت اور عصمت پر گواہی مل جائے گی۔ اللہ کا کرم دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ یکا یک حضور پر نزول وحی کے آثار نمودار ہوئے اور جو شدت ایسے موقع پر ہوتی تھی وہ شروع ہوئی۔ حتی کہ آپ کی پیشانی مبارک پر موتیوں کے مانند پسینہ چمکنے لگا۔ آپ پر خوب ٹھنڈی کے موسم میں بھی نزول وحی کی شدت سے پسینہ وغیرہ کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ اور یہ اس گرانی اور بوجھ کی وجہ سے ہوتا تھا، جو کلام مجید آپ پر اترتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزول وحی کی کیفیت سے فارغ ہوئے، تو آپ کا یہ حال تھا کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔ سب سے پہلی بات جو حضور نے فرمائی وہ یہ تھی کہ ''اے عائشہ صدیقہ! حق تعالیٰ نے تمہیں بری قرار دے کر تمہیں پاک گردانا ہے۔ اس تہمت سے تمہاری پاکی بیان کی ہے اور تمہاری شان میں قرآن بھیجا ہے۔''

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۸۳ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۵۴)

● حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس وقت ''إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُ وْا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ'' (پارہ ۱۸، سورۂ نور، آیت ۱۱)

ترجمہ: بے شک وہ کہ یہ بہت بڑا بہتان لائے ہیں، تمہیں میں کی ایک جماعت۔ (کنز الایمان)

سے لے کر دس (۱۰) آیتوں تک وحی ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں دس آیات مذکورہ اور دیگر آٹھ (۸) آیات ملا کر کل (۱۸) اٹھارہ آیات نازل

فرمائیں۔

سورۂ نور آیت ۴، پارہ ۱۸ میں صاف حکم نازل ہوا کہ:

''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا۔''

ترجمہ: اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں، پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو۔ (کنز الایمان)

ام المومنین محبوبۂ محبوب رب العالمین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت اور افک کے سلسلہ میں قرآن مجید کا انداز بیان بڑا جامع اور پر زور ہے۔ اس میں اعجاز و ایجاز اور احکامات وتنبیہات اس اسلوب سے بیان کئے گئے ہیں کہ معصیت کے کسی دوسرے وقوع اور موقع پر اس انداز سے بیان نہیں کئے گئے۔ تہمت طرازی اور سخن سازی کا منافقین کی طرف سے جو مظاہرہ ہوا، جس سے اہل بیت رسول اور خود رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو انتہائی صدمہ، دکھ، اور تکلیف پہنچی تھی، اس کی وجہ سے انداز بیان میں شدت ہوئی ہے۔

● الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ میں امام اجل حضرت علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے زمخشری کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ''اصنام پرستی اور شرک کے بارے میں جو تنبیہات ہیں، وہ بھی مقابلۃً اس سے کچھ کم ہی ہیں۔ کیوں کہ یہ ایک پاکباز زوجۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طہارت و براءت کی حامل ہیں۔''

● وحی کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ نور کی دس (۱۰) آیتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر حضرت عائشہ صدیقہ کے یہاں سے نکل کر خوش وخرم مسجد نبوی تشریف لائے اور صحابہ کو جمع فرما کر خطبہ دیا اور اس کے بعد نازل شدہ آیتوں کی صحابۂ کرام کے سامنے تلاوت فرمائی۔ اور تہمت لگانے والوں کو طلب فرمایا۔ تہمت لگانے والے جب بارگاہ

رسالت میں حاضر کئے گئے، تو سرکار نے ان پر حدقذف جاری فرمایا اور ہر ایک کو اسی (۸۰) اسی (۸۰) کوڑے لگوائے۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۲۸۳)

یہاں تک کے مطالعہ سے واقعہ کی ابتدا سے انتہا تک کی واقفیت حاصل ہو چکی ہوگی۔ اب دور حاضر کے منافقین کے اعتراضات میں سے اہم اعتراض جو اس واقعہ کے ضمن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر ہے اس کا جواب سنیئے۔

دور حاضر کے منافقین یعنی وہابی، نجدی، دیوبندی، اور تبلیغی فرقۂ باطلہ کے مبلغین و مقررین اپنے جہالت سے لبریز بیان اور تقریر جو دراصل تقریر نہیں بلکہ تفریق بین المسلمین ہوتی ہے۔ بڑا اودھم مچاتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی عصمت و پاک دامنی کے سلسلہ میں حضور نے ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصہ تک سکوت کیوں فرمایا؟ آپ نے فی الفوران کی براءت کا اعلان کیوں نہ کر دیا؟ بلکہ وحی کے منتظر رہے۔ اور جب وحی آئی تب آپ نے براءت کا اعلان فرمایا۔ اس سے پتہ چلا کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔ اگر علم غیب ہوتا تو آپ فوراً براءت کا اعلان کر دیتے۔ (معاذ اللہ)

بس یہی ہے ان کے دعویٰ کی دلیل و برہان۔ مشیئت ایزدی اور حکمت الٰہیہ کے رموز کو سمجھنے سے یک لخت قاصر و عاجز ہونے کی وجہ سے ایسی بے ڈھنگی بات کہہ رہے ہیں۔ حالاں کہ اس واقعہ کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں اور ان تمام حکمتوں سے اللہ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے سکوت فرمایا تھا۔ کچھ وجوہات ذیل میں عرض ہیں۔

● حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے تہمت لگائی گئی تھی، منافق اس کو کہتے ہیں جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو لیکن دل سے وہ مومن نہیں ہوتا۔ زبان سے تو قسمیں کھا کھا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ہونے کا اقرار

کرتے تھے لیکن پیٹھ پیچھے حضور کی شان میں نازیبا کلمات کہہ کر آپ کی گستاخی کرتے تھے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔ منافقین کی ان دوغلی باتوں کا اللہ نے پردہ فاش فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ایک مکمل سورۃ بنام ''منافقون'' نازل فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِذَا جَـآءَكَ الْـمُـنَـافِقُوْنَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ'' (پارہ ۲۸، سورہ منافقون، آیت ۱)

ترجمہ: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (کنزالایمان)

ان منافقین کی ایک خصلت کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح ہے کہ:

''وَإِذَا لَـقُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْا آمَنَّا وَ إِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُنَ'' (پارہ ۱، سورۂ البقرۃ، آیت ۱۴)

ترجمہ: اور جب ایمان والوں سے ملیں، تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں، تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

رسول کے ماننے میں اور ایمان کے اقرار میں منافقین دوغلی بولی بولتے ہیں اور ان کے اقرار و ایمان کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔ منافق کو صرف جھوٹا نہیں بلکہ ''ضرور جھوٹا'' کہا گیا ہے۔ یعنی ان کا جھوٹ اتنا عام ہے کہ ان سے صدق کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ منافقوں کی بے حیائی اور بے شرمی کا یہ حال تھا کہ ابھی انکار اور ابھی رجوع۔ بلکہ دن کے اجالے کو رات کا اندھیرا کہہ دینے میں بھی ان کو کوئی

جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے، آپ کی تکذیب کرتے تھے، آپ کے بین معجزات کو معاذ اللہ جادو اور سحر کہتے تھے۔ لہٰذا ان جھوٹوں کے سامنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کا اعلان کرنا بے سود تھا۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی طرف سے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان فرماتے، تو منافقین ایک الزام یہ گڑھتے کہ دیکھو! اپنی بیوی کا دفاع کر رہے ہیں، زوجیت کی بناء پر طرفداری کر رہے ہیں، اپنی بیوی کے عیب پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حالاں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں یقیناً باخبر تھے۔ اسی لئے تو اپنے جاں نثار صحابۂ کرام کی مقدس جماعت کے سامنے حضرت عائشہ کے معاملے میں فرمایا ''وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی أَھْلِیْ إِلَّا خَیْرًا'' یعنی خدا کی قسم! میں اپنی اہل سے پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتا، اس جملے کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ حضور نے اس جملے کو ''وَاللّٰہِ'' یعنی ''خدا کی قسم'' سے مؤکد فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو حضرت عائشہ کی عصمت کا صرف گمان نہیں تھا بلکہ یقین کامل تھا۔ اسی لئے تو اللہ کی قسم سے جملے کی ابتدا فرما کر اپنے یقین کامل کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جب نبی اور رسول معصوم ہیں۔ ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں ہے اور جھوٹ بولنا گناہ عظیم ہے۔ قرآن میں جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت کا اعلان ہے۔ تو نبی اور رسول کبھی بھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور پھر جھوٹ پر اللہ کی قسم کھانا، اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ ہر مومن کا یہ عقیدہ ہونا لازم ہے کہ رسول کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور کبھی بھی خدا کی جھوٹی قسم نہیں کھاتے۔ تو جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے سامنے خدا کی قسم کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت فرما رہے ہیں، تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اس واقعہ کی حقیقت کا یقین کے درجہ میں علم تھا، بلکہ یہ بھی معلوم تھا کہ یہ تہمت لگانے والا اور فتنہ اٹھانے والا کون ہے؟

اسی لئے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: ''کون ہے جو میری مدد کرے؟ اور اس شخص سے انتقام لے جس نے بلاشبہ مجھے اور میری اہل کو ایذا پہنچائی'' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس اعلان سے جوش الفت کے جذبے کے تحت طیش میں آکر منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا، اس سے انتقام لینے کے لئے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے لیکن حضور نے انہیں باز رکھا۔ اور مصلحتاً خاموش کر دیا کیوں کہ اگر حضور ان حضرات کو اجازت انتقام عطا فرماتے اور وہ تہمت لگانے والے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو قتل کر دیتے، تو دیگر منافقین یہ واویلا مچاتے کہ حضور نے اپنی زوجہ کی طرفداری میں حقیقت واقعہ کو چھپانے کے لئے عبداللہ بن ابی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ اپنی زوجہ کی پاک دامنی کا کوئی ثبوت نہ تھا، لہٰذا قتل و غارت گری کی راہ اپنائی۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو خاموش کر دیا۔ تا کہ فتنہ کی آگ اور زیادہ نہ بھڑکے۔

دور حاضر کے منافقین صرف اسی بات کی رٹ لگاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان نہ کرتے ہوئے سکوت کیوں اختیار کیا؟ اس کا جواب ضمناً تو اوپر بیان ہو چکا کہ اگر آپ براءت کا اعلان فرماتے تو منافقین ماننے والے نہ تھے بلکہ دیگر الزامات تراشتے۔ اس لئے حضور نے سکوت فرمایا۔ اور ایک اہم مصلحت یہ تھی کہ حضور براءت کا اعلان کریں وہ اتنا مؤثر نہ ہوگا جتنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اعلان براءت کا اثر ہوگا۔ اس کو ایک آسان مثال سے سمجھیں کہ ایک بادشاہ کی کوئی چیز گم ہو گئی، کچھ مخالف لوگوں نے چوری کا الزام بادشاہ کے وزیر اعلیٰ کے بیٹے پر لگایا۔ حالاں کہ کہ وزیر اعلیٰ کا بیٹا بے قصور تھا۔ وزیر اعلیٰ کو اپنے بیٹے کے بے قصور ہونے کا یقین کے درجہ میں علم ہے۔ لیکن

وقت کا تقاضا اور مصلحت یہ ہے کہ وزیر خاموش ہی رہے۔ کیوں کہ اگر وزیر اٹھ کر اپنے بیٹے کے بے قصور ہونے کا اعلان کرے گا تو الزام لگانے والے مخالفین کا گروہ یہی کہے گا کہ اپنے بیٹے کی محبت اور طرفداری میں وزیر اعلیٰ اپنے عہدے اور منصب کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لہٰذا وزیر اعلیٰ سکوت اختیار کرے یہی بہتر و مناسب ہے، چاہے تہمت کی آندھی کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ صبر کرے اور خاموش رہ کر اس وقت کا انتظار کرے کہ حق بات واضح ہو کر سامنے آجائے۔ اچانک ایک دن بادشاہ سلامت کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ وزیر اعلیٰ کے فرزند ارجمند پر چوری کا جو الزام لگایا گیا ہے اس میں وہ بری اور بے قصور ہے۔ وزیر زادہ دیانتدار اور نیک بخت ہے۔ ایسے نیک بخت پر چوری کا الزام لگانا، ظلم شدید اور گناہ عظیم ہے۔ ہم وزیر زادہ کو اس چوری کی تہمت سے باعزت بری کرنے کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ حکم نافذ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایسے نیک بخت اور دیانتدار پر غلط الزام لگاتے ہیں ان کو کڑی سے کڑی سزا دی جائے۔ اس اعلان کے بعد الزام لگانے والوں کو بادشاہ کوڑے لگوائے اور کوڑے لگانے کا کام اپنے وزیر کے ہاتھ سے انجام دلوائے۔

اب قارئین کرام، سوچیں! وزیر زادہ کی عزت کس میں بڑھی؟ اگر وزیر اپنے بیٹے کی براءت کا اعلان کرتا ہے تو اس میں وہ عزت و شان حاصل نہ ہوتی جو عزت اور مرتبہ بادشاہ کے اعلان سے حاصل ہوا۔ ٹھیک اسی مثال کو حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ میں ذہن نشیں کر کے سوچیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے براءت و عصمت کے اعلان میں منافقین کو طرفداری اور پاسداری کے الزام کی گنجائش تھی۔ لیکن جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کا اعلان قرآن مجید میں فرما دیا، تو اب کسی کو سسکنے کی، کھسکنے کی، بدکنے کی، رینگنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔

اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی طرف سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا کی براءت کا اعلان فرماتے تو وہ حدیث کہلاتی اور یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں دیگر واقعات کی طرح شمار کیا جاتا۔ حدیث کے متن (عبارت) کی نماز میں تلاوت نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ نے حضرت عائشہ کی براءت کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی عظمت قیامت تک نماز میں تلاوت قرآن مجید کے ذریعہ ظاہر ہوتی رہے۔ عوام مسلمین میں دینی تعلیم و معلومات حاصل کرنے کی رغبت اور شوق دن بدن کم ہوتا جارہا ہے۔ بڑی مشکل سے ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم لوگ اپنی اولاد کو دے پاتے ہیں۔ ایسے ماحول میں حدیث و فقہ کے علم کی طرف بہت کم افراد مائل ہیں۔ اگر براءت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بذریعہ حدیث ہوتی تو اتنی شہرت و عزت نہ ملتی جتنی کہ قرآن مجید سے براءت ہونے پر حاصل ہوئی۔

چھوٹا سا دیہات ہوگا، چاہے اس میں مسلمان کے دو چار ہی مکان ہوں لیکن وہاں کسی نہ کسی گھر میں قرآن مجید ضرور ہوگا۔ لیکن وہاں کتب احادیث کا ہونا ناممکن ہے۔ بلکہ اکثر شہروں میں جہاں دارالعلوم نہیں ہوتے وہاں بخاری شریف، مسلم شریف و دیگر کتب احادیث کا ہونا ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کا کوئی بھی ایسا گوشہ نہیں ہے جہاں کلام مجید کا نسخہ موجود نہ ہو۔ برعکس اس کے کتب احادیث بہت کم دستیاب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ براءت حضرت عائشہ کا جو اعلان فرمایا ہے، اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کی شان و شوکت کا ڈنکا قیامت تک بجتا رہے۔

اگر بجائے قرآن مجید احادیث سے حضرت عائشہ کی براءت و عصمت کا اعلان ہوتا، تو منکرین عظمت کو تنقیص کے لئے ایک راہ یہ ملتی کہ وہ اپنی ذہنی اختراع سے یہ کہہ دیتے کہ ”یہ حدیث ضعیف ہے“ جیسا کہ دور حاضر کے منافقین وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی لوگ عظمت و

تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواز وثبوت کی احادیث سے عوام کو بے التفات و بے اعتماد کرنے کے لئے بلا کسی ثبوتِ علم اسماء الرجال کہہ دیتے ہیں کہ ''یہ حدیث ضعیف ہے۔'' لیکن قرآن مجید کی کسی بھی آیت کو ضعیف کہنے کی کسی میں جرأت نہیں۔ اور اسی حکمت کے تحت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

اسلام ایک ایسا کامل مذہب ہے کہ جس نے نوع انسان کو حیات جاودانی بخشی ہے۔ حقوق الناس کی صحیح پہچان اور نشان دہی اسلام ہی نے عالم دنیا کو کرائی ہے۔ اسلام نے دنیا کو معاشرت کا صحیح طریقہ وسلیقہ بتایا ہے۔ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی حمایت کرنا اسلام کا طریقہ وعمل ہے۔ خصوصاً عورتوں پر اسلام کا عظیم احسان ہے۔ ابتدائے اسلام کے دور میں عورت کو اتنا ذلیل سمجھا جاتا تھا کہ اگر کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تھی، تو گویا اس کو سانپ سونگھ گیا ہو ایسا اس کا چہرہ ہو جاتا تھا اور سماج کے رواج کے مطابق لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ میراث میں عورت کو کچھ بھی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ عورت کو صرف دل بہلانے کا کھلونا سمجھ کر اس سے دل لگی کی جاتی تھی۔ اور جب اس سے جی بھر جاتا، تو اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکا جاتا تھا۔ عورت پر زنا اور دیگر عیوب کے الزام لگا کر اس کو رسوا اور ذلیل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ کسی بھی باعصمت و پاک دامن خاتون کو ایک آن میں فاحشہ اور بدکردار کے القاب سے نوازنے میں کسی بھی قسم کی جھجک محسوس نہیں کی جاتی تھی، جس کے جی میں جو آیا، وہ منہ سے کہہ دیتا تھا۔ لیکن محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا روئے زمین کی تمام عورتوں پر احسان ہے کہ آپ کے سبب سے قرآن مجید میں عورتوں کی عصمت کی پاسداری اور پاسبانی کی گئی۔ ان کی پاک دامنی کی عظمت کی حفاظت کی گئی اور بات بات میں عورتوں کی پاک دامنی پر تہمت کا کیچڑ اچھالنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے قرآن مجید پارہ ۱۸ سورۂ نور، آیت نمبر ۴ میں صاف اور صریح حکم فرمایا گیا کہ ''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا۔''

ترجمہ: اور جو لوگ پارسا عورتوں کو عیب لگائیں، پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں، تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو۔ (کنزالایمان)

اس آیت کے نزول سے عورتوں کی پارسائی پر چھوٹی چھوٹی باتوں میں فعل قبیح کی تہمت لگانے والوں کے منہ پر تالے لگ گئے۔ صرف منہ پہ تالا ہی نہ لگایا گیا بلکہ تالا کھولنے والوں کو اسی (۸۰) کوڑے لگانے کی سزا متعین کی گئی۔ جس کو شرعی اصطلاح میں ''حد قذف'' کہا جاتا ہے۔ صرف قذف پر ہی اکتفا نہ کیا گیا بلکہ تہمت لگانے والے کو دائمی طور پر ''مردود الشہادۃ'' قرار دیا گیا۔ یعنی ہمیشہ کے لئے اس کی ہر گواہی متروک وغیر معتبر کر دی گئی۔ مذکورہ آیات کے علاوہ کئی آیات جھوٹی تہمت لگانے والوں کی مذمت میں سورۂ نور میں نازل ہوئی ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر یہاں نہ کرتے ہوئے صرف اتنا ہی عرض کر دیتا ہوں کہ تہمت لگانے والوں کو سورۂ نور میں فاسق، جھوٹا، اس پر اللہ کی لعنت وغیرہ وعیدوں سے ڈرایا اور خبردار کیا گیا ہے۔ اور مردوں کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ عورت بھی خدا کی ایک معزز مخلوق ہے۔ اس کو حقیر اور ذلیل مت جانو، اس کو ہیچ سمجھ کر اس کے کردار پر کیچڑ اچھالنا ترک کر دو، اس کی عزت وآبرو کی نگہبانی کرو، اس کے دامن عصمت کو تہمت والزام سے داغدار کرنے سے باز رہو۔ ورنہ اسی (۸۰) کوڑے، مردود الشہادۃ، فاسق، جھوٹے، اور اللہ کی لعنت کے حقدار جیسی سزائیں بھگتنے کے لئے تیار رہو۔ یہی اسلامی تہذیب ہے۔ اس کے دائرے میں رہو اور یہ حکم قیامت تک جاری رہے گا۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی طرف سے فوراً فرما دیتے اور وحی کا انتظار نہ فرماتے تو:

- کیا سورۂ نور کی دولت سے ہم سرفراز ہوتے؟
- کیا اس میں معاشرے کے نظام کی درستگی کے جو احکامات ہیں وہ ہمیں نصیب ہوتے؟
- عورتوں کی عزت وآبرو کی پاسداری اور پاسبانی کی تعلیم ہم کو حاصل ہوتی؟
- عورتوں کی عصمت اور پاکدامنی کی تا قیامت جو حفاظت کی گئی ہے کیا وہ حاصل ہوتی؟
- تہمت والزام تراشی جیسے قبیح و مذموم اطوار کو ترک کرنے کا حوصلہ ملتا؟
- کیا یہ اخلاقی محاسن دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچتے؟

ان تمام احکامات ووجوہات کی بنا پر عالم ما کان وما یکون، علم غیب جاننے والے، ہر بات سے باخبر، پیارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توقف فرما کر سکوت فرمایا۔ اس حکمت عملی کو سمجھنے سے قاصر و عاجز، کورچشم و کور باطن دور حاضر کے منافقین نے سکوت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے غلط استدلال حاصل کر کے یہ واویلا مچا رکھا ہے کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔

دور حاضر کے منافقین ایک شور یہ بھی مچاتے ہیں کہ براءت حضرت عائشہ صدیقہ کے معاملے میں حضور نے عجلت کیوں نہ فرمائی۔ اور اتنی تاخیر کیوں کی؟ اب اسی سوال کو ہم دور حاضر کے منافقین کی جانب لوٹاتے ہیں کہ براءت حضرت عائشہ کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات کے نزول میں تاخیر کیوں فرمائی؟ ہے کوئی آپ کے پاس اس کا جواب؟ لیکن بحمدہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کے پاس اس کا شافی ووافی وکافی جواب ہے۔ نزول آیات قرآن کی تاخیر میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی معاملہ پیش آئے اور فوراً اس کا تدارک کر دیا جائے تو اس معاملہ کی اتنی اہمیت نہیں رہتی۔ فی الفور رفع دفع ہو جانے والا معاملہ

صرف کچھ دنوں تک عوام الناس میں زیر بحث اور موضوع سخن رہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ اور اس کے اثرات تادیر قائم نہیں رہتے اور نہ ہی اس واقعہ کی سنگینی کا احساس ہوتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ فی الفور حل شدہ معاملے میں لوگوں کے نظریات و تخیلات بھی کامل طور سے رونما نہیں ہوتے۔ بہت سے لوگوں کے تفکرات اندر ہی اندر دب کر رہ جاتے ہیں۔ ان کو اظہار کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں لوگوں کے ذاتی رویّہ کا پتہ نہیں لگتا کہ جناب عالی کس جانب ہیں؟ موافقین میں سے ہیں یا مخالفین کے گروہ میں شامل ہیں؟ تا کہ تمیز ہو سکے کہ یہ اپنا ہے یا پرایا؟

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کا معاملہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کی عصمت کا معاملہ تھا۔ اور در پردہ قیامت تک آنے والی تمام خواتین کی عزت وآبرو کا معاملہ تھا۔ تہمت کا تعلق کردار سے تھا، پاک دامنی سے تھا، ایک عورت کے لئے اپنی عصمت سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔ ایک عورت اپنی عصمت کے تحفظ کے لئے دنیا کا سارا عیش وآرام قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد ہوتی ہے۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کا معاملہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوراً رفع دفع فرما دیتے، تو اس سے معاملہ کی اہمیت اور سنگینی کا احساس نہ ہوتا۔ آئے دن ایسے اتہامات کا اعادہ اور سلسلہ جاری رہتا۔ صرف حضرت عائشہ صدیقہ ہی نہیں بلکہ اور بھی پاک دامن خواتین کے دامن عصمت جھوٹی تہمتوں سے داغدار ہوتے رہتے۔ اور اس کا دائمی طور پر کوئی تدارک نہ ہوتا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاشرے سے اس قسم کے رذیل افعال کو نیست و نابود فرمانے میں جو کردار ادا فرمایا ہے، وہ پوری دنیا کے لئے ضرب المثل ہے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ الزام تراشی کی عادت قبیحہ کو اس طرح ختم کیا جائے اور ایسے اقدام کئے جائیں کہ کوئی بھی شخص کسی پاک دامن عورت کی

عصمت پر تہمت لگانے سے پہلے اس کے انجام سے باخبر اور خوفزدہ ہوکر اس کے ارتکاب سے تھر تھر کانپے۔

آج تو میری زوجہ محترمہ کی عصمت کو نشانہ بنایا گیا ہے، کل کسی اور پاک دامن خاتون کی ردائے عصمت کو خنجر تہمت سے چاک کیا جائے گا۔ لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سبب بنا کر عصمت النساء کے تحفظ کے دائمی اور مستقل اقدام اٹھائے جائیں۔ اسی لئے اس معاملہ کو اتنی زیادہ اہمیت دی گئی اور اہمیت دینے کے لئے ہی اس معاملہ کو اتنا طول دیا گیا۔ طول دینے میں اہم فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ سماج کے سب لوگ اس سے واقف ہوجاتے ہیں اور سب لوگوں کی آراء ونظریات معلوم ہوجاتے ہیں تاکہ کل اٹھ کر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے اس معاملہ کی اطلاع ہی نہ ہوئی، ورنہ میں اپنی رائے اس طرح پیش کرتا۔ تو جب سماج کے سب لوگ اس سے واقف ہوجاتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس معاملے کا حل اور فیصلہ ہوتا ہے تو پھر کسی کو غیر مطمئن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور ان سب امور کے حصول کے لئے معاملے کو طول دینا ضروری ہوتا ہے تاکہ کوئی بھی شخص بعد میں اپنی لاعلمی کا اظہار و بہانہ نہ کر سکے۔ لہٰذا اسی غرض وحکمت کی بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کے معاملے کو ایک ماہ سے زیادہ مدت تک طول دیا گیا۔

کسی معاملے کو طول دینے سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ کون اپنا ہے اور کون پرایا؟ اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا دم بھرنے والے کا امتحان ہوتا ہے کہ عین وقت پر کون ثابت قدم رہتا ہے اور کس کے پائے استقلال میں تزلزل آجاتا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہوتا ہے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق؟ بہت سے لوگوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ تذبذب کے شکار رہتے ہیں۔ ان کے عزم وارادے، فیصلے اور رائے میں اپنا کوئی نظریہ کارگر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ دوسروں پر منحصر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ ماحول

کے پیش نظر جہاں جھکاؤ ہوتا ہے اسی طرف جھکتے ہیں۔ ناقص الرائے اور ناقص العقل ہونے کی وجہ سے وہ لوگ دوسروں کے فعل وارتکاب کا اتباع کرتے ہیں۔ ذاتی طور پر کچھ فیصلہ کرنے سے وہ لوگ عاجز وقاصر رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں خود اعتمادی اور خود ارادیت (Self Determination) کا فقدان ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے ارادوں اور فیصلوں کے محتاج اور مرہون منت ہوتے ہیں۔ اور یہ خصلت اور عادت مذموم وناپسندیدہ ہے۔ کیوں کہ اس میں خوف واندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی حق وباطل کا فیصلہ کیے بغیر کسی کی دیکھا دیکھی غلط راہ اختیار کر کے گمراہ نہ ہوجائے۔ ایسے لوگوں کا عام حالت میں پتہ نہیں لگتا بلکہ جب کبھی کوئی سنگین معاملہ ہوتا ہے، تب ان کی ذہنی بے مائیگی کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے لوگ ماحول سے متاثر ہوکر ہمیشہ چلتی گاڑی میں چڑھ جانے کی طامع ذہنیت رکھتے ہیں۔ بلکہ اپنے نفع اور لالچ کے حصول کی خو کی بناء پر اتنے خودغرض ہوتے ہیں کہ ان آنکھوں کو شرم بھی نہیں آتی، دوستی اور وفاداری کے تمام عہد و پیمان وہ لوگ فراموش کر جاتے ہیں۔ بتقاضۂ دوستی ومحبت مصیبت کے وقت مدد کرنا وہ بھول جاتے ہیں، مدد کرنا تو درکنار، الٹے وہ مخالفت کرنے والوں کے زمرے میں اپنی جائے نشست اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے جھوٹے مدعیان دوستی اور سچے وفاداروں کا امتیاز مصیبت کے وقت ہی صحیح طور پر ہوتا ہے۔ عام حالات میں زبانی اقرار محبت ووفاداری تو سب کرتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تب عاشق صادق سایہ کی طرح ساتھ رہتا ہے اور دھوکے باز اڑ کر سامنے والے کنارے پر چلا جاتا ہے۔ کچھ لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہری رویہ سے پتہ نہیں چلتا کہ جناب عالی کس فریق سے تعلق رکھتے ہیں؟ لیکن جب موقع آتا ہے تو ایسے لوگ اپنی محبت وعداوت کا اظہار کرنے میں ذرہ برابر کی بھی کاہلی نہیں کرتے۔ تب پتہ چلتا ہے کہ ان کو تو ہم کیا سمجھتے تھے اور یہ کیا نکلے۔ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کے معاملے کو اتنی لمبی مدت تک طول دینے کے پس پردہ حکمت ایزدی یہی تھی

کہ لوگوں کا امتحان اور آزمائش ہو جائے اور اس امتحان کے ذریعہ لوگوں کا امتیاز بھی ہو جائے۔

قارئین کو حیرت ہوگی کہ منافقین کی باتوں کے جال میں سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمان بھی پھنس گئے تھے اور ان کا شمار بھی اہل افک یعنی تہمت لگانے والوں میں ہوگیا۔ بڑا ہی سنگین معاملہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے امتحان وآزمائش کا وقت تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کا ایسے موقع پر امتحان لیتا ہے۔ پہلے جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا، تب بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا امتحان لیا تھا۔ جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔

''وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ۔'' (پارہ۲، سورہ بقرہ، آیت۱۴۳)

ترجمہ: اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے، ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ (کنزالایمان)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ جو امتحان میں ناکام ہوتے ہیں ان پر سزا وعتاب فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کے معاملے میں اچھوں اچھوں کا امتحان ہوگیا۔ جو سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمان منافقین کے دام فریب میں آکر اہل افک میں شامل ہوگئے تھے، ان کو حد قذف کی سزا یعنی کہ اسی (۸۰) کوڑے لگوائے گئے۔

اس واقعہ کی وجہ سے قرآن مجید میں آیت تیمّم نازل ہوئی جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے راحت اور آسائش ہے۔

ایک کہاوت ہے کہ ''خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے'' زمانۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ پر جھوٹی تہمت لگا کر شہرت اور غلط پروپیگنڈوں کا بازار تو گرم کر دیا لیکن ان کی عقلوں پر بے وقوفی کے پردے پڑ گئے تھے۔ انہوں

نے یہ بھی نہ سوچا کہ جس شخص کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام جوڑ رہے تھے، وہ شخص یعنی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ سے ایسی حرکت کے صدور کا امکان ہی نہ تھا۔ کیوں کہ حضرت صفوان ''نامرد'' تھے۔ امام قسطلانی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نامرد تھے۔ اور ان کا آلۂ تناسل ناکارہ تھا۔ خود حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اپنی نامردی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے کسی عورت کا پردہ نہیں اٹھایا۔ مطلب یہ کہ میں نے کسی بھی عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا۔

(مدارج النبوۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۲۸۴)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ زمانہ اقدس کے منافقین نے جو تہمت لگائی تھی اس میں کتنا دم تھا، زمانہ اقدس کے منافقین کی اتباع میں دور حاضر کے منافقین بھی ایسی بے وقوفی سے لبریز باتیں کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے براءت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی طرف سے نہ ظاہر کی بلکہ وحی آنے کے بعد اعلان براءت کیا۔ ان عقل کے اندھوں کو کیا معلوم کہ حضور اقدس جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتانے پر، وحی والہام ہونے پر ہی آپ کلام فرماتے تھے۔ کبھی آپ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا کلام بصورت قرآن ہوتا تھا اور کبھی بصورت حدیث۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى'' (پارہ۲۷، سورہ النجم، آیت۳)

ترجمہ: اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر جو وحی ان کو کی جاتی ہے۔

(کنزالایمان)

دور حاضر کے منافقین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کے واقعہ کو آڑ بنا کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کی راہ نکالنے کی مضحکہ خیز

باتیں کر کے خود مضحکہ خیز بنتے ہیں۔ عداوت و بغض نبی میں اپنے ذہنی اختراع کی بے تکی اور بے جا باتیں اپنی ناپاک زبان سے کہہ کر اپنی بے راہ روی کا ثبوت دیتے ہیں۔ حالاں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے اثبات میں آیات قرآن، دفاتر احادیث اور اقوال ائمۂ دین اتنی کثیر و وافر تعداد میں شاہد و عادل ہیں کہ کئی ضخیم کتب مرتب ہو سکتی ہیں۔

امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، امام احمد رضا محقق بریلوی اس پورے واقعے کی عکاسی اپنے اس شعر میں یوں کرتے ہیں۔

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

یعنی امام اہل سنت ام المومنین حضرت عائشہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں کہ وہ ایسی پاک دامن اور عصمت و عفت مآب تھیں کہ ان محاسن کی وجہ سے ان کی صورت نورانی تھی ''ان کی پرنور صورت پہ لاکھوں سلام'' اور یہ حقیقت ہے کہ پاک دامن اور نیک کردار کے چہرے پر ہی نور ہوتا ہے۔ بدعقیدہ اور بدعمل کے چہرے پر نور نہیں ہوتا بلکہ سیاہی اور کالک ہوتی ہے۔ ان کا چہرہ دیکھنے میں بھی مکروہ محسوس ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں ہر سنی مسلمان کو انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی سچی عظمت و محبت عطا فرمائے اور انبیائے کرام کی مقدس ازواج کی تعظیم و تکریم کا جذبہ عطا فرمائے۔ اور ان کی جناب میں نازیبا و ناشائستہ الفاظ بولنے سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

(50)

ایسا گمادے ان کی وِلا میں خدا ہمیں
ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

حل لغت:

گمانا: کھونا، گم کرنا، آپے میں نہ رہنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۶)

گم ہونا: ضائع ہونا، کسی خیال میں محو ہونا، بے خبر ہونا، کسی چیز کا کھو جانا، بدحواس ہونا۔
(فیروز اللغات، ص۱۱۰۶)

ولا: محبت، الفت، دوستی، پے در پے کسی کام کا کرنا۔
(فیروز اللغات، ص۱۴۱۵ ☆ لغات کشوری، ص۸۰۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۳)

خبر: اطلاع، آگہی، واقفیت، پیغام، سندیسا، افواہ، حدیث نبوی، پتہ، نشان، سراغ، ہوش، سدھ بدھ، حال، سناؤنی، موت کی اطلاع، کسی کی بات سننا۔
(فیروز اللغات، ص۵۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۲۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۶۲)

ڈھونڈھنا: تلاش کرنا، کھوج لگانا، پتہ لگانا۔ (فیروز اللغات، ص۶۸۶)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''خبر'' ہے اس کا مطلب ''ہوش'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''خبر'' ہے اس کا مطلب ''پتہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و

مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی بے پناہ محبت کے کیف وسرور میں سرشار ہو کر اس عشق کی اعلیٰ منزل، فنافی الرسول کے حصول کی تمنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور لطف وعنایت سے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ''ولا'' یعنی الفت ومحبت میں ہمیں ایسا گم کردے کہ پھر ہم ایسے کھو جائیں کہ ہماری خبر کو خبر نہ ہو۔ مصرع ثانی بہت ہی غور طلب ہے اس کو حل کرنا مجھ جیسے بے علم اور ناکارے کی بساط ورسائی سے دور ہے۔ پھر بھی یہ شعر جس مقدس ذات گرامی کی مدح وثنا میں لکھا گیا ہے اور جس ولولے سے لکھا ہے اس عاشق صادق کے فیض وعطا اور نگاہ توجہ کے طفیل اس شعر کو حل کرنے کی جرأت کرتا ہوں، مصرع ثانی کے الفاظ ہیں کہ ''ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو'' یعنی ہماری تلاش کرے، لیکن اپنی خبر کو بھی خبر نہ ہو۔ یہاں پر ڈھونڈھا کرے کا جملہ غور وفکر کا طالب ہے۔ ڈھونڈھا کرے یعنی تلاش کیا کرے، مگر کون تلاش کرے؟ یہاں ایک معمہ ہے کیوں کہ اس کے بعد کا جملہ ''خبر کو خبر نہ ہو'' ہے۔ ابھی تو خبر کے دو الگ الگ معنی ہم وہی اخذ کریں جو حل لغت کے کالم میں درج ہیں یعنی ڈھونڈھا کرے لیکن ہمارے ہوش یعنی ہماری سدھ بدھ کو ہی ہمارا پتہ معلوم نہ ہو لیکن پھر بھی ''ڈھونڈھا کرے'' والا مسئلہ ابھی بھی کھڑا ہے کہ اس عالم میں کہ جب ہماری سدھ بدھ ہی کو ہمارا پتہ معلوم نہ ہو، تو اس وقت ڈھونڈھنے کی زحمت گوارا کرنے والا کون ہے؟ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ڈھونڈھنے کا کام خبر کا ہے۔ یعنی خبر (ہوش) ہم کو ڈھونڈھے لیکن خبر کو ہی خبر (پتہ) نہ ہو، یعنی ڈھونڈھنے والی بھی خبر اور ڈھونڈھنے کے نتیجے میں لاعلم رہنے والی بھی خبر یہ تشریح میرے کچھ مخدوم ومعظم نے کی ہے۔ راقم الحروف ان کا ادنیٰ خادم اور غلام ہونے کی حیثیت سے ان کی عظمت وبزرگی کا بصد احترام قائل ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کی تشریح جو انہوں نے کی ہے راقم الحروف متفق نہیں۔ کیوں کہ اس مصرع کے وسط میں ''اپنی'' کا لفظ ہے۔ یعنی ''ہماری'' اور اگر ڈھونڈھنے والے کا منصب خبر کو عطا کیا جائے تو یہاں اپنی کا لفظ نہ ہوتا بلکہ خود کا لفظ ہوتا۔ اور معنی یہ ہوتے کہ خبر ڈھونڈھے لیکن خود خبر کو خبر نہ

ہو۔ لیکن اس شعر میں خود کا نہیں بلکہ ''اپنی'' کا لفظ ہے۔ اور اب معنی یہ ہوئے کہ ڈھونڈھا کرے (کون؟ یہ بعد میں حل کرتے ہیں) لیکن ڈھونڈھنے کے باوجود اس کو ہمارا پتہ نہ چلے اور یہ معنی کچھ ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا راقم الحروف اپنی ناقص رائے، کم فہمی، کم بضاعتی، کم ظرفی، کم مائیگی اور بے علمی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اس شعر میں ڈھونڈھنے والے سے مراد زمانہ ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ بارہا کا مشاہدہ ہے اور واقعات وحوادث اس کے گواہ عادل ہیں۔ کہ عشق میں جب انسان فنائیت کی منزل پر پہنچتا ہے تب اس عاشق کے کرب واضطراب کو ایک سکون وراحت کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ عشق کی ابتدائی منزل سے اب تک اس نے زمانے کے ظلم وستم کو برداشت کرتے ہوئے بھی عشق میں اپنی ثبات قدمی کا ثبوت دیا ہے۔ مسلسل کیے جانے والے مظالم کو جھیل جھیل کر اس کا دل چھلنی ہو چکا ہے۔ وہ صرف اس امید میں ظلم وستم برداشت کرتا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور اپنی منزل مقصود کو پالے گا۔ وہ فراق محبوب میں بے قرار ہوتا ہے وصل محبوب کے لئے تڑپتا ہے اور ایک ان کہی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ زمانے کے لوگ اس کی قابل رحم حالت پر ترس کھانے کے بجائے اپنی ترش روئی میں اور اضافہ کر دیتے ہیں۔ اور اس عاشق کو دیوانہ اور پاگل ثابت کر دیتے ہیں۔ وہ عاشق زمانے کی نگاہوں میں تو دیوانہ ہوتا ہے لیکن باعتبار فہم عشق وہ بہت ہی فرزانہ ہوتا ہے۔ زمانے والوں کے رویے کو وہ اچھی طرح سمجھتا ہے۔ زمانے کی بے دردی و بے قدری اور بے مروتی سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ اس میں اتنی صلاحیت وطاقت بھی ہوتی ہے کہ وہ زمانے والوں کو دنداں شکن جواب دے کر ساکت بھی کر دے۔ لیکن وہ اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ اس کی منزل مقصود کی مسافت بہت طویل ہے۔ جو اسے جلد از جلد طے کرنی ہے۔ لہٰذا وہ زمانے والوں سے بے اعتنائی، بے خبری اور بے رخی اختیار کر کے اپنی دھن میں مست رہ کر زمانے والوں سے مطلقاً بے التفاتی اپنا لیتا ہے۔ اور شوق وصال حبیب کی آرزو کو زیادہ تیز کر کے اپنی راہ میں آگے بڑھتا ہے۔ اور ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہ

اپنے مقصد اور اپنی مراد کو حاصل کر لیتا ہے۔ تب وہ اپنے مقصد کے حصول کے نشاط وانبساط کے کیف میں سرشار ہوکر دنیا و مافیہا سے علیٰ حدگی اختیار کر لیتا ہے۔ دنیا والوں کے ماضی میں کیے ہوئے سلوک اسے یاد ہوتے ہیں۔ لیکن وہ انتقام سے پرے ہوکر دنیا والوں سے ہی بیگانگی اپنا لیتا ہے جب وہ تکمیل وحصول درجات کے بعد دنیا سے اوجھل ہو جاتا ہے اور دنیا کو پتہ لگتا ہے کہ جس کو ہم دیوانہ دیوانہ کہہ کر دھتکارتے تھے وہ تو صاحب درجات ومراتب ہے۔ تب دنیا اس کو ڈھونڈھنے دوڑتی ہے لیکن وہ عاشق اب ہاتھ کہاں آتا ہے۔ اس کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بقول حضرت رضا:

جس کو ان کے مکاں کا پتہ مل گیا
بے نشاں بے نشاں ہوگیا

وہ عاشق صادق اپنے آقا و مولیٰ کے عشق میں محو و فنا ہو کر دنیا سے ایسا گم ہوتا ہے کہ دنیا والے اس کو ڈھونڈھنے کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں لیکن کسی کو بھی اس کی خبر (پتہ) نہیں لگتی۔ اور یہی مطلب حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کا ہے کہ ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو۔ یعنی جو عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گم ہوتا ہے اس کو دنیا کتنا ہی ڈھونڈھے مگر اس کے سراغ کا پتہ نہیں لگتا۔ فنافی الرسول کی منزل تک پہنچنے والے عشاق صادقین دنیا سے قطع تعلق ہو کر بحر عشق میں غوطہ زن ہو کر دنیا سے اس طرح پوشیدہ ہوتے ہیں کہ دنیا والے کف افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔ تفصیل کے لئے شعر نمبر 38

یاد رخ میں آہیں کرکے بن میں میں رویا آئی بہار

کا مطالعہ کریں۔

◈......◈......◈

(51)

اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفوں شہ بطحا ہے ہمارا

حل لغت:

مدعیو: دعویٰ کرنے والا، نالشی، دعوے دار، رقیب، حریف، سائل، غیر، مستغیث۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۲۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۰)

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، بالکل نہیں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، سرشت، دھرتی۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

مدفون: دفن کیا ہوا، گاڑا ہوا، پوشیدہ، مخفی۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۲۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۱)

بطحا: لغوی معنی فراخ اور کشادہ زمین، مراد مکہ معظّمہ۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''مٹی'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''بالکل نہیں'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''زمین'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سرزمین مدینہ منورہ اور خصوصاً وہ خطۂ زمین کہ جہاں پر گنبد خضریٰ کی چھاؤں میں حضور اکرم شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار اقدس ہے اس کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ اس شعر کے مصرع اول میں

لفظ خاک کا دومرتبہ استعمال اور مصرع ثانی میں لفظ خاک کا ایک مرتبہ استعمال یعنی کل تین مرتبہ لفظ'' خاک'' کا استعمال کیا گیا ہے۔تینوں لفظ خاک حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے جدا ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ان لوگوں کو للکارتے ہیں جو مدینہ شریف کی عظمت کے قائل نہیں۔ان منکرین عظمت مدینہ کو حضرت رضا بریلوی خواب غفلت سے بیدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مدعیو! سرزمین مدینہ طیبہ کو تم بالکل نہیں سمجھ سکے۔ارے یہاں کی زمین کی خاک (مٹی) میں تو وہ ذات گرامی آرام فرما ہے جو شہ بطحا یعنی کہ مکہ معظّمہ کا بھی بادشاہ ہے۔

موجودہ پرفتن دور میں منافقین وہابی، نجدی، اپنے نفاق کا اظہار کرتے ہوئے لوگوں کے دلوں سے مدینہ طیبہ کی محبت کم کرنے کے لئے ایسا پروپگنڈہ کرتے ہیں کہ مدینہ شریف کی عظمت وہ نہیں جو آج تک سننے میں آتی تھی (معاذ اللہ) فقیر زیارت حرمین شریفین کے لئے گیا ہوا تھا تب جدہ کے ہوائی اڈے پر اس قسم کے پرچے اور کتابچے تقسیم ہوتے تھے کہ ''مَنۡ زَارَ قَبۡرِیۡ وَجَبَتۡ لَہٗ شَفَاعَتِی ''یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل عمل نہیں۔سعودی عربیہ کی نجدی وہابی حکومت گاہے بہ گاہے تنقیص رسالت کی ایسی سازشیں کرتی رہتی ہے۔ بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے کچھ وہابی ایجنٹ بھی حجاج کرام کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔اور مدینہ شریف جانے سے روکتے ہیں۔ان کور چشم وکور باطن کو کیا معلوم کہ مدینہ طیبہ میں وہ ذات گرامی آرام فرما ہے کہ جن کے طفیل یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ بلکہ مکہ معظّمہ اور خانۂ کعبہ کا وجود بھی انھیں کا مرہون منت ہے۔مدینہ طیبہ جانے سے روکنے والے چاہے جتنی کوشش کریں لیکن نبی کے

دیوانے کسی کے روکے نہیں رکتے۔ایک عاشق کے لئے مدینہ طیبہ کائنات کی سب سے بہترین جگہ ہے۔ بلکہ عاشق صادق تو مدینہ طیبہ کو جنت پر بھی ترجیح دیتا ہے۔ بقول حضرت رضا:

طیبہ سے ہم آئے ہیں کہئے تو جناں والو!
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

مدینہ طیبہ کی عظمت کا صحیح احساس اسے ہی ہوسکتا ہے جس کا دل عشق رسول کا گنجینہ ہو۔عام طور سے لوگوں میں یہ عنوان اکثر زیر بحث ہوتا ہے کہ مکہ معظّمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟ اس میں ملت اسلامیہ کے ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ:

- وہ مقام کہ جو اعضائے شریفہ سید کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موضع شریف سے ملائے ہوئے ہے۔وہ جگہ تمام اجزائے زمین سے افضل، یہاں تک کہ خانۂ کعبہ تمام سمٰوات حتی کہ عرش سے بھی افضل ہے۔

(جذب القلوب الٰی دیار المحبوب، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص۱۴)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم، حضرت عبداللہ بن زبیر و نیز دیگر اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مدینہ منورہ کو مکہ معظّمہ پر فضیلت دیتے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے جتنی زیادہ محبت ہے اتنی کسی شہر سے نہیں۔اسی میں آپ نے اقامت فرمائی اور یہیں سے آپ نے فتوحات عظیمہ حاصل کیں۔مدینہ منورہ اسلام کی قوت، دین کی نشرواشاعت، تمام اول وآخر خیر وبرکات کا سر چشمہ اور جملہ کمالات ظاہر وباطن کا معدن اور سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کا مبداء ہے۔

مدینہ منورہ کی فضیلت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار شریف مدینہ میں ہے۔اور متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ہر نفس کی پیدائش اسی مٹی سے ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے۔اس سے یہ ثابت ہوا کہ پیدائش پاک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ کی ہی مقدس مٹی سے ہے۔

● طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ ''اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ مِنْ مَکَّۃَ'' یعنی مدینہ افضل ہے مکہ سے۔ (جذب القلوب،ص۱۷)

● مدینہ منورہ کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس کو حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا۔تو فرماتے ہیں کہ ''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَخْرَجْتَنِیْ مِنْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیَّ فَاَسْکِنِّیْ فِیْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیْکَ'' یعنی اے اللہ اگر تو مجھ کو اس جگہ سے جو میرے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہے، باہر لاتا ہے تو میری سکونت ایسی جگہ میں کر جو تیرے نزدیک تمام مقامات میں محبوب ترین ہو۔ چنانچہ دعا کے مستجاب ہونے کے بعد یہ مقام یعنی مدینہ منورہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہوگیا۔اور اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ کی طرف عود نہیں فرمایا۔اور مدینہ منورہ میں ہی قیام کرنے پر استقامت فرمائی۔

● جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تھے، اور جب مدینہ کے قریب پہنچتے تو اپنی سواری کو حرکت دے کر اور تیز کردیتے تھے اور یہ اس لئے تھا کہ آپ وفور شوق سے بے چین ہوجاتے تھے کہ کسی طرح جلد از جلد مدینہ میں داخل ہوجائیں آپ کا قلب مبارک یہاں پہنچ کر سکون پاتا تھا۔ شانۂ مبارک سے چادر بھی نہ اتارتے اور فرماتے تھے کہ ''یہ ہوائیں طیبہ یعنی اچھی ہیں۔'' (جذب القلوب،ص۲۱)

(52)

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزشِ عشق چشم والا
کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

حل لغت:

جلی: جلا کی تانیث، جلا ہوا، تنگ آیا ہوا، غصہ کی حالت میں۔(فیروز اللغات،ص۴۶۶)

جلی: روشن، واضح، ظاہر، موٹا لکھا ہوا، آشکارا، کاتبوں کی اصطلاح میں موٹا خط۔
(فیروز اللغات،ص۴۶۹ ☆ لغات کشوری ۱۹۸)

سوزش: جلن، کھولن، درد، تکلیف۔
(فیروز اللغات،ص۸۲۰☆ لغات کشوری،ص۴۰۰ ☆ کریم اللغات،ص۹۴)

عشق: محبت، فریفتگی، پریم، چاہ، شوق، خواہش، عادت، لت، سلام رخصت، کسی شئے کو نہایت دوست رکھنا، بہت محبت کرنا، ایک قسم کا جنون۔
(فیروز اللغات،ص۸۹۷☆ لغات کشوری،ص۴۹۲ ☆ کریم اللغات،ص۱۱۰)

چشم: آنکھ، دیدہ، نین، عین، آس، امید، کنایہ ہے کسی کے سوال کے قبول کرنے سے، چشم خم، امید، توقع، نام ایک دوا کا جس کو چاکسو کہتے ہیں۔
(فیروز اللغات،ص۵۲۹ ☆ لغات کشوری،ص۲۱۳ ☆ کریم اللغات،ص۵۲)

والا: بلند، عالی، اونچا، ذی عزت، بزرگ، بلند مرتبہ، ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا۔
(فیروز اللغات،ص۱۴۰۳☆ لغات کشوری،ص۷۹۹ ☆ کریم اللغات،ص۱۹۰)

کباب: سیخ پر چڑھا کر کوئلوں پر بھنا ہوا قیمہ یا گوشت کا ٹکڑا، گھی وغیرہ میں تلی ہوئی قیمے کی ٹکیاں، سوختہ، جلا ہوا، بھونا ہوا، بریان۔
(فیروز اللغات،ص۹۸۶ ☆ لغات کشوری،ص۵۸۰ ☆ کریم اللغات،ص۱۲۷)

آہو: ہرن، مرگ، عیب، نقص۔

(فیروز اللغات، ص ۴۶ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹)

مزہ: ذائقہ، سواد، چاٹ، لذت، لطف، فرحت، محبت، اخلاص، حظ رس، چسکا، خوشی، عیش، عشرت، جوبن، شباب، لت، عادت، حالت، کیفیت، سیر، تماشا، گت، درجہ، سزا، جزا، تعزیر۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۳۹ ☆ لغات کشوری، ص ۶۹۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۵۲)

بو: باس، مہک، خوشبو، بدبو، خبر، راز، شان، اثر، شک کی جگہ۔ (فیروز اللغات، ص ۲۲۱)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''جلی'' ہے اس کا مطلب ''واضح'' ہے

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''جلی'' ہے اس کا مطلب ''جلا ہوا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب ''کباب'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب ''سوختہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبہ کو اجاگر کرتے ہوئے ایک عاشق صادق کی دلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہجر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو دل جلی (واضح) طور پر جل جاتا ہے۔ یعنی جلی (جلا ہوا) ہوتا ہے اس دل کے جلنے سے ایک بو نکلتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی جلی ہوئی چیز سے بو نکلتی ہے تو وہ دھویں کی شکل میں ہوتی ہے۔ یعنی اس جلی ہوئی چیز سے دھواں اٹھتا ہے اور اس چیز کی خاصیت کے موافق اس میں بو ہوتی ہے۔ اور وہ بو سیدھی آنکھ پر اثر کرتی ہے اور بودار دھویں کی وجہ سے ''سوزش چشم''، یعنی آنکھ میں جلن پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک

مصرع اول کا معنی ذہن نشیں کرتے ہوئے اب دوسرے مصرع کے ساتھ اس کا ربط و تعلق دیکھیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ جلی ہوئی چیز سے جو دھواں بو کے ہمراہ اٹھتا ہے وہ دھواں آنکھ میں جلن پیدا کرتا ہے۔ لیکن ایک عاشق کے سامنے دو مرحلے ہیں ایک تو یہ ہے کہ کباب آہو یعنی ہرن کے گوشت کے کباب سے دھواں اٹھتا ہے، اور ایک عاشق کا جب دل جلتا ہے۔ تب بھی دھواں اٹھتا ہے، دونوں دھوئیں آنکھ میں جلن پیدا کرتے ہیں لیکن دل کے جلنے سے اٹھنے والے دھویں میں جو لطف و مزہ ہے وہ مزہ ہرن کے کباب سے اٹھنے والے دھویں میں نہیں ہے۔

اس شعر میں لفظ ''جلی'' اور لفظ ''کباب'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''جلی'' اور دونوں لفظ ''کباب'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''جلی'' ہے وہ روشن اور واضح کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''جلی'' ہے وہ جلا کی تانیث ہے۔ جس کا مطلب ہے جلا ہوا یا سوختہ، اسی طرح پہلی مرتبہ جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب ہے کباب یعنی گوشت یا قیمہ کا بھونا یا تلا ہوا ٹکڑا یا ٹکیہ، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب سوختہ یا جلا ہوا۔ اس اعتبار سے اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کی دو تجنیسات ہیں۔ پہلی تجنیس جلی اور جلی کی، دوسری تجنیس کباب اور کباب کی۔

اس شعر میں مصرع اول کی ابتداء میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''جلی جلی اس کی بو سے پیدا'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ جلی جلی یعنی واضح طور پر جلا ہوا۔ یعنی اس کا جلنا کسی پر پوشیدہ نہیں بلکہ عیاں ہے۔ جیسے کہ کباب کی ٹکیہ، کباب بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ گوشت کے ٹکڑے کو آٹے وغیرہ کے ساتھ قیمہ ملا کر اس کی لمبی لمبی ٹکیاں بنا کر اس کو سیخ پر

چڑھاتے ہیں۔ پھر اس سیخ کو کوئلوں کی آگ پر رکھتے ہیں۔کوئلوں کی آگ کی حرارت سے وہ گوشت کا ٹکڑا یا قیمہ آہستہ آہستہ بھنتا جلتا ہے۔اس گوشت کے ٹکڑے میں جو پانی یا دیگر رقیق اجزا ہوتے ہیں۔ وہ آگ کی وجہ سے جلتے ہیں۔اور اس کے نتیجے میں کباب سے دھواں اٹھتا ہے جب کباب بنایا جاتا ہے تب دھواں پانی و دیگر رقیق اشیاء و اجزاء اس وقت تک نکلتا ہے جب تک اس گوشت یا قیمے میں وہ اجزاء باقی ہوتے ہیں۔ جب کباب بنانے کی ابتداء ہوتی ہے تب وہ گوشت کا ٹکڑا یا قیمہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے لیکن بالکل پک جانے کے بعد جب وہ کباب کی صورت اختیار کرتا ہے تب اس کا رنگ سیاہ ہوجاتا ہے۔کباب کو دیکھ کر ہر شخص اس بات پر اعتماد کرتا ہے کہ یہ جلا ہوا گوشت کا ٹکڑا یا قیمہ ہے۔گوشت کو کباب کی صورت اختیار کرنے کے لئے جلنا لازمی ہے۔ بلکہ جلنے کی وجہ سے ہی اس کو کباب کہا جاتا ہے۔تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کے ابتدائی الفاظ ''جلی جلی'' کے معنی اب ہماری فہم و عقل میں آرہے ہیں۔ اسی لئے اگر کوئی باورچی کوئی چیز پکاتے وقت غفلت برتے اور وہ چیز جل کر سیاہ ہوجائے تو عوامی اصطلاح میں یہی کہا جاتا ہے کہ جلا کر کباب بنا دیا۔ یہاں تک تو کباب کے جلنے کی گفتگو ہوئی۔اب ہم دل جلنے کی بات کرتے ہیں۔

انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس کا نام دل ہے یہ جناب دل صاحب بہت ہی جذباتی ہوتے ہیں۔دل پر اثرات بہت جلد نمایاں ہوتے ہیں۔کسی سے عشق ہوگیا،تو دل ہر وقت اس کی یاد و فرقت میں تڑپتا ہے۔اور تڑپ تڑپ کر اپنے محبوب کے تصور میں آہ و بکا کرتا ہے۔ یہ تڑپ آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے اور دل کو جلاتی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ عاشق کا دل بھی سوزش عشق میں جل کر کباب ہوجاتا ہے۔اس کے عشق کے سوز و گداز کی داستان دور تک پھیلتی ہے اور عالم یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کے جلنے کا حال سب کو معلوم ہوتا ہے۔ایسے شخص کو لوگ ''دل جلا'' کہتے ہیں، یا ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے کہ عشق میں

اس کا دل جل کر کباب ہوگیا ہے۔دل جلا، اور دل جل کر کباب ہونا، یہ اردو زبان میں محاورہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔(فیروز اللغات،ص ۶۳۵)

المختصر! کباب بھی جلتا ہے، اور دل بھی جلتا ہے، دونوں کے جلنے سے دھواں اٹھتا ہے اور دھواں آنکھوں میں ''سوزش''، یعنی جلن پیدا کرتا ہے۔اور جب آنکھ میں جلن پیدا ہوتی ہے تو آنکھ سے آنسو بہتے ہیں۔ جہاں کباب بنایا اور فروخت کیا جاتا ہے اس جگہ کباب خریدنے والا تھوڑی دیر کھڑا رہے گا۔تو دھویں کے اثر سے اس کی آنکھوں میں جلن محسوس ہوگی۔اور اس کی آنکھیں اشکبار ہوجائیں گی۔مثلاً: پیاز کاٹتے وقت، یا سرخ مرچ پیستے وقت آنکھوں میں جلن بھی ہوتی ہے اور آنسو بھی ٹپکنے لگتے ہیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ جب آنکھوں میں جلن ہوتی ہے تب ہی آنسو نکلتے ہیں اور جب جلن نہیں ہوتی تو آنسو نہیں ٹپکتے۔مثال کے طور پر آنکھ میں تیز سرمہ لگایا اور سرمہ جلن پیدا کرنے کی خاصیت رکھتا ہے تو سرمہ لگاتے ہی آنکھ میں ایک عجیب قسم کی جلن پیدا ہوگی اور فوراً آنکھیں رواں ہوجاتی ہیں۔لیکن اگر سرمہ ٹھنڈا ہے اور اس کے لگانے سے آنکھ میں کسی قسم کی جلن نہیں ہوتی تو آنکھ سے آنسو بھی نہیں نکلتے۔لیکن جب آنکھ سے آنسو نکلنا بند ہوجاتا ہے اور آنسوؤں کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے تو تھوڑی دیر کے بعد آنکھوں میں قدرتی طور پر ایک ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔اور وہ ٹھنڈک اتنی دل کش ہوتی ہے کہ تھوڑی دیر پہلے محسوس کی ہوئی جلن اور اس کی اذیت فراموش ہوجاتی ہے اور اب ٹھنڈک سے ایک عجیب کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی پہ آئیے۔آپ فرماتے ہیں کہ:

کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

یعنی کباب کے جلنے اور دل کے جلنے، دونوں کیفیتوں میں دھواں اٹھتا ہے اور آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں۔لیکن جو دل کے جلنے سے آنسو نکلتے ہیں اس میں وہ مزہ ہوتا ہے کہ ایسا مزہ

ہرن کے کباب میں بھی نہیں۔ یہاں پر کباب آہو کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ہرن کے گوشت کے کباب لذت میں بہت مشہور ہیں۔ ہر حلال گوشت کا ذائقہ اور خاصیت الگ الگ ہے لیکن ہرن کے کباب میں جو لذت وذائقہ ہے وہ دیگر جانوروں کے گوشت سے بنائے ہوئے کباب میں نہیں۔ الغرض ہرن کے گوشت کا کباب سب سے عمدہ ہوتا ہے لیکن اس عمدہ کباب میں بھی وہ مزہ نہیں جو ایک عاشق کے جلے ہوئے دل میں ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر میں جو لفظ ''مزہ'' ہے وہ معنویت کے اعتبار سے شعر کی جان ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا آنسو نکلنے کے بعد آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ آنکھ سے آنسو اگر زیادہ نکلتے ہیں تو ٹھنڈک بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے اور آنسوؤں کی قلت کے سبب ٹھنڈک بھی کم ہوتی ہے۔ اب شعر کے اصل مقصد کی طرف آئیں۔ گوشت اور قیمہ کو سیخ پر چڑھا کر آگ میں جلا کر کباب بنانے کا پیشہ کرنے والے کو ''کبابی'' کہا جاتا ہے۔ کبابی کا روز ایک ہی کام ہوتا ہے گوشت کو سیخ پر چڑھا کر آگ پر رکھ کر جلانا اور روز گوشت جلے گا اور روز گوشت سے دھواں نکلے گا۔ روز کبابی کی آنکھ میں دھواں جائے گا۔ شروع شروع میں تو وہ دھواں کبابی کے لئے تکلیف دہ تھا۔ لیکن روزانہ دھواں برداشت کرتے کرتے اس کی آنکھیں دھویں سے مانوس ہو جائیں گی۔ جیسا کہ کوئی شخص پہلی مرتبہ پیاز کاٹے گا تو اس کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنا شروع ہو جائیں گی۔ لیکن جو شخص باورچی کا پیشہ کرتا ہے۔ اور روزانہ پیاز کاٹتا ہے اسے کچھ بھی احساس نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس عشق کا معاملہ نرالہ ہے۔ کباب آہو سے اٹھنے والے دھویں سے کبابی کے مانوس ہو جانے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں دھواں جلن پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کی آنکھ سے آنسو نہیں بہتے لیکن جو اپنے دل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق کی آگ میں جلا کر کباب بناتا ہے اور اس کی وجہ سے جو دھواں اٹھتا ہے وہ دھواں فراق عشق کا دھواں ہوتا

ہے اس دھویں سے آنکھوں کی جلن ہجر یار میں مزید بڑھتی ہے اور یاد محبوب میں آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری رہتی ہے۔ یہی فرق ہے کباب آہو اور کباب دل میں۔ عشق نبی اور فراق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چشمان گوہر بار کو جو لطف ولذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ کباب آہو کے دھویں میں نم ہونے والی آنکھ کو کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر تادم تحریر لاکھوں کروڑوں بلکہ بے شمار عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے دل کو جلانے والے آئے اور تا قیام قیامت آتے رہیں گے۔ ان حضرات کے عشق کی داستانیں کتب سیر وتاریخ میں طلائی حروف سے مرقوم ہیں۔ عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں دل کو جلا کر کباب بنانے والے ہر دور میں ہوئے اور ہوں گے۔

- حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور غایت درجہ کا عشق تھا۔ حضور کی جدائی بالکل برداشت نہ کرسکتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی کیفیت کی وجہ سے صبر نہ ہوسکا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی حال میں حاضر ہوئے ان کا رنگ وروپ اڑا ہوا تھا۔ حالت شکستہ اور پراگندہ تھی۔ چہرے پر رنج وغم کے آثار نمایاں تھے۔ اس پر ان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ تمہارا رنگ ہی فق ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ! نہ تو مجھے بیماری ہے اور نہ ہی کوئی درد، بجز اس کے کہ میں جب جمال جہاں آرا کو نہیں دیکھتا تو متوحش اور پریشان ہو جاتا ہوں۔ اور مجھ پر شدید وحشت طاری ہو جاتی ہے۔ جب تک میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جمال جہاں آرا سے فیض یاب نہیں ہو جاتا سکون نہیں پاتا۔ اس سے پہلے میں آخرت کے بارے میں سوچ رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ میں وہاں آپ کی کہاں زیارت کرسکوں گا؟ اس لئے کہ آپ تو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ مقام اعلیٰ میں ہوں گے۔ اور اگر میں جنت میں داخل بھی کیا گیا تو میرا مقام آپ کے درجہ رفیعہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نیچا ہوگا اور اگر جنت میں داخل نہ کیا گیا تو حضور کو کبھی بھی نہ دیکھ سکوں گا۔ اس پر قرآن مجید کی آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''مَنْ یُّطِعِ

اللّٰہ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا۔“ (پارہ۵، سورۂ نساء، آیت ۶۹)

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے اس کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (کنزالایمان)

(مدارج النبوۃ، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۵۲۱)

● مروی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک عورت آئی، اور التجا کی کہ میرے لئے قبر انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دروازہ کھول دیجئے۔ حضرت عائشہ نے قبر شریف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ عورت قبر انور کو دیکھ کر اتنا روئی کہ جان دے دی۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۵۲۵)

● حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت ہجرت کر کے بارگاہ رسالت میں آئی، اور اس نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں نہ تو اپنے شوہر کی عداوت اور اس کی نفرت سے ہجرت کر کے نکلی ہوں اور نہ ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف آئی ہوں۔ بجز اس کے کہ میں خدا اور رسول سے محبت کرتی ہوں۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۵۲۱)

● حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔ اور نہ میری آنکھ میں آپ سے زیادہ کوئی بزرگ وعظیم تر تھا۔ اور میرا حال یہ تھا کہ میری طاقت اتنی نہ تھی کہ آپ کو آنکھ بھر کر دیکھ سکوں۔ اور نہ آپ کے دیدار سے آنکھیں سیر ہوتی تھیں۔ (یہی تمنا رہتی تھی کہ چہرۂ اقدس کو دیکھا ہی کروں) اگر کوئی مجھ سے کہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصف بیان کروں تو مجھ میں اتنی طاقت وقدرت نہیں۔ اس لئے کہ میں آپ کے سامنے اپنی آنکھیں پورا نہیں اٹھا سکتا تھا۔ (مدارج النبوہ، اردو، جلد ا، ص ۵۳۹)

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موذن حضرت زید بن عبداللہ اپنے باغ میں

کام کر رہے تھے ان کے لڑکے نے آکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر دی تو وہ زار و قطار رونے لگے اور روتے روتے دعا کرنے لگے کہ اے خدا! میری آنکھوں کی روشنی لے لے تا کہ میں اپنے محبوب کے بعد کسی کو نہ دیکھوں۔ چنانچہ ان کی بصارت جاتی رہی۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ا، ص ۵۲۵)

● اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ملک شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت بلال نے اذان کہی تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے تمام ساتھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں رونے لگے اور اتنا روئے کہ اس دن سے زیادہ کسی کو اتنا شدید روتا ہوا نہ دیکھا گیا۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۱۰۰۵)

● حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرض وصال کے دنوں میں انصار اکٹھے ہو کر رو رہے تھے حضرت ابو بکر اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ان پر گزر ہوا۔ انہوں نے انصار سے رونے کی وجہ دریافت کی تو کہا کہ ”ذَکَرۡنَا مَجۡلِسَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مِنَّا“ یعنی ہمیں حضور کے ساتھ گزارے ہوئے دن یاد آرہے ہیں۔ یعنی ان پر کیف لمحات کو یاد کر رہے ہیں جب اللہ کے حبیب ہمارے درمیان جلوہ افروز ہوتے تھے۔ لیکن اب وصال کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”مَا مِنۡ لَیۡلَۃٍ اِلَّا وَاَنَا اَرٰی فِیۡھَا حَبِیۡبِیۡ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَبۡکِیۡ“ یعنی کوئی رات ایسی نہیں ہے کہ جس میں مجھے پیارے آقا کی زیارت نہ ہوئی ہو۔ یہ کہنے کے بعد آپ زار و قطار رونے لگتے۔ (سیدنا محمد رسول اللہ، عربی، ص ۴۱۲)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس کو ایک آن کے لئے ہی قبض کرنے کی خدمت انجام دینے والے ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ الصلاۃ والسلام بھی حضور کے ظاہری دیدار سے محروم ہونے کے غم میں روئے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ:

- ابونعیم نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس قبض کی گئی تو ملک الموت آسمان پر چڑھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی، جس نے اپنے محبوب رسول کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں نے آسمان سے ایسی آواز سنی کہ پکارنے والا پکارتا تھا۔ ''وَا مُحَمَّدَاہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔''

(خصائص کبریٰ، از امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۵۸۲)

ایسے تو کئی واقعات کتب احادیث و سیر و تاریخ میں مذکور ہیں جن کے مطالعہ سے حضرت رضا بریلوی کے شعر ''کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے'' کی وضاحت اور تشریح ہوتی ہے۔

❖......❖......❖

(53)

تیری **قضا** خلیفۂ احکام ذی الجلال
تیری رضا حلیف **قضا** و قدر کی ہے

حل لغت:

قضا: حکم، حکم خدا، مشیئت ایزدی، فرمان الٰہی، تقدیر، قسمت، موت، وفات، اجل، وہ عبادت جو وقت مقررہ کے بعد ادا کی جائے، حکم کرنا، تمام کرنا، بیان کرنا، ادا کرنا، حکم خدا جو مخلوقات کے حق میں دفعۃً واقع ہو جائے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۳)

خلیفہ: نائب، جانشین، نبی کا جانشین، قائم مقام، نبی کا قائم مقام، بعد میں آنے والا، مانیٹر، استاذ کا بیٹا، ولی عہد، کسی جگہ پر اور اس کی وفات کے بعد مقرر کرنے والے، نائی، درزی، باورچی۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۷ ☆ کریم اللغات، ص ۶۶)

رضا: خوشنودی، خوشی، مرضی، اجازت، مہلت، راضی ہونا، خوش ہونا۔

(فیروز اللغات، ص ۷۱۲)

حلیف: مددگار، رفیق، ساتھی، وہ دو فریق جنہوں نے ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۵۷۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴۱)

قضا و قدر: تقدیر الٰہی، خدا کی رضا، وہ حکم جو کائنات کی نسبت روز اول لگا دیئے گئے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۱)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''قضا'' ہے اس کا مطلب ''حکم'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جولفظ ''قضا'' ہے اس کا مطلب ''تقدیر'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خداداد تصرفات و اختیارات کا ذکر فرماتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے مختار کل حبیب! آپ اللہ تبارک وتعالیٰ جو صاحب جلال ہے اس کے خلیفۂ احکام ہیں۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ اختیارات عطا فرمائے ہیں کہ اللہ ذوالجلال کے احکام میں آپ کی خوشی اور مرضی اللہ کی مرضی کے قائم مقام ہے۔ یعنی آپ اللہ کے احکام میں اپنی طرف سے جو بھی حکم نافذ فرمادیں وہ حکم اللہ تعالیٰ برقرار رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس میں رضا اور خوشنودی ہوتی ہے۔ اس شعر میں لفظ ''قضا'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلی مرتبہ جولفظ ''قضا'' ہے اس کا مطلب مشیئت الٰہی، حکم خدا اور فرمان الٰہی وغیرہ ہے اور دوسری مرتبہ جولفظ ''قضا'' ہے وہ خدا کی رضا، تقدیر الٰہی کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''قضا'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''تیری قضا'' کا جو جملہ استعمال فرمایا ہے وہ وسیع المعنی اور جامع المطالب ہے۔ قرآن واحادیث کی روشنی میں اس کی مفصل تشریح کی جاسکتی ہے اور اس تشریح سے مومن کے ایمان کو تقویت حاصل ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ کسی کا محتاج اور مرہون منت نہیں۔ وہ بے نیاز وغنی ہے اور خالق ورب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس نبیوں کے ذریعہ اپنے بندوں کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنے نبیوں پر احکام نازل فرماتا ہے۔ ان احکامات کو انبیائے کرام ''من وعن'' اپنی امت تک

پہنچاتے ہیں۔ اور اپنے امتیوں کو ان احکامات پر عمل کرنے کی ترغیب وتاکید فرماتے ہیں۔ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے امتیوں کی رشد و ہدایت کا فریضہ بڑی ذمہ داری سے ادا فرماتے ہیں۔ لیکن اس کائنات میں ایک ذات گرامی ایسی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کا منصب عطا فرمایا ہے۔ تمام انبیائے کرام اور تمام کائنات اللہ کی رضا چاہتے ہیں لیکن وہ خالق کائنات اپنے محبوب کی رضا چاہتا ہے۔

- حدیث قدسی میں ہے کہ رب العزت روز قیامت اولین وآخرین کے مجمع میں اپنے محبوب سے فرمائے گا ''كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رِضَائِيْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّدُ'' یعنی یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ حدیث امام احمد اور ابن عسا کر نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

- بخاری، مسلم اور سنن نسائی وغیرہم میں یہ حدیث صحیح جلیل ہے۔ کہ ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتی ہیں کہ ''مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ''

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی ہوں۔ مگر حضور کی خواہش میں جلدی اور شتابی کرتا ہے۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش پوری فرمانے میں جلدی کرتا ہے، خالق کل نے اپنے محبوب کو مالک کل بنا کر اپنے محبوب کو احکام دین میں بھی اپنی خواہش ومنشا کے مطابق تبدیلی فرمانے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ اور اللہ کے محبوب اپنی مرضی وخواہش سے احکام میں جو بھی تبدیلی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے قبول اور پسند فرماتا ہے۔

- امام احمد علامہ قسطلانی اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' شریف میں فرماتے ہیں کہ ''مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّهٗ كَانَ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَاشَاءَ مِنَ

الْاَحْکَامِ ''یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے احکام عامہ سے جسے چاہتے جس حکم سے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔

(الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، ص ۱۴۸)

● صاحب تفسیر جلالین، امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی، خصائص کبریٰ شریف میں زیر باب اختصاصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ'' بِاَنْ یَخُصَّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْکَامِ '' یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔ (ایضاً)

● علامہ زرقانی شرح مواہب میں ''مِنَ الْاَحْکَامِ'' کے بعد ''وَغَیْرِھَا'' کا اضافہ فرماتے ہیں یعنی کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔ (ایضاً)

مذکورہ اقوال ائمہ دین کی تائید اور توثیق میں چند واقعات کتب احادیث میں ہیں:

● بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ماموں ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تھی۔ جب معلوم ہوا کہ یہ کافی نہیں تو بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہ تو میں کر چکا۔ اب میرے پاس چھ مہینہ کا بکری کا بچہ ہے مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ ''اِجْعَلْہُ مَکَانَہٗ وَ لَنْ تَجْزِ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَکَ'' یعنی اس کی جگہ یہ کردو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمہارے بعد دوسرے کو قربانی میں کافی نہ ہوگی۔

● ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ ''خُصُوْصِیَّۃٌ لَہٗ لَا تَکُوْنُ لِغَیْرِہٖ اِذَا کَانَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَنْ یَّخُصَّ مِنْ شَاءَ مِنَ الْاَحْکَامِ '' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصوصیت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

بخشی جس میں دوسرے کا حصہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں، جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

● ابن السکن میں ابوالنعمان ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ مہر ادا کردو۔ اس شخص نے عرض کی کہ میرے پاس کچھ نہیں حضور نے اس سے فرمایا کہ ''اَمَا تُحْسِنُ سُوْرَۃً مِنَ الْقُرْآنِ فَاَصْدِقْھَا السُّوْرَۃَ وَلَا یَکُوْنُ لِاَحَدٍ بَعْدَکَ مَھْرًا۔'' یعنی کیا تجھ کو قرآن عظیم کی کوئی سورۃ نہیں آتی، وہ سورت سکھانا ہی تیرے لئے اس کا مہر ادا کرنا ہے۔ اور تیرے بعد یہ مہر کسی کے لئے کافی نہیں۔

یہ حدیث حضرت سعید بن منصور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے۔

● حضرت حارث بن اسامہ بن حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ گھوڑا بیچ کر بعد میں وہ اعرابی مکر گیا کہ میں نے سودا ہی نہیں کیا۔ گھوڑا بیچنے کا معاملہ اس اعرابی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اکیلے میں کیا تھا۔ اس وقت دوسرا کوئی موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہ اعرابی کہتا تھا کہ اگر میں نے آپ کو گھوڑا فروخت کیا ہے تو گواہ پیش کرو۔ جب یہ معاملہ مشہور ہوا تو تمام مسلمان اس اعرابی کو جھڑکتے کہ خرابی ہو تیرے لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچ کے سوا کچھ نہیں فرماتے لیکن گواہی کوئی نہیں دیتا تھا۔ کیوں کہ کسی کے سامنے یہ واقعہ نہ ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے گفتگو سن کر بولے کہ ''اَنَا اَشْھَدُ اَنَّکَ بَایَعْتَہٗ '' یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم موجود تو تھے ہی نہیں۔ پھر تم نے گواہی کیسے دی؟ عرض کی کہ یا

رسول اللہ! میں حضور کی تصدیق سے گواہی دے رہا ہوں۔ حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لایا اور یقین سے جانا کہ حضور حق ہی فرمائیں گے۔ میں آسمان و زمین کی خبروں پر حضور کی تصدیق کرتا ہوں۔ کیا اس اعرابی کے مقابلے میں تصدیق نہ کروں۔ اس جذبۂ محبت کے انعام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے حضرت خزیمہ کی گواہی دو مردوں کی شہادت کے برابر فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ ''مَنْ شَهِدَ لَهُ خُزَيْمَةُ اَوْ شَهِدَ عَلَيْهِ فَحَسْبُهُ''، یعنی خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ نقصان کی گواہی دیں ایک انہیں کی شہادت بس ہے۔

قارئین توجہ فرمائیں کہ کسی معاملہ میں ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ''وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْكُمْ'' (پارہ۲۸، سورۃ الطلاق، آیت نمبر۲)

ترجمہ: اور اپنے دو ثقہ کو گواہ کرلو لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اختیارات سے قرآن کے اس حکم سے مستثنیٰ فرمادیا۔

● صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، مسلم شریف میں ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مسند بزار و معجم اوسط طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دار قطنی میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کیا ہے؟ عرض کی میں رمضان میں (حالت روزہ میں) اپنی عورت سے نزدیک ہوا۔ فرمایا غلام آزاد کرسکتا ہے۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا لگاتار دو مہینے روزہ رکھ سکتا ہے؟ عرض کی نہیں۔ اتنے میں کچھ خرمے خدمت اقدس میں کسی نے بطور ہدیہ بھیجے۔ حضور نے وہ خرمہ اس شخص کو عطا کرکے فرمایا کہ انہیں خیرات کردے۔ یہ تیرا کفارہ ہے، اس شخص نے عرض کی مجھ سے زیادہ محتاج مدینہ بھر میں کوئی نہیں۔ اس کی یہ بات سن کر ''فَضَحِكَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ وَقَالَ اِذْهَبْ فَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ''

ترجمہ: رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے، یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے اور فرمایا۔ جا، اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

قارئین کرام بنظر انصاف دیکھیں اور غور فرمائیں کہ گناہ کا ایسا کفارہ کبھی سنا ہے؟ خدا کی قسم! یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت و اختیار ہے کہ سزا کو انعام سے بدل دیا۔ حالاں کہ رمضان شریف میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مجامعت کرنے کا کفارہ پے در پے ساٹھ روزے رکھنا، یا غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ اختیارات عطا فرمائے ہیں کہ احکام الٰہی سے جس کو چاہیں معافی عطا فرمادیں۔

● حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت کردہ مذکورہ حدیث میں تو یہاں تک الفاظ گرامی ہیں کہ ''كُلْ اَنْتَ وَ عِيَالُكَ فَقَدْ كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْكَ'' تو اور تیرے عیال یہ خرمے کھالیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے کفارہ ادا فرمادیا ہے۔

● ہدایہ میں ہے فرمایا ''كُلْهُ اَنْتَ وَعِيَالُكَ نَجْزِئُكَ وَ لَا تَجْزِیْ اَحَدًا بَعْدَكَ'' یعنی تو اور تیرے بال بچے کھالیں، تجھے کفارے سے کفایت کرے گا اور تیرے بعد اور کسی کو کافی نہ ہوگا۔

● سنن ابی داؤد میں امام ابن شہاب الدین زہری تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ ''اِنَّمَا كَانَ هٰذِهٖ رُخْصَةٌ لَهٗ خَاصَّةً وَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا فَعَلَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ لَمْ يَكُنْ لَهٗ بُدٌّ مِنَ الْكَفَّارَةِ''، یعنی یہ خاص اسی شخص کے لئے رخصت تھی۔ آج اگر کوئی ایسا کرے تو کفارہ ادا کئے بغیر چارہ نہیں۔

● صحاح ستہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی

اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَ الزُّبَیْرَ فِیْ لِبْسِ الْحَرِیْرِ لِحِکَّۃٍ کَانَتْ بِھِمَا۔''

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بدن میں خشک خارش تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔

● ترمذی، ابی یعلی اور بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ ''یَا عَلِیُّ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّجْنُبَ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِیْ وَغَیْرُکَ'' اے علی میرے اور تمہارے سوا کسی کو جائز نہیں کہ اس مسجد میں بحالت جنابت داخل ہو۔

● صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''نَھَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ الذَّھَبِ'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ لیکن حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح ابوالسفر سے روایت کی کہ میں نے براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنتے دیکھا۔

بغوی نے شعبہ سے روایت کی اور انہوں نے ابو اسحاق سے اور امام احمد نے مسند میں ابوعبدالرحمٰن سے، انہوں نے ابورجاء سے، اور محمد بن مالک سے روایت کیا کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنتے دیکھا۔ لوگ ان سے کہتے تھے کہ آپ سونے کی انگوٹھی کیوں پہنتے ہیں؟ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے حضور کے سامنے اموال غنیمت غلام و متاع حاضر

تھے۔ حضور تقسیم فرما رہے تھے سب بانٹ چکے تو آخر میں یہ انگوٹھی باقی رہی'' فَرَفَعَ طَرْفَہٗ فَنَظَرَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ ثُمَّ خَفَّضَ ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَہٗ اِلَیْھِمْ ثُمَّ قَالَ اَیْ بَرَاءَ فَجِئْتُہٗ حَتّٰی قَعَدْتُ بَیْنَ یَدَیْہِ۔''

ترجمہ: حضور نے نظر مبارک اٹھا کر اپنے اصحاب کو دیکھا۔ پھر نگاہ نیچی کر لی۔ پھر نظر اٹھا کر دیکھا اور مجھے بلایا کہ اے براء میں حاضر ہو کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''فَاَخَذَ الْخَاتَمَ فَقَبَضَ عَلٰی کَرْ سُوْعِیْ ثُمَّ قَالَ خُذْ اِلْبِسْ مَا کَسَاکَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ'' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگوٹھی لے کر میری کلائی تھامی پھر فرمایا پہن لے جو کچھ تجھے اللہ و رسول پہناتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ تم لوگ کیوں کر مجھے کہتے ہو کہ میں وہ چیز اتار دوں جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہن لے جو کچھ اللہ و رسول نے پہنایا؟ (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

● کتاب الفتوح میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے رعایا کے ہدایا طیب کر دیئے اگر کوئی چیز ہدیہ تمہیں پیش کی جائے تو قبول کر لو۔

● عبید بن صخر کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ واپس آئے تو تیس غلام لائے کہ انہیں ہدیہ دیئے گئے تھے حالاں کہ عاملوں کو رعایا سے ہدیہ لینا حرام ہے۔

● مسند ابویعلی میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''ھَدَایَا الْعُمَّالِ غُلُوْلٌ''

ترجمہ: عاملوں کے ہدیے خیانت ہیں۔

● امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ حضرت سعید خدری اور ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بخاری، مسلم اور ابوداؤد

میں روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

شیخین نے کریب سے انہوں نے ابن عباس اور عبدالرحمٰن بن انہر اور مسور بن مخرمہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتی تھیں ۔ امام جلیل خاتم الحفاظ علامہ سیوطی الموذج اللبیب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ یہ ام المومنین کی خصوصیت تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے جائز کر دیا تھا۔

- مسند امام احمد میں بسند ثقات رجال صحیح مسلم میں محمد بن جعفر نے حضرت قتادہ سے اور انہوں نے نصر بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ ''اِنَّهُ لَا یُصَلِّی اِلَّا صَلَاتَیْنِ فَقَبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ''

ترجمہ: کہ وہ صرف دو ہی نماز پڑھا کرے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

ناظرین مذکورہ واقعات احادیث کو بنظر غور دیکھیں کہ جو احکام قرآن وحدیث سے عام تھے اور جن پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے لازمی اور ضروری تھا، ان احکام صریح سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جسے چاہا مستثنیٰ فرمادیا۔ اور جس کو جس طرح چاہیں مستثنیٰ فرمادینا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات میں ہے اور اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''تیری رضا حلیف قضا وقدر کی ہے'' میں بیان فرمایا ہے۔ اس مصرع میں لفظ حلیف قابل توجہ ہے۔ حلیف کے لغوی معنی یہ ہوتے ہیں کہ ''وہ فریق جنھوں نے ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا ہو'' لہٰذا شعر کے معنی یہ ہوئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس سے اور جن سے راضی ہو جائیں اور ان کو جو کچھ عطا فرمادیں یا کسی احکام کی پابندی سے

معافی عطا فرمادیں، وہ اللہ تعالیٰ بھی قبول ومنظور فرماتا ہے۔ جس کام میں محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے رد نہیں فرماتا۔ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

●

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)

۞......۞......۞

(54)

نظر اک چمن سے دوچار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے
عجب اس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبل زار ہے

حل لغت:

نظر: بغور دیکھنا، نگاہ، آنکھ، بصارت، غور، تامل، نگرانی، دیکھ بھال، تمیز، جانچ پرکھ، توجہ، مہربانی، معاینہ، تخمینہ، امید، توقع، بھوت پریت کا اثر، آسیب، شناخت، اندازہ، فکر۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۶۳☆ لغات کشوری، ص۷۷۹☆ کریم اللغات، ص۱۸۴)

چمن: گلزار، پھلواری، باغ کے قطعات، باغ کی روش، باغ میں وہ خاص مقام جہاں طرح طرح کے پھولوں کے درخت ہوں، باغ کی کیاری، وہ جگہ جہاں سبزہ پھول وغیرہ بوئیں، محفل۔ (فیروز اللغات، ص۵۳۶☆ لغات کشوری، ص۲۱۸)

دوچار ہونا: سامنا ہونا، آنکھیں ملنا، ملاقات ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۶۴۹)

نثار: صدقے، قربان، فریفتہ، واری، بکھیرنا، نچھاور کرنا، تصدق کرنا، وہ چیز جو کسی کے سر پر سے اتار کر نچھاور کریں۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۵۲☆ لغات کشوری، ص۷۶۹☆ کریم اللغات، ص۱۸۰)

بہار: پھول کھلنے کا موسم، بسنت رت، موسم ربیع، نارنج کا پھول، گٹے کا پھول، لطف، مزہ، جوبن، خوشی، شباب، سرسبزی، شادمانی، رونق، تفریح، فرحت، تروتازگی، سیر، تماشا، آنند، سرور، نشہ کا چڑھاؤ، ایک نفیس کپڑے کی قسم، نام ایک بت خانہ کا۔

(فیروز اللغات، ص۲۲۵☆ لغات کشوری، ص۱۰۸☆ کریم اللغات، ص۲۶)

زار: نالہ وفریاد، لاغر، ضعیف، ذلیل، خوار، رسوا، غمگین، جگہ، مکان، جگہ اگنے کی، غم،

اندوہ، کثرت، افراط، بہتات، مقام جیسے سبزہ زار، ڈھیر جیسے کارزار۔

(فیروز اللغات، ص۷۳۷☆ لغات کشوری، ص۳۴۱☆ کریم اللغات، ص۸۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''چمن'' ہے اس کا مطلب ''محفل دربار نبی'' ہے۔

پہلے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''چمن'' ہے اس کا مطلب ''گلزار، چمن'' ہے۔

پہلے مصرع میں آخر میں جو لفظ ''چمن'' ہے اس کا مطلب ''کائنات'' ہے۔

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''بہار'' ہے اس کا مطلب ''رونق، موسم ربیع'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''بہار'' ہے اس کا مطلب ''خوشی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے راحت القلوب، سرور العیون، فرح جان حزین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''نظر اک چمن سے دوچار ہے'' اس جملہ کے دو معنی لیے جاسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ''نظر ہے وہ ایک چمن سے دوچار ہے'' اور دوسرا یہ کہ تھوڑی دیر کے لئے (اک نظر کے لئے) چمن کا سامنا ہوا ہے۔ اس جملہ میں دوچار ہونا ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی دیر دیکھنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۶)

اس جملہ میں حضرت رضا بریلوی نے حروف اعداد کو حسین انداز میں ترتیب دیا ہے اک دو اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ اک کا گنا دو اور دو کا گنا چار علاوہ ازیں ۱+۲+۴ کا میزان سات ہوتا ہے اسی لفظ ''اک'' میں دو حرف لفظ دو میں دو حرف اور لفظ چار میں تین حرف ہیں۔ ان حروف کا میزان بھی سات ہوتا ہے اور اس شعر کا جو ماحصل ہے وہ ''بلبل زار ہے'' اس کے

حروف کا میزان Total بھی سات ہوتا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں ''نظر چمن یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رخ انور یا حضور کی محفل یا دربار سے دوچار ہے۔ یہ وہ چمن (محفل) ہے کہ چمن (گلزار) ہی نہیں بلکہ پورا چمن (کائنات) اس پہ نثار ہے۔ یہ وہ چمن ہے کہ اس کے گل کی عجیب بہار ہے۔ بلکہ یہ وہ بہار ہے کہ وہ بہار (موسم ربیع یا رونق) کی وجہ سے بلبل زار یعنی غمگین عاشق پہ بہار (خوشی) آجاتی ہے۔ یہاں پر شاید کسی ناظر کے دل میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ چمن کا مطلب کائنات کس طرح ہوا؟ جواب میں عرض ہے کہ اس شعر کے حل لغت کے کالم میں ملاحظہ فرمائیں کہ چمن کا ایک معنی باغ ہے۔

اب لفظ باغ کا لغوی معنی دیکھیں۔ باغ، گلزار، پھلواری، چمن، آل اولاد، دنیا

(فیروز اللغات، ص۱۶۹)

اب ہم لفظ دنیا کے لغوی معنی دیکھیں = کرۂ ارض، عالم، کائنات، جہان، موجودہ زندگی، لوگ وغیرہ (فیروز اللغات، ص۶۴۷) لہٰذا اس ترتیب سے لفظ چمن کا معنی کائنات یا عالم ہوتا ہے۔ اب ایک سوال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ ''چمن'' کے معنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل کس طرح ہوا؟ تو حل لغت کے کالم میں ملاحظہ فرمائیں کہ چمن کے جو لغوی معنی درج ہیں اس میں سب سے آخر میں ''محفل'' کا معنی وارد ہے۔ بلکہ خود حضرت رضا بریلوی کا ایک شعر بھی اس کی نشان دہی کرتا ہے وہ شعر یہ ہے:

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہراء ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

اور ایک نعت میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ:

مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق و عثماں، حیدر ہر اک اس کی شاخ

حضرت رضا بریلوی نے مذکورہ دونوں اشعار میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ''چمنستان کرم'' اور ''گلبن رحمت'' القاب کا استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا اس شعر میں ابتداء میں جو لفظ چمن ہے اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی لی جاسکتی ہے اور معنی یہ ہوں گے۔ ''رحمت اور کرم کے چمن سے نظر دوچار ہے اور بے شک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری کائنات کے لئے چمن رحمت وکرم ہیں کہ جو بھی اس چمن میں داخل ہوگیا وہ امان پانے کے ساتھ ساتھ فرحت وشادمانی بھی حاصل کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ وہ چمن کرم ہے کہ اس چمن کرم کا ہر پھول ''بلبل زار'' کے لئے بہار خوشی ہے۔

اس شعر میں لفظ ''چمن'' کا تین مرتبہ اور لفظ ''بہار'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''چمن'' ہے اس سے مراد حضور کی ذات گرامی یا حضور کا دربار ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''چمن'' ہے اس سے مراد گلزار ہے اور تیسری مرتبہ جو لفظ چمن ہے اس کا معنی کائنات یا عالم ہے۔ اسی طرح پہلی مرتبہ جو لفظ بہار ہے اس سے مراد موسم ربیع یا رونق ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ بہار ہے اس کا معنی خوشی اور شادمانی ہے۔ تینوں لفظ ''چمن'' اور دونوں لفظ بہار حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے اور اس ایک شعر میں ایک ساتھ دو تجنیسات ہیں۔ پہلی لفظ ''چمن'' کی وجہ سے، حالاں کہ اس تجنیس میں لفظ ''چمن'' تین مرتبہ مکرر آیا ہے۔ دوسری تجنیس لفظ ''بہار'' کی وجہ سے ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت راحت القلوب اور تسکین دل حزین کا وصف بیان فرمایا ہے۔ آپ کی ذات گرامی بے چین دلوں کا قرار تھی۔ دیگر اشعار میں بہت سے واقعات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مرقوم و مذکور ہیں وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قلب وروح کا قرار وسکون گردانتے تھے۔ ان واقعات کا یہاں اعادہ نہیں کیا جاتا۔ ذیل میں صرف ایک واقعہ پیش کیا

جاتا ہے جس سے ثابت ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف انسانوں کے لئے ہی راحت القلوب یعنی دل کا چین نہیں بلکہ پورے عالم کے لئے ہیں۔حتیٰ کہ جانور بھی اپنے رنج و غم کے وقت حضور ہی سے استغاثہ اور فریاد کرتے تھے۔

حضرت قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی نے اپنی کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ اور حضرت ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی نے اپنی کتاب ''دلائل النبوت'' میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحرا میں گشت فرما رہے تھے۔اچانک آپ نے تین مرتبہ ''یارسول اللہ'' کی آواز سماعت فرمائی۔حضور اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی پڑی ہے۔اور ایک بدوی چادر اوڑھے لیٹا ہوا ہے۔آپ نے ہرنی سے دریافت فرمایا کہ بتا کیا حاجت ہے؟ ہرنی نے کہا کہ مجھے اس بدوی نے قید کر رکھا ہے۔میرے دو بچے اس پہاڑ کی کھوہ میں ہیں اگر آپ مجھے آزاد کریں تو میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو ایسا کر کے لوٹ آئے گی؟ ہرنی نے کہا کہ اگر میں لوٹ نہ آؤں تو خدا مجھے وہ عذاب دے جو محصول لینے والوں پر عذاب کرتا ہے۔اس پر حضور نے اس ہرنی کو رہا فرمادیا اور وہ چلی گئی۔تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئی اور حضور نے اسے باندھ دیا۔جب بدوی بیدار ہوا اور اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جلوہ افروز دیکھا تو کہنے لگا کہ یارسول اللہ! کوئی خواہش ہے؟ آپ نے فرمایا خواہش یہ ہے کہ تو اس ہرنی کو رہا کردے۔آپ کے فرمانے پر بدوی نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔وہ ہرنی خوش خوش جنگل میں دوڑتی اور چوکڑیاں بھرتی چلی گئی اور وہ ہرنی یہ کہتی جاتی تھی۔''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ''

(مدارج النبوہ، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، قدس سرہٗ، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۶)

ابن سعد نے حسن سے روایت کی۔انہوں نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔اچانک ایک اونٹ بھاگتا ہوا آیا اور اس

نے اپنا سر حضور کی آغوش میں رکھ دیا اور بلبلانے لگا۔حضور نے فرمایا کہ یہ اونٹ میرے پاس فریاد لے کر آیا ہے کہ اس کا مالک اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔بعدہ حضور نے اونٹ کے مالک کو بلایا اور سفارش فرمائی تو وہ اونٹ کو ذبح کرنے سے باز رہا۔

(خصائص کبریٰ، از امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۴۱)

اسی طرح حضور نے کئی جانوروں، پرندوں کی فریاد سنی اور حاجت روائی فرمائی ہے۔

ان تمام واقعات کا ذکر حضرت رضا بریلوی اس طرح فرماتے ہیں کہ:

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد

اسی در پر شتران ناشاد، گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں

(55)

کس سے کہیے کیا کیا کیا ہوگیا
خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے

حل لغت:

کیا: کرنا، عمل میں لانا۔ (فیروزاللغات، ص۱۰۰۴)

کیا: کیا ہوا فعل، عمل، برے اعمال۔ (فیروزاللغات، ص۱۰۷۱)

کیا کیا: کون کون سا، سب کچھ، کس قدر، کیسے کیسے۔ (فیروزاللغات، ص۱۰۷۰)

کیا ہوگیا: حیرت، تعجب، افسوس، کچھ ڈر نہیں، دفعۃً، کسی معاملے کے دگرگوں ہوجانے کے موقع پر بولتے ہیں۔ (فیروزاللغات، ص۱۰۷۰)

ملامت: برا بھلا کہنا، جھڑکی، ڈانٹ، ڈپٹ، سرزنش، لعن طعن، فضیحت، دھتکارنا، ڈانٹنا۔
(فیروزاللغات، ص۱۲۸۲☆لغات کشوری، ص۳۵۷☆ کریم اللغات، ص۱۶۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''عمل'' ہے۔

پہلے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''کرنا'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''افسوس'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بڑی حسرت کے ساتھ اظہار افسوس کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کام کون سا کیا اور افسوس کیا ہوگیا؟ اب

جو نتیجہ فعل درپیش ہے اس کی تمام ذمہ داری خود اپنی ہی ہے اور اپنے کیے ہوئے کام پر خود اپنے آپ کو ہی ملامت کرنی چاہیئے یعنی کسی دوسرے کو اس کا قصوروار نہیں ٹھہرانا چاہیئے۔ بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کر کے خود اپنے آپ کو ہی سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرنی چاہیئے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ایک عاشق صادق کے ہجر محبوب کی دل سوزی اور فراق محبوب کی ناقابل برداشت تڑپ کا اظہار کرتے ہیں اور وصل محبوب سے محرومی کا خود اپنے آپ کو قصوروار قرار دیتے ہیں۔ جس کا اندازہ اس شعر کے ماقبل اشعار کو دیکھنے سے ہوجائے گا۔ یہ شعر اس نعت شریف کا ہے جو ۳۳ ر اشعار پر مشتمل اور سوز وغم میں ڈوبی ہوئی ہے اور نعت کے ہر شعر سے بلکہ ہر لفظ سے عشق رسول ٹپکتا ہے۔ نعت کا مطلع یہ ہے کہ:

حرز جاں ذکر شفاعت کیجئے
نار سے بچنے کی صورت کیجئے

اس نعت میں چند اشعار کے بعد حضرت رضا فراق در محبوب کی دل سوز آہیں بھرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوختہ دل سے دھواں نکلتا ہے۔ دل فگار عاشق اپنی بے تابی اور دل کی کسک کا اظہار پرسوز اور مؤثر انداز میں کر رہا ہے۔ لیکن اپنی اس بیتابانہ حالت کے لئے کسی کو بھی قصوروار ٹھہرا کر دوش نہیں دیتے۔ بلکہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اقرباء کا انس، حب وطن اور بے ہمتی کی وجہ سے دیار اقدس کی حاضری کے لئے نہ آسکا۔ جیسے کہ خود فرماتے ہیں:

ہر برس وہ قافلوں کی دھوم دھام
آہ سنئے اور غفلت کیجئے

●

پھر پلٹ کر منہ نہ اس جانب کیا
سچ ہے اور دعوائے الفت کیجئے

●

اقرباء حب وطن بے ہمتی
آہ کس کس کی شکایت کیجئے

●

اب تو آقا منہ دکھانے کا نہیں
کس طرح رفع ندامت کیجئے

●

اپنے ہاتھوں خود لٹا بیٹھے ہیں گھر
کس پہ دعوائے بضاعت کیجئے

●

کس سے کہیے کیا کیا کیا ہوگیا
خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے

ان اشعار میں حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں معذرت و معافی کی درخواست عرض کرتے ہیں کہ سرکار! آپ کے دربار میں حاضری دینے کے لئے میرے یہاں سے قافلے بڑی دھوم دھام سے روانہ ہوتے ہیں اور میں ان کی روانگی کی کیفیت بھی سنتا رہتا ہوں۔لیکن میں نے حاضری سے ہر سال غفلت ہی برتی۔البتہ میری خوش قسمتی بلکہ اپنی قسمت کی معراج کہوں کہ اس غلام کو آپ کے دربار کی حاضری کا دو مرتبہ شرف حاصل ہوا ہے۔لیکن ان دو مرتبہ کی حاضری سے پلٹنے کے بعد پھر مدینہ کا رخ نہیں کیا۔یہ میری کوتاہی ہے۔آداب محبت کے خلاف ہے۔اور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں آپ کی محبت کا دعویٰ کروں اور آپ کی الفت کا دم بھروں لیکن آپ کی بارگاہ میں حاضری کو نہ آؤں۔میں شرمندہ ہوں۔کیا کروں؟ اقرباء یعنی رشتہ داروں، وطن کی محبت نے ایسا الجھا دیا کہ سفر مدینہ کی ہمت نہ کر سکا۔اور بے ہمتی کا شکار ہوگیا۔اب میں اپنی کوتاہی کی کس

کس سے شکایت کروں؟ قصور میرا ہی ہے اور اپنے اس قصور کی وجہ سے اے آقا! میں منہ دکھانے کے قابل نہیں۔ندامت اور شرمندگی کے بوجھ سے نڈھال ہوگیا ہوں۔آقا! میرے مولیٰ! میری کوتاہی درگزر فرمایئے اور میری ندامت دور فرمایئے۔میں نے ایسا کام کیا کہ اپنے ہی ہاتھوں خود اپنا گھر لٹا بیٹھا اور لٹنے کے بعد اپنی پونجی کے نقصان کا میں کسی اور پر الزام نہیں رکھ سکتا۔کس سے کہوں؟ میں نے کیا کر ڈالا اور افسوس کہ کیا ہوگیا۔میں خود ہی قصوروار ہوں تو لازم ہے کہ اپنے قصور پر میں خود اپنے آپ کو جھڑکوں۔اے میرے آقا و مولیٰ! میں اتنا شرمندہ ہوں کہ اب کچھ عرض کرنے کی بھی جرأت و ہمت نہیں ہوتی۔

عرض کا بھی اب تو منہ پڑتا نہیں
کیا علاج درد فرقت کیجئے

●

اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے
چارۂ زہر مصیبت کیجئے

منہ نہ پڑنا: یعنی کہنے کی جرأت نہ کرنا۔حوصلہ نہ ہونا (فیروز اللغات، ص ۱۳۰۷)

اپنے قصور کی وجہ سے اب حوصلہ نہیں کہ کچھ عرض کرنے کی ہمت کروں اور کس طرح فرقت یعنی جدائی کے درد کا علاج کروں؟ اے میرے کریم آقا! اے اپنے غلاموں کی خطائیں معاف فرمانے والے رؤوف و رحیم آقا! میری خطا کا تدارک تو اب مجھ سے نہیں ہوتا، لہٰذا اے سرکار! آپ اپنی میٹھی نظر کے شہد سے میری مصیبت کے زہر کا علاج فرمادیجئے۔اور مجھ بے ہمت اور پست حوصلہ کو ایسا بلند حوصلہ بنا دیجئے کہ:

دے خدا ہمت کہ یہ جان حزیں
آپ پر واریں وہ صورت کیجئے

یعنی خدا مجھ کو ایسی ہمت دے کہ میں اپنی جان حزیں یعنی غمگین جان کو آپ پر قربان

کردوں۔آپ پر جاں نثار کرنے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہ کروں۔آپ پر قربان ہونا آپ کی رحمت کے احسان کے سامنے کچھ بھی نہیں۔کیوں کہ ہم ہمیشہ جرم کرتے رہتے ہیں اور آپ ہم پر رحمت فرماتے رہتے ہیں۔

آپ ہم سے بڑھ کر ہم پر مہربان
ہم کریں جرم آپ رحمت کیجئے

(56)

بندہ قادر کا ہے قادر بھی ہے عبد القادر
سر باطن بھی ہے ظاہر بھی عبد القادر

حل لغت:

بندہ: غلام،نوکر، ملازم، نیازمند، خاکسار، انسان، بشر، آدمی، عابد، زاہد، تابعدار، داس، سر جھکا دینے والا،حکم ماننے والا۔

(فیروزاللغات،ص۱۰۶☆لغات کشوری،ص۲۱۸☆ کریم اللغات،ص۲۵)

قادر: قدرت رکھنے والا، طاقت رکھنے والا، قابو رکھنے والا، غالب مختار خدا کا صفاتی نام۔

(فیروزاللغات،ص۹۴۴☆لغات کشوری،ص۵۴۶☆ کریم اللغات،ص۱۲۱)

سر: بھید،راز، جو چیز کہ پوشیدہ ہو،عمدہ نسب،اصل نیک،زمین نیک۔

(فیروزاللغات،ص۷۹۳☆لغات کشوری،ص۳۷۴☆ کریم اللغات،ص۸۹)

ظاہر: آشکار،عیاں،روشن،واضح،کھلا ہوا،باطن کی نقیض۔

(فیروزاللغات،ص۸۸۴☆لغات کشوری،ص۴۷۶☆ کریم اللغات،ص۱۰۷)

باطن: پوشیدہ چیز،اندرونی حصہ،اندرون،دل،ضمیر، پیٹ،شکم،بھیتر،اندرونی،بھیتر کا دل، ظاہر کی ضد۔(فیروزاللغات،ص۱۶۹☆لغات کشوری،ص۸۱☆ کریم اللغات،ص۲۱)

عبد: بندہ،غلام،ملازم،نوکر۔

(فیروزاللغات،ص۸۹۰☆لغات کشوری،ص۴۸۱☆ کریم اللغات،ص۱۸۰)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''قادر'' ہے اس سے مراد ''خدائے تعالیٰ کی ذات'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جولفظ ''قادر'' ہے اس کا مطلب ''طاقت رکھنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح وثنا ایک نرالے انداز میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، اللہ تبارک وتعالیٰ جو قادر مطلق ہے اس قادر خدا کے بندے ہیں اوران کا نام عبدالقادر ہے، یعنی قادر کے بندے۔لیکن جس قادر کے عبدالقادر ہیں اس قادر نے اپنے عبدالقادر کوبھی قادر یعنی طاقت، اختیار، قابو، غلبہ اور قدرت رکھنے والا بنایا ہے۔ قادر مطلق کی عطا نے عبدالقادر کوبھی قادر بنادیا ہے اور وہ عبدالقادر اپنے رب قادر کے فضل وکرم سے قدرت الٰہیہ کا پوشیدہ اور عیاں راز ہیں۔اس شعر میں لفظ ''قادر'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔پہلی مرتبہ جولفظ ''قادر'' ہے اس سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ کیوں کہ ''قادر'' اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔دوسری مرتبہ جولفظ ''قادر'' ہے اس کو مخلوق کی طرف مجازاً اضافت کرتے ہوئے قادر مجازی مراد لے کر ''قدرت اور طاقت رکھنے والا'' کے معنی اور مطلب میں استعمال کیا گیا ہے۔دونوں لفظ قادر حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف۔یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا حامل ہے۔

اس شعر میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوقادر کا بندہ قادر اور عبدالقادر کہا گیا ہے۔تینوں اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں کیوں کہ آپ قادر یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے ہیں۔اورآپ اللہ کے ایسے برگزیدہ اور مقبول بندے ہیں کہ قادر مطلق نے اپنی عطا اور اپنے

فضل وکرم سے بے شمار اختیارات اور تصرفات عنایت فرما کر آپ کو بھی قادر یعنی قدرت، طاقت، قابو، اختیار، اور غلبہ رکھنے والا بنادیا اور آپ کے ان اوصاف کو دنیا کے سامنے ظاہر بھی فرمایا۔لیکن آپ کے کچھ اختیارات اور آپ کی کچھ کرامات ''سر باطن'' یعنی راز ہی رہیں۔دنیا نے تو آپ کے ظاہری وصف وکرامات کو ہی دیکھا ہے۔لیکن آپ ظاہر اور پوشیدہ دونوں امور میں تصرفات اور اختیارات کے حامل تھے اور باوجود ان تصرفات واختیارات کے آپ عبد القادر ہی تھے۔یعنی قادر کے بندے اور عبدالقادر آپ کا اسم شریف ہے اور آپ کا اسم شریف اسم بامسمّٰی کی حیثیت سے آپ قدرت والے کے قدرت والے بندے ہیں۔آپ کے ظاہری تصرفات تو خلق خدا نے عام طور پر مشاہدہ کئے ہیں چند مستند واقعات ناظرین کے پیش خدمت ہیں:

- ایک مرتبہ آپ نے شیخ خلیل صرصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا کہ اے خلیل! تم جب تک قطب نہ ہوگے تم کو موت نہیں آئے گی، اوراس کے بعد بھی آپ نے کئی دیگر لوگوں سے فرمایا کہ جب تک خلیل قطب نہ ہولیں گے ان کو موت نہیں آئے گی۔شیخ ابوعمر وعثمان یوسف سلیمان اور شیخ ابوالحسن علی ابن سلیمان نے فرمایا کہ شیخ خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب ہوگئے۔شیخ ابوالغیث عبدالرحمٰن بن جمیل یمنی فرماتے ہیں کہ شیخ خلیل صرصری بغداد میں اپنی موت سے سات دن پہلے قطب ہوگئے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص ۸۰)
- حضرت ابوعارف عبداللہ محمد بن ابی الفتح ہروی سیاح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرا نام طویل (لمبا) رکھا تھا۔میں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت میں تو پست قد ہوں۔آپ نے فرمایا کہ تیری عمر طویل ہے۔ پس شیخ محمد ایک سو سینتیس سال تک زندہ رہے اور اپنی سیاحت میں عجائبات دیکھے، دور دراز کا سفر کیا، کوہ قاف تک بھی پہنچے۔ (بہجۃ الاسرار شریف، اردو، ص ۱۶۴)

● شیخ ابوعبداللہ بن ابی المعالی قائدادنی فرماتے ہیں کہ ایک دن ہوا سخت چل رہی تھی، ایک چیل آپ کی مجلس کے اوپر سے گزری اور چلائی جس سے حاضرین کی طبیعت پریشان ہوگئی۔ آپ نے نظر اٹھائی اور فرمایا کہ اے ہوا اس کے سر کو لے۔ اسی وقت وہ چیل زمین پر گری اور اس کا سر ایک طرف گرا۔ پھر آپ نے اس کو اٹھا کر اپنا ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا۔ وہ چیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوگئی اور اڑ گئی۔ (بہجۃ الاسرار شریف، اردو، ص ۱۹۳)

● شیخ ابوالحسن علی بن احمد بن مذہب ازجی ایک مرتبہ بیمار ہوئے، حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کے گھر میں ایک کبوتری اور ایک قمری تھی۔ شیخ ابوالحسن نے آپ سے عرض کیا کہ یا سیدی! یہ کبوتری چھ ماہ سے انڈے نہیں دیتی اور یہ قمری نو ماہ سے بولتی نہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور کبوتری کے پاس جا کر فرمایا کہ اپنے مالک کو نفع پہنچایا کر، اور پھر آپ نے قمری کے پاس جا کر فرمایا اپنے خالق کی تسبیح پڑھا کر۔ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں کہ قمری اسی وقت بولنے لگی یہاں تک کہ بغداد کے لوگ اس کی آواز سن کر جمع ہونے لگے۔ تا کہ اس کی بولی سنیں اور کبوتری انڈے دینے لگی اور اپنے مرنے کے وقت تک دیتی رہی۔

(بہجۃ الاسرار شریف، اردو، ص ۲۳۱)

● شیخ صالح ابوالمظفر اسماعیل بن علی بن سنان حمیری زریرانی یہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ علی بن الہیتمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیمار ہوتے تو بسا اوقات میری زمین کی طرف جو زریران میں تھی۔ وہاں تشریف لاتے اور وہاں کئی روز گزارتے۔ ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے اور میرے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تب ان کے پاس میرے آقا سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغداد شریف سے عیادت کے طور پر تشریف لائے۔ دونوں بزرگ میری زمین پر جمع ہوئے۔ اس وقت میری زمین میں کھجور کے دو درخت تھے جو کئی سال سے

خشک تھے اور ان میں پھل نہیں آتا تھا۔ ہم نے ارادہ کیا کہ ان کو کاٹ دیں لیکن حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تشریف لائے آپ نے ان میں سے ایک کے نیچے بیٹھ کر وضو کیا۔ اور دوسرے کے نیچے دو رکعت نفل پڑھی۔ اسی وقت وہ دونوں کھجور کے درخت سبز ہوگئے اور ان کے پتے نکل آئے۔ اسی ہفتہ میں ان کا پھل آ گیا۔ حالاں کہ ابھی کھجوروں کے پھل کا موسم نہیں آیا تھا۔ میں نے ان میں سے کچھ کھجوریں لیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے ان میں سے تناول فرمائیں اور مجھ سے فرمایا کہ اللہ تیری زمین تیرے درہم، تیرے صاع (اناج ناپنے کا پیمانہ) اور تیرے دودھ میں برکت دے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری زمین میں اس سال سے توقع اور معتاد سے دوگنا سہ گنا پیدا ہونا شروع ہوا۔ میرا یہ حال ہوا کہ جب میں ایک درہم خرچ کرتا ہوں تو اس سے میرے پاس دوگنا سہ گنا آتا ہے۔ اور جب میں گندم کی سو بوری کسی مکان میں رکھتا ہوں۔ پھر اس میں سے پچاس خرچ کر ڈالتا ہوں۔ اور باقی کو دیکھتا ہوں تو سو کی سو پوری موجود ہوتی ہے۔ میرے مویشی اس قدر بچے دیتے ہیں کہ ان کا میں شمار بھول جاتا ہوں۔ یہ سب کچھ آپ کی برکت سے اب تک ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (بہجۃ الاسرار، اردو ص ۱۲۳)

● شیخ ابوعبداللہ محمد بن شیخ ابوالعباس خضر بن عبداللہ موصلی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ مستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو سلام کیا اور پھر نصیحت کا خواستگار ہوا۔ اور آپ کے سامنے دس تھیلیاں اشرفیوں کی رکھ دیں جن کو دس غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا کہ مجھے ان کی حاجت نہیں۔ اور قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ خلیفہ نے بڑی عاجزی کی۔ تب ایک تھیلی کو آپ نے داہنے ہاتھ میں پکڑی اور دوسری بائیں ہاتھ میں، اور دونوں کو ہاتھوں میں نچوڑا تو وہ خون بن کر بہنے لگیں۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا اے ابوالمظفر! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ لوگوں کا خون

لیتے ہو اور پھر اسے میرے پاس لاتے ہو۔ خلیفہ یہ سن کر بے ہوش ہوگیا۔ تب آپ نے فرمایا
کہ معبود کی قسم! اگر اس کے رشتۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لحاظ نہ ہوتا تو البتہ میں اتنا
خون نچوڑتا کہ اس کے محل تک بہتا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص ۱۷۸)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو "سر باطن"، یعنی پوشیدہ راز کے لقب سے ملقب کیا ہے اس کی وضاحت اور تائید میں
ایک واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

● حضرت شیخ ابوالحسن بن طنطنہ بغدادی روایت کرتے ہیں کہ میں سیدی محی الدین شیخ
عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرتا تھا اور رات کو اکثر میں
آپ کی ضرورت کے خیال سے بیدار رہتا تھا۔ آپ ماہ صفر ۵۵۲ھ میں ایک رات اپنے گھر
کے دروازے سے نکلے۔ میں نے آپ کو لوٹا دینا چاہا مگر آپ نے نہ لیا اور مدرسہ کے دروازہ کا
ارادہ کیا۔ وہ آپ کے لئے خود بخود کھل گیا۔ آپ باہر نکلے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے باہر
نکلا۔ یہاں تک کہ آپ بغداد شریف کی فصیل تک پہنچ گئے۔ وہاں بھی آپ کے لئے دروازہ
کھل گیا۔ آپ باہر نکلے تو دروازہ بند ہوگیا۔ آپ تھوڑی دور تک ہی چلے ہوں گے کہ میں کیا
دیکھتا ہوں کہ ہم ایک ایسے شہر میں آگئے ہیں کہ جس کو میں پہچان نہ سکتا تھا۔ آپ ایک مکان
میں داخل ہوئے جو سرائے کے مشابہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس مکان میں چھ شخص تھے سب
نے آپ کو سلام کہا۔ اور میں وہاں ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ میں نے اس مکان کی ایک
جانب سے رونے کی آواز سنی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہوگئی۔ پھر دیکھا کہ ایک مرد آیا اور
جہاں سے رونے کی آواز آئی تھی اس طرف گیا پھر وہ مرد اس حالت میں نکلا کہ وہ اپنے کندھے
پر ایک شخص کو اٹھائے ہوئے تھا۔ پھر ایک شخص داخل ہوا۔ جس کا سر ننگا تھا اور اس کی مونچھوں
کے بال لمبے تھے۔ وہ شخص حضرت عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ شیخ نے اس

کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور اس کے سر اور مونچھوں کے بال کترے، اور اس کو ٹوپی پہنائی۔ اور
اس کا نام محمد رکھا اور پھر شیخ نے ان چھ شخصوں سے فرمایا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ یہ شخص (جس کو
آپ نے کلمہ پڑھا کر محمد نام رکھا تھا) اس مرحوم کے بدلے میں مقرر کیا جائے۔ ان سب نے
کہا بہت اچھا۔ پھر حضرت شیخ وہاں سے نکلے اور ان ساتوں کو وہیں چھوڑا۔ میں آپ کے پیچھے
ہولیا اور ہم تھوڑی دیر چلے تھے کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ہم شہر بغداد کے دروازے پر ہیں۔ پھر وہ
پہلے کی طرح کھل گیا، پھر آپ مدرسہ پر آئے۔ یہ دروازہ بھی حسب سابق کھل گیا اور آپ اپنے
گھر میں داخل ہوگئے۔ جب صبح ہوئی تو میں اپنی عادت کے مطابق سیدنا شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے سامنے پڑھنے کے لئے بیٹھا لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے نہ پڑھ سکا۔ آپ نے فرمایا بیٹا
پڑھ، کچھ مضائقہ نہیں۔ تب میں نے آپ کو قسم دلائی کہ جو میں نے رات میں ماجرہ دیکھا ہے
اس کو واضح طور پر بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ شہر نہاوند تھا اور تم جو چھ اشخاص دیکھے وہ
عمدہ ابدال تھے۔ اور وہ نرم آواز سے رونے والا ان ابدال کا ساتواں تھا۔ وہ بیمار تھا۔ اور جب
اس کی موت آئی اس وقت میں اس کے پاس پہنچا۔ اور جو شخص اس کو کندھے پر اٹھا کر باہر لے
گیا تھا وہ ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ وہ اس کو اس لئے باہر لے گئے تھے کہ اس کے
غسل وغیرہ کا اہتمام کریں۔ جس شخص کو میں نے کلمۂ شہادت پڑھایا تھا وہ قسطنطنیہ کا رہنے والا
عیسائی تھا۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ اس انتقال کرنے والے ابدال کا یہ قائم مقام بن جائے۔ اس کو
بلایا گیا اور میرے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا۔ اب وہ ان سات ابدال میں سے ایک ہے۔ شیخ نے
مجھ سے عہد لیا کہ میری زندگی میں یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ (بہجۃ الاسرار شریف، اردو، ص ۲۰۷ تا ۲۰۸)

● عالم ربانی شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے
بیان کیا کہ میں اپنی جوانی کے دور میں علم کلام میں مشغول ہوا اور اس فن کی بہت سی کتابیں میں
نے حفظ کرلیں اور اس فن کا ماہر اور فقیہ بن گیا۔ میرے چچا اس علم کے متعلق مجھے اکثر جھڑکتے

رہتے اور اس کو ترک کر دینے کا اصرار کرتے رہتے تھے لیکن میں باز نہ آتا تھا۔ ایک دن میرے چچا مجھ کو ساتھ لے کر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے گئے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے تو میرے چچا نے حضرت سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! یہ عمر میرا بھتیجا ہے۔ علم کلام میں مشغول ہے اس کو منع کرتا ہوں لیکن باز نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم نے علم کلام کی کون کون سی کتاب حفظ کی ہے؟ میں نے کہا کہ فلاں فلاں کتاب، تب آپ نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سینے پر پھیرا تو خدا کی قسم اس علم کو میرے سینے سے ایسا نکالا کہ مجھ کو ایک لفظ بھی اس کا یاد نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ تمام مسائل علم کلام بھلا دیئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی وقت میرے سینہ میں علم لدنی بھر دیا۔ پھر میں آپ کے پاس سے اٹھا تو حکمت کی باتیں کرتا تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر! تم عراق میں سب سے آخر میں مشہور ہوگے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبد القادر سلطان حقیقت، اور حقیقت وجود میں تصرف کرنے والے تھے۔ ان کا ہاتھ ایسا تھا کہ جو خدا کی طرف سے پھیلا ہوا تھا۔ اور جو پورا تصرف کرنے والا تھا۔

(بہجۃ الاسرار شریف، اردو ترجمہ، ص۸۴)

(57)

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

اٹھنا: کھڑا ہونا، بلند ہونا، ابھرنا، جاگنا، بیدار رہنا، آمادہ ہونا، مستعد ہونا، چلنا، نکلنا، روانہ ہونا، برپا ہونا، حاصل ہونا، پرواز کرنا، پڑھا جانا، نقش ہونا، مرنا، فوت ہونا، تمام ہونا، تیار ہونا، کام سمٹانا، سوار ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ٦٧)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے کو دھیمی آگ پر رکھنا، طاقت، قوت، زور، تلوار کی دھار، نیزے کی نوک، خوبصورتی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت، اولوالعزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، مکر، وفا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن، خون، لہو، شیخی۔

(فیروز اللغات، ص ٦٤١ ☆ لغات کشوری، ص ۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۷۴)

نگاہ: نظر، چتون، تیور، بصارت، آنکھ، شناخت، پرکھ، مداخلت، توجہ، عنایت، مہربانی، نظارہ، نگرانی، رکھوالی، امید، بھروسہ، خیال۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۷۵)

عنایت: لطف، مہربانی، توجہ، التفات، تحفہ، عطیہ، قصد کرنا، کسی چیز کا اہتمام کرنا۔

(فیروز اللغات، ص ۹۰۵ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''ذات'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''جان'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ عنایت پر سلام بھیجتے ہوئے اس نگاہ کے اوصاف کثیرہ میں سے ایک وصف بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ نگاہ ہے کہ جس طرف اٹھ جائے دم میں دم آجائے۔ اردو لغت میں دم کئی معنوں میں مستعمل ہے۔ یہاں معنی یہ ہوں گے کہ اس نگاہ کرم کے طفیل مردہ ذات میں جان آگئی۔ مراد اس سے بے ایمان کو ایمان مل گیا۔ یا مردہ دلوں کو زندگی مل جانا ہے۔ علاوہ ازیں قریب مرگ کو تندرستی و حیات یا شدید زخم کھائے ہوئے کو شفائے کاملہ عطا کرنا کے معنی بھی لئے جاسکتے ہیں۔ ان تمام امور سے متعلق کئی واقعات سیرت پاک کی مستند و معتمد کتب اور احادیث میں ملیں گے۔ جن کا تفصیل سے تذکرہ کرنا یہاں ممکن نہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے نگاہ عنایت کی قاہر سلطنت وتصرف کو غیر مقید کرتے ہوئے ''جس طرف'' کا جملہ لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ اس نگاہ کا اعجاز محدود اطراف یا مقید مقامات تک ہی فیض رساں نہیں بلکہ جس طرف بھی اٹھ جائے اس کا فیض ضرور اس کو مل کر ہی رہے گا۔ پھر چاہے وہ اپنوں پر اٹھے یا پرائے پر، زمین پر اٹھے یا آسمان پر، جنات پر اٹھے یا ملائکہ پر، غرض کائنات کی جس کسی چیز پر بھی وہ نگاہ کرم اٹھ گئی اس کی تقدیر چمک گئی۔ اور تقدیر بھی کس انداز سے چمکی؟ بس نگاہ کا اٹھنا اور تقدیر کا چمکنا دوش بدوش ہوا۔ کوئی تاخیر نہیں۔ اس کا بھی حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں ''گئی'' اور ''آگیا'' الفاظ کا استعمال فرما کر ذکر کر دیا۔ یہاں پر آگیا کا لفظ ''آجانا'' کے معنی میں ہے اور آجانا کا لغوی معنی ہے پہنچ جانا۔ (لغات کشوری، ص۲) اب معنی یہ ہوئے کہ نگاہ گئی اور جان آئی۔ گئی اور آئی کہ جس میں فطرۃً تضاد وتنازع تھا

اس کو رفع کر کے مناسبت و تطبیق نافذ کر دی۔ ایک اہم نکتہ کی طرف بھی توجہ کرنا اشد ضروری ہے کہ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے ''نگاہ'' لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اردو لغت میں نگاہ کے معنی میں آنکھ، توجہ، نگرانی، مہربانی وغیرہ وارد ہیں۔ اب شعر کی خوبی میں چار چاند لگ گیا۔ جس مقدس نگاہ کا مبارک تذکرہ ہے وہ بظاہر تو زمانۂ اقدس میں اٹھتی تھی۔ لیکن خورشید رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد اب ظاہری طور پر وہ نگاہ نہیں اٹھتی تو یہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ اب اس نگاہ کا فیض منقطع ہوگیا۔ لیکن نگاہ بمعنی توجہ بھی مستعمل ہے۔ اور کوئی بھی امتی کسی بھی وقت کسی بھی حال میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توجہ سے باہر نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

''فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیۡدٍ وَ جِئۡنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیۡدًا'' (پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت نمبر ۴۱)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔ (کنز الایمان)

اسی طرح آیت:

''اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ۔'' (پارہ ۲۱، سورۂ احزاب، آیت ۶)

ترجمہ: نبی مومنین سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام امت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیر نظر و توجہ ہے۔ لہٰذا ابتدائے خلق سے لے کر قیامت تک اور قیامت کے بعد ابدالآباد تک تمام کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ عنایت سے بہرہ مند ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

- حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایمان لانے کے بارے میں خود بیان کرتے ہیں کہ میں غزوۂ حنین میں کافروں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا تھا کہ

میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میرے والد اور میرے چچا کو حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قتل کر دیا ہے تو میں کیوں نہ آج بدلہ لیتے ہوئے ان کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کر دوں۔ اس ارادے سے میں حضور کے قریب پہنچ گیا اور ابھی میں حملہ کرنے والا ہی تھا کہ آگ کا ایک عظیم شعلہ بجلی کی طرح میری طرف لپکا۔ میں الٹے پاؤں پیچھے بھاگا۔ ''فَالْتَفَتَ اِلَیَّ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا شَیْبَۃُ'' یعنی اتنے میں اللہ کے رسول کی نظر کرم مجھ پر پڑ گئی تو آپ نے فرمایا اے شیبہ! بس میرے دل کی کیفیت بدل گئی۔ میں نے حضور اقدس کے چہرۂ اقدس کی طرف نظر اٹھائی تو ''وَھُوَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ'' یعنی وہ مجھے اب میری آنکھ و کان سے بھی زیادہ محبوب لگنے لگے۔

(دلائل النبوت ابی نعیم، جلد اول، ص ۱۹۵)

الغرض صرف ایک نگاہ کرم کے طفیل حضرت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مردہ دل میں جان یعنی کہ ایمان آ گیا۔ اسی طرح اسلام کے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے نگاہ مصطفیٰ کو ''عنایت'' سے متصف کیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مہربانی، توجہ، لطف اور التفات کرنے والی نظر۔ کیوں کہ وہ مہربان رب کی مہربان رحمت بن کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ جب وہ سراپا رحمت ہیں تو اس سراپا کا ایک جزء اور عضو آنکھ بھی یقیناً رحمت ہی ہے اور رحمت بھری نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام کا ہدیہ نچھاور ہو۔

❖......❖......❖

(58)

نصر ابی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ
دے حیات دیں محی جاں فزا کے واسطے

حل لغت:

نصر: مدد کرنا، یاری کرنا، فتح، ظفر، منظور، خاطر۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۶۱)

ابی صالح: حضرت سید ابی صالح نصر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (شجرہ برکاتیہ رضویہ، ص ۸)

صالح: نیک، پارسا، پرہیزگار، متقی، دیانت دار، نیک چلن، ایک پیغمبر جو قوم ثمود میں مبعوث ہوئے تھے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۱)

منصور: نصرت دیا گیا، مدد دیا گیا، یاری دیا گیا، فتح مند، ایک ولی اللہ کا نام جنہوں نے جذب میں انا الحق کہہ دیا تھا جس پر انھیں سولی دی گئی۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۶۴۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۰)

حیات: زندگی، زیست، عمر، جان، روح، جانداری۔

(فیروز اللغات، ص ۵۷۷ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴۶ ☆ کریم اللغات، ص ۶۰)

محی: مخلوق کو زندہ رکھنے والا، حیات دینے والا، زندہ کرنے والا، اللہ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۱۵ ☆ لغات کشوری، ص ۶۷۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۴۸)

فزا: بڑھانے والا، زیادہ کرنے والا، افزائش، مرکبات میں مستعمل ہے مثلاً: راحت افزا روح افزا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۳۲ ☆ لغات کشوری، ص ۵۳۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۹)

محی جاں فزا: مراد: حضرت سید ابی نصر بغدادی علیہ الرحمہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''صالح'' ہے اس سے مراد ''حضرت سید ابو صالح نصر بغدادی'' ہیں۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''صالح'' ہے اس کا مطلب ''پرہیزگاری'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان بارگاہ خداوندی میں استدعا کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے دو مقدس ولی کامل کا واسطہ دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے خالق کائنات! حضرت سید ابو صالح نصر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصر (مدد) کا واسطہ ہم کو صالح (پرہیزگار) اور فتح مند رکھ۔ ایمان کی جانداری قائم رکھ۔ واسطہ حضرت سید محی الدین ابی نصر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو حیات بخش ہیں۔ اور جاں فزا یعنی دل خوش کرنے والے ہیں۔

اس شعر میں لفظ ''صالح'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ صالح ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت ابو صالح عبد اللہ نصر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''صالح'' ہے وہ صفت ہے اور اس کے معنی نیک، متقی، پرہیزگار وغیرہ ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے الفاظ کے ظاہری اور باطنی معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے الفاظ کی بندش ایسے نرالے انداز میں کی ہے کہ مصرع اول میں نصر اور منصور میں رشتہ اشتقاق ہے۔ لفظ نصر مصدر ہے۔ اور لفظ منصور اسم مفعول ہے نصر (مدد) کے بغیر منصور (مدد کیا گیا) کا وجود ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خدائے تعالیٰ سے دو چیزیں مانگی ہیں۔ صالح بنا اور منصور رکھ۔ صالح بن گئے تو انشاء اللہ تعالیٰ منصور بھی ہو جائیں گے۔ صالح کی جمع ہے صالحین۔ قرآن میں صالحین کی مدد کا یقین دلایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ

وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'' (پارہ ۱۸، سورۃ النور، آیت ۳۲)

ترجمہ: اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا اگر وہ فقیر ہوں۔ تو اللہ انہیں غنی کر دے گا۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صالحین اگر غریب ہوں گے اور نکاح کریں گے تو ہم انہیں غنی یعنی مالدار بنا کر ان کی مدد کریں گے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ''اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ'' یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، کثرت سے وارد ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں صالحین کو انبیائے کرام، صدیقین اور شہداء کے گروہ کی معیت میں شمار کیا گیا ہے جیسے کہ ''مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔'' وغیرہ آیات اس پر شاہد ہیں کہ صالحین کی جماعت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جماعت ہے۔ جس جماعت کی مدد کرنے اور انعام و اکرام سے نوازنے کا مژدہ قرآن مجید میں سنایا گیا ہے۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے قرآن مجید کے انداز و مزاج کی موافقت اور تتبع میں اپنے شعر میں لفظ ''صالح'' کو مقدم اور لفظ ''منصور'' کو موخر ذکر کر کے بند لفظوں میں خود بخود اشارۃً فرما دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو صالح بنا کر صالحین کے زمرے میں شمولیت عطا فرما دے تو نصرت الٰہی بھی خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

الحاصل! منصور من اللہ ہونے کے لئے صالح بننا لازمی اور ضروری ہے۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صالح کو اہمیت دے کر اول ذکر فرمایا ہے۔ مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے ''حیات دیں'' کی دعا کی ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے دین کا اطلاق مذہب، مسلک، دھرم اور ایمان ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۶۷۳) اور یہاں دین سے مراد ایمان ہے۔ یعنی حضرت رضا بارگاہ خداوندی میں ایمان کی حیات یعنی ایمان کی زندگی ایمان کی روح مانگ رہے ہیں۔ اور ایمان کی جان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

ذات گرامی، آپ کی محبت اور عشق ہے۔ ایک مقام پر حضرت رضا نے فرمایا ہے کہ:

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

حیات دیں کی دعا میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے محی ''جاں فزا'' کا واسطہ دے کر شعر کو ادبی، فنی اور علمی اعتبار سے جواہرات سے مرصع اور مزین کر دیا ہے۔ محی کے معنی ہیں حیات دینے والا۔ اور زندہ کرنے والا اور شعر میں محی سے مراد حضرت محی الدین ابی نصر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ ''محی الدین'' آپ کا لقب ہے اور اسی لقب سے آپ کو ملقب کر کے حضرت رضا بریلوی نے حضرت ابی نصر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کو اسم بامسمّٰی کے طور پر اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ ایک خوبی اس شعر کی مزید یہ بھی ہے کہ آپ نے محی کے لقب کے ساتھ ''جاں فزا'' کی صفت کا اضافہ فرمادیا ہے۔ لفظ ''جاں فزا'' کو اگر ایک ہی لفظ شمار کیا جائے یعنی جاں کے ساتھ فزا کو مرکب کر دیا جائے تو اس کے معنی فرحت انگیز، دل خوش کرنے والا، اور مسرت انگیز ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۴۴۵) اور اگر لفظ جاں فزا کو مرکبات میں شمار نہ کرتے ہوئے جاں اور فزا دونوں کو مفرد مان کر الگ الگ الفاظ میں شمار کیا جائے تو جاں کے معنی روح، آتما، زندگی، حیات وغیرہ ہیں۔ (دیکھو شعر نمبر 86 کا حل لغت) اور فزا کے معنی بڑھانے والا، زیادہ کرنے والا، اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی کا لفظ ''جاں فزا'' دو معنی ہو گیا۔ ایک معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! ایمان کی حیات دے، تجھے واسطہ حضرت ابی نصر بغدادی کا جو زندہ کرنے والے اور زندہ کر کے دل خوش کرنے والے ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہوئے کہ جو زندہ کرنے والے اور زندہ کر کے زندگی زیادہ کرنے والے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ کیوں کہ بزرگان دین نے مرے ہوئے دلوں کو ایمان کی زندگی دے کر دلوں کو فرحت، مسرت اور خوشی سے بھر دیا ہے۔ اور یہ بھی ہوا ہے کہ بزرگان دین نے مردہ دلوں کو ایمان کی زندگی دے کر (عشق رسول) سے

زندہ کر کے اس کو عشق رسول کی اعلیٰ منزلیں طے کرا کر ایمان کی زندگی یعنی عشق رسول کو زیادہ کیا ہے اور بڑھایا ہے۔ بقول حضرت رضا:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا

خیر! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اگر حضرت رضا بریلوی کے ہر شعر کے فنی محاسن پر اس طرح سیر حاصل گفتگو کی جائے تو مضمون کی طوالت انداز و گمان کے صفحات کی سرحدیں عبور کر جائے گی۔ الحاصل! حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں خدائے تعالیٰ سے صالح اور منصور ہونے کے ساتھ دین کی حیات کی استدعا کی ہے۔ اور حصول مراد کے لئے دو جلیل القدر وشہرۂ آفاق ہستیوں کا واسطہ اور وسیلہ دیا ہے۔ وہ دو ذات گرامی حضرت سید ابو صالح عبداللہ نصر بغدادی اور حضرت سید محی الدین ابو نصر محمد بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے یعنی کہ دو کے طفیل تین مرادیں مانگی ہیں۔

- حضرت ابو صالح عبداللہ نصر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۴؍ ربیع الثانی ۵۶۲ھ کے روز بغداد شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سیدنا عبدالرزاق بن غوث اعظم حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ آپ سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے محقق، عارف حدیث، ثقہ راوی، شیریں کلام، خوش طبع و متین تھے۔ فروعی مسائل میں آپ کی معلومات وسیع تھی۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے اپنی کتاب طبقات میں بیان کیا ہے کہ آپ قاضی القضاۃ، شیخ الوقت، فقیہ، مناظر، محدث، عابد و زاہد اور بہترین واعظ تھے۔ آپ انتہائی فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کی انشاء پردازی اور فتویٰ نویسی میں کمال کی ندرت ہوتی تھی۔ مدینۃ الاسلام کی تینوں مسجدوں میں آپ کا نام خطبہ میں پڑھا جاتا تھا۔ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے پیکر تھے۔ آپ نے ۲۷؍ رجب المرجب ۶۳۳ھ کے دن دنیا سے پردہ فرمایا۔ آپ کا مزار مقدس بغداد شریف میں روضۂ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مرجع خلائق ہے۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۲۶۶)

- حضرت سید محی الدین، ابو نصر محمد بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت بغداد شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد حضرت سید ابو صالح عبداللہ نصر بن حضرت سیدنا عبدالرزاق بن غوث اعظم دستگیر شیخ سید عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ اس طرح آپ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پر پوتے تھے۔

- آپ اپنے وقت کے شیخ طریقت، اعلیٰ درجہ کے محقق، محدث اور مدرس تھے۔ آپ اپنی عظیم فقاہت کی بنیاد پر عراق کے مفتی مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ کے والد ماجد قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کو بھی دار الخلافۃ میں مسند عدالت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ لیکن آپ صرف ایک ہی مرتبہ عدالت میں تشریف لے گئے اس کے بعد استعفیٰ دے کر باب الازج کے مدرسہ میں درس دینے لگے۔ بعدہ تقویٰ کے پیش نظر کبھی عہدۂ قضا کو قبول نہیں فرمایا۔

آپ اپنے جد امجد حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکل وصورت میں بہت ہی مشابہ تھے۔ (قلائد الجواہر، ص ۱۷۱)

آپ کا گھرانہ علم وفن کا منبع تھا، اور آپ نے علم دین کے فروغ و اشاعت میں کامیاب کوشش کی۔ آپ اپنے جد امجد کے مدرسہ میں درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، اور تا حیات عملی مشاغل سے وابستہ رہے۔ آپ سے حافظ دمیاطی وغیرہ نے احادیث کی سماعت کی ہے۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۲۶۸)

آپ کا وصال ۲۷ / ربیع الاول شریف بروز دوشنبہ ۶۵۶ھ میں بغداد میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف بغداد شریف میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدرسہ کے احاطہ میں مرجع خلائق ہے۔

❁......❁......❁

(59)

جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو
نہ کچھ قصد کیجئے یہ قصد دلی ہے

حل لغت:

مقصد: قصد کرنے کی جگہ، مدعا، مراد، نیت، ارادہ، معنی، منشاء۔
(فیروز اللغات، ص ۱۲۷۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۲۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۲)

زیارت: کسی متبرک مقام، چیز یا آدمی کا دیکھنا، حج، مقدس مقام کا نظارہ، کسی بزرگ کا مقبرہ، آستانہ گاہ، پرستش گاہ، درگاہ، سلام، ملاقات کسی بزرگ سے، آدمی یا مزار وغیرہ کا دیکھنا۔ (فیروز اللغات، ص ۷۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۳۵۷ ☆ کریم اللغات، ص ۸۵)

بر آنا: حاصل ہونا، پورا ہونا، کامیاب ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۹۰)

قصد: ارادہ، نیت، عزم، منشاء، مطلب، مرضی، خواہش، سعی، کوشش، پیش قدمی، اقدام۔
(فیروز اللغات، ص ۹۵۷ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۳)

دوسرے مصرع میں پہلے جو لفظ ''قصد'' ہے اس کا مطلب ''کوشش'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''قصد'' ہے اس کا مطلب ''خواہش'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت کی تمنا کرنے کے ساتھ اس بات کا بھی

اظہار فرمایا ہے کہ زہے نصیب! شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت کا مقصد پورا ہوجائے۔ تو اس مقصد کے پورا ہونے کے بعد پھر کسی خواہش کے پورا ہونے کی کوشش ہی نہ کروں گا۔ یہی میری دلی خواہش اور ارادہ ہے۔ اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ’’قصد‘‘ کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ’’قصد‘‘ ہے وہ کوشش اور سعی کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ قصد ہے وہ ارادہ اور خواہش کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ’’قصد‘‘ حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے جدا اور مختلف۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ دونوں لفظ ’’قصد‘‘ اسم ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان روضۂ انور کی زیارت کی تمنا کر رہے ہیں۔ اور ہر عاشق نبی کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ اپنے پیارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس آرام گاہ کی حاضری کا شرف حاصل کروں۔ دربار رسالت کی حاضری اور زیارت کی بے شمار فضیلتیں اور برکتیں ہیں۔ کئی احادیث میں زیارت روضۂ انور کی تاکید کی گئی ہے۔ اور زیارت کرنے پر اجر عظیم کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ چند احادیث کریمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ’’مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ‘‘ یعنی جو شخص میری قبر شریف کی زیارت کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

● شفیع المذنبین، شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ’’مَنْ جَاءَ نِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ‘‘ یعنی جو شخص میری زیارت کے لئے آئے اور میری زیارت کے سوا اس کو کوئی حاجت نہ ہو تو مجھ

پر واجب ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع ہوجاؤں۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ‘‘ جس نے حج کیا اور پھر میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد وہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ مَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْآمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔‘‘ جو شخص ارادۃً میری زیارت کرے گا قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا اور جو حرم مکہ یا مدینہ میں مرے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے عذاب سے امن میں رکھے گا۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آستانۂ پاک کی زیارت علمائے دین کے نزدیک بالاتفاق قولاً وفعلاً بہترین سنن اور موکدترین مستحبات میں سے ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبر انور کی زیارت ایک متفق علیہ سنت اور مرغوب فضیلت ہے۔ بعض علماء مالکیہ رحمہم اللہ اس کے وجوب کے قائل ہیں اور دوسروں نے اس قول کی تاویل سنت واجبہ سے کی ہے۔ گویا سنت واجبہ سے مراد سنت موکدہ، غایت تاکید ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زیارت روضۂ اقدس بہترین مستحسنات اور موکدترین مستحبات درجہ واجبات کے قریب ہے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو، ص ۲۲۴)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور صالحین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دور دراز سے سفر کئے ہیں اور دیگر لوگوں کو بھی زیارت کی ترغیب دی ہے۔

● امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک شام فتح کیا، اور بیت المقدس کے باشندوں سے صلح کی اور کعب احبار علیہ الرحمۃ نے اسلام

قبول کیا۔ تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اسلام لانے سے بے انتہا مسرت ہوئی، واپسی کے وقت امیر المومنین نے کعب احبار سے فرمایا کہ اے کعب! اگر چاہو تو ہمارے ساتھ مدینہ چلو، اور سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرلو، کعب احبار نے کہا: بہت خوب، اے امیر المومنین میں ایسا کروں گا۔

مدینہ منورہ میں آتے ہی پہلا کام جو امیر المومنین نے کیا وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام تھا۔ (جذب القلوب، ص ۲۳۱)

قارئین کرام اس واقعہ کو بغور مطالعہ فرمائیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت کعب احبار کو ملک شام سے صرف گنبد خضریٰ کی زیارت کے لئے دعوت دے رہے ہیں اور حضرت کعب احبار اسے قبول کر رہے ہیں، اگر دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری کی نیت سے ہی سفر کرنا ممنوع ہوتا تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز کعب احبار کو صرف زیارت کے لئے سفر کرنے کو نہ کہتے۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام چلے گئے اور ایک مدت دراز تک بارگاہ رسالت کی حاضر کے لئے نہ آئے، تو خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو زیارت کے لئے مدینہ منورہ آنے کا حکم دیا۔ حضرت بلال ملک شام سے صرف اور صرف زیارت روضۂ اقدس کی نیت سے سفر کر کے مدینہ طیبہ آئے۔ یہ طویل واقعہ شعر نمبر 111

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن افسوس! کہ کلمہ گوئی اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے دور حاضر کے منافقین زیارت اقدس کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ صرف زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانے والوں کو روکتے ہیں۔ اور کچھ شقی القلب اور محروم ایسے بھی ہیں کہ جو حج کرنے کے بعد اور پہلے مدینہ شریف

مطلقاً جاتے ہی نہیں۔ اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مکہ معظّمہ سے ہی اپنے وطن واپس چلے جاتے ہیں۔ حالاں کہ حج کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت نہ کرنے پر وعید ہے۔ اور فضیلت سے محروم رہنے پر تنبیہ اور سرزنش ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ آپ کی امت ثواب حاصل کرے اور مغفرت وشفاعت کا حقدار بھی بنے اور یہ آپ کی امت پر کمال شفقت ہے۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''مَنْ زَارَنِیْ فِی الْمَدِیْنَةِ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا وَ شَهِیْدًا'' جو مدینہ میں میری زیارت کرے میں اس کے لئے شفیع اور مددگار رہوں گا۔ اس حدیث سے حضور کی اپنی امت پر کمال ہمدردی، رحمت، محبت اور شفقت عیاں ہوتی ہے۔ کہ مدینہ آنے کے بہانے وہ شفاعت کے حقدار بن جائیں۔ علاوہ ازیں حج کے بعد مدینہ طیبہ کی زیارت کو نہ آنے پر احادیث میں وعید وارد ہے۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَ لَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ'' جس شخص نے کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

حدیث کے مقدس اور مبارک الفاظ ملاحظہ فرمائیں کہ سرکار فرماتے ہیں کہ جو میری زیارت کو نہیں آتا، وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظلم و جفا کرنے والے کا انجام اور حشر کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظلم و جفا اور ایذا حرام ہے۔ اور حضور پر ظلم کرنے سے بچنا واجب ہے۔ یہ ایک مسلم قاعدہ ہے۔ جو عقائد سے تعلق رکھتا ہے تو جس کام کی وجہ سے حضور اقدس کو تکلیف ہوتی ہو وہ کام حرام ہے۔ لہٰذا حج کے بعد زیارت مدینہ کے لئے نہ آنے سے حضور کو تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا مدینہ کی زیارت کے لئے نہ آنے والاالاحرام کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکلیف جس کام کی وجہ سے دور ہوتی ہو وہ کام کرنا واجب ہے۔ اور مدینہ طیبہ کی زیارت کے لئے حاجی کے

جانے سے حضور کی تکلیف دور ہوتی ہے۔لہٰذا زیارت مدینہ واجب ہے۔میری اس گفتگو میں قطعاً مبالغہ وغلو نہیں، میرے اس دعویٰ کی دلیل ملت اسلامیہ کی ذی علم وذی مرتبت شخصیت محقق علی الاطلاق حجۃ اللہ فی الہند عاشق رسول حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی شہادت وتائید ہے۔

اور ایسا ہی ایک حدیث میں وارد ہے۔

- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”مَنْ وَجَدَ سَاعَةً وَ لَمْ يَعُدْ اِلَيَّ فَقَدْ جَفَانِيْ“ جس نے استطاعت پائی اور میری طرف نہ آیا اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ:

- ”یہ حدیث مبارک ترک زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے۔اس لئے کہ ترک زیارت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جفا وایذا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جفا وایذا بالاجماع حرام ہے۔لہٰذا ازالۂ جفا واجب ہے۔اور وہ زیارت سے ہی ہوسکتا ہے۔اس لئے زیارت واجب ہوگی۔“ (مدارج النبوۃ،اردو ترجمہ،جلد دوم،ص۵۶۷)

اور حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں یہی تو فرماتے ہیں کہ اگر مدینہ کی حاضری کا مقصد بر آیا تو اس زیارت کے طفیل آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا حقدار ہونے کا شرف حاصل ہوجائے گا۔اور اس کے حصول کے بعد پھر کسی بھی مقصد کی خواہش نہ رہے گی۔اسی لئے تو آپ ہر وقت دیار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری کے لئے بےچین وبےقرار رہتے ہیں۔اور ایک نعت میں یہاں تک فرمایا ہے کہ:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

(60)

خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں
کیا صبح نور بار ہے شام ابو الحسین

حل لغت:

خط: نوشتہ، تحریر، لکیر، نشان، نامہ، مکتوب، نیا سبزہ جو مرد کے چہرے پر آتا ہے، ہاتھ کا لکھا، سواد تحریر، لکیر، لائن، حجامت، اصلاح، لکیر جس میں فقط طول ہو عرض اور عمق نہ ہو، نام ایک موضع کا۔

(فیروز اللغات، ص۵۹۲☆لغات کشوری، ص۲۶۲☆ کریم اللغات، ص۶۵)

سیہ: سیاہ کا مخفف، کالا، نجس، بد، کالا سیاہ رنگ، حبشی غلام، کنایہ، کوئلہ بیچنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۸۳۱☆لغات کشوری، ص۴۰۳☆ کریم اللغات، ص۹۵)

نور: روشنی، تجلی، چمک، اجالا، رونق، روپ، کلام پاک کی ایک سورت کا نام، صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک نام۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۸۵☆لغات کشوری، ص۷۹۰☆ کریم اللغات، ص۱۸۷)

تابش: حرارت، گرمی، تپش، چمک، دھوپ کی چمک، روشنی، نور، طاقت۔

(فیروز اللغات، ص۳۳۳☆لغات کشوری، ص۱۲۹☆ کریم اللغات، ص۳۲)

بار: بوجھ، گرانی، وزن، اسباب، رسائی، نوبت، مرتبہ، دفعہ، شمار، ثمر، پھل، دربار، برسنے والا، مثلاً: گوہر بار، نور بار وغیرہ، کسی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے مثلاً: جوئے بار، سنگ بار، کار کے ساتھ بطور تابع، مثلاً: کاروبار، دخل، آمیزش، گویوں کا ساز، اجازت، حمل، گربھ، قرض، ذمہ داری، عدالت، جناب، جلیل، بزرگ،

نا گوار، تکلیف دہ، انبار، نصیب، رخصت، درخت کی جڑ، کام، بارگاہ، ہر چیز کی زیادتی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۶۴ ☆ لغات کشوری، ص ۸۷)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب ''خدا کا نور'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب ''اجالا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے پیر و مرشد کے سچے جانشین خانقاہ برکاتیہ وعالیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین اپنے استاذ محترم ومکرم، سراج السالکین، نور العارفین، مرجع علماء واولیاء، ہادی طالبین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خط سیہ یعنی سیاہ لکھا ہوا، یا سیاہ بالوں میں اللہ کے نور کی تجلی کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ حضرت شاہ ابوالحسین کی شام بھی صبح کی طرح نور برسا رہی ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی اپنے پیرزادے حضرت نوری میاں قدس سرہٗ کے اوصاف ومحاسن کا تذکرہ ایک نفیس انداز سے کر رہے ہیں۔ شعر کی ابتداء وآغاز میں ''خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں'' کا جملہ بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ خط سیہ سے دو مراد لی جا سکتی ہے۔ اول نوشتہ یعنی لکھا ہوا۔ اس معنی کو لے کر شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت شاہ ابوالحسین مارہروی قدس سرہٗ کے دست مبارک سے سفید کاغذات پر جو خط سیہ یعنی سیاہ روشنائی کی تحریر منقش ہوئی ہے، اس سیاہ تحریر سے نور الٰہی یعنی کہ اللہ کے نور کی تابشیں یعنی روشنیاں پھیل رہی ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے اعتراف میں کسی کو بھی تامل یا تردد نہیں ہے، کیوں کہ حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کا شمار اپنے دور کے شہرۂ آفاق علماء واولیاء میں ہوتا ہے۔ آپ

اپنے زمانہ کے جید فقیہ تھے۔ آپ کے علم کا لوہا تمام علمائے ملت اسلامیہ نے مانا ہے۔ یہاں تک کہ مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین، سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ممتاز اور فائق عالم اور مجدد اعظم نے آپ کے سامنے بحیثیت تلمیذ زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ اور آپ سے علوم ظاہری و باطنی میں اکتساب فیض کیا تھا۔ آپ علم وعرفان کی اعلیٰ منزل و مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ کی زبان وقلم سے ہمیشہ علم وعرفان کا دریائے گوہر بہتا تھا۔ جس سے ہزاروں تشنگان علم اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ کی تصانیف کا علمی معیار اتنا بلند ہے کہ آپ کی تصانیف کی شرح وتشریح کرنے سے اس کی ضخامت اصل کتاب سے پچاس گنی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ آپ کی معرکۃ الآرا تصانیف میں علم کے ایسے گہر اور باریک نکات مضمر ہیں جن کے مطالعہ اور فہم سے اہل علم و دانش دینی و دنیوی علوم کے فوائد حاصل کر کے خود بھی فقید المثال بن جائیں گے۔ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی جلالت شان کی جھلک آپ کی تصانیف سے آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے۔ اور اسی کا تذکرہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں فرما رہے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں تحریر کے لئے لفظ ''خط'' کا استعمال فرمایا ہے۔ یعنی کہ واحد کا صیغہ جس کا مطلب ہوا کہ ایک تحریر، اور اس تحریر کے نتیجے میں نور الٰہی کی تابشیں فرما رہے ہیں۔ جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی صرف ایک تابش نہیں بلکہ بہت سی تابشیں۔ اب شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی ذات گرامی ایسے علوم وعرفان کی حامل ہے کہ آپ کی صرف ایک تحریر سے ایک نہیں بلکہ نور الٰہی کی تابشیں حاصل ہوتی ہیں۔ نور الٰہی کی تابشیں یعنی راہ راست اور صراط مستقیم کی ہدایت۔ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے متعلق حضرت رضا بریلوی نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ صداقت پر مبنی ہیں اور اس میں سرمو برابر بھی غلو اور مبالغہ نہیں۔ کیوں کہ آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصانیف کے ذریعہ عقائد اہل سنت کی نشر واشاعت کا جو فریضہ

انجام دیا ہے۔ اس کو کما حقہ ہم بیان کر کے داد تحسین دینے سے بھی قاصر ہیں۔ حضرت سید شاہ ابوالحسین مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف کے ایک ایک جملہ سے رشد و ہدایت کی روشنی پھوٹتی ہے اور اس نور ہدایت کو حضرت رضا نے نور الٰہی کی تابشوں سے تعبیر کیا ہے۔ آپ کی تصانیف، تقاریر و رشد و ہدایت کی محفلوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں گم گشتہ گان راہ کو راہ ہدایت پر گامزن فرمایا ہے۔ آپ کی علمی وجاہت کا فائق الدہر شہرہ و دبدبہ ایسا مشتہر تھا کہ وقت کے جلیل القدر علمائے کرام و مفتیان عظام تحصیل علوم و عرفان کے لئے آپ کی خدمت میں سائلانہ حیثیت سے حاضر رہتے۔ اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم جفر کے حصول میں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ عرفان و سلوک کی منزلیں بھی آپ کی زیر نگرانی و تربیت طے فرمائی ہیں۔ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے یہاں ہمیشہ مشاہیر علماء کا ہجوم رہتا تھا۔ اور ہر شخص اپنی علمی پیاس کی سیرابی کے لئے آپ ہی کا مرہون منت رہتا تھا۔

''خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں'' کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ خط سیہ سے مراد آپ کے سر اور چہرۂ پاک کے سیاہ بال، اور ''نور الٰہی کی تابشیں'' سے مراد آپ کے نورانی چہرے سے جو نور کی شعاعیں پھوٹتی تھیں وہ مراد ہے۔ سیاہ ریش مبارک (ڈاڑھی مبارک) کے ہالہ کے درمیان آپ کا نورانی چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں تھا، اور آپ کے چہرہ کے صرف دیدار سے کئی لوگوں نے گناہوں سے توبہ کر کے اپنی زندگی اسلام کے قواعد و ضوابط کے سانچے میں ڈھال لیں۔ آپ کے چہرۂ پاک کی نورانیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کو دیکھ کر خدا کی یاد و ذکر کا جذبہ دل میں ابھرتا تھا۔ اور یہ ایک ولی کی پہچان ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ولی کی پہچان یہ ہے کہ اس کو دیکھنے سے خدا یاد آ جائے۔ حضرت نوری میاں مارہروی قدس سرہٗ اس حدیث کے ارشاد کی زندہ تصویر تھے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں '' کیا صبح نور بار ہے شام ابوالحسین'' اس مصرع میں لفظ ''کیا'' کو ابتداء میں فرما کر حضرت رضا بریلوی نے اس جملہ کو جملہ استعجابیہ بنا دیا ہے اور ایک تعجب خیز بات کے طور پر فرما رہے ہیں کہ حضرت ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی '' شام'' بھی روشنی پھیلانے والی '' صبح'' کی طرح ہے۔ شام اور صبح دو نقیضوں کا استعمال فرما کر شعر کو صفت تضاد کا شعر بنا دیا ہے۔ اس شعر میں جو لفظ شام ہے اس سے دو مرادیں لی جا سکتی ہیں۔ ایک تو حقیقی شام اور دوسری شام زندگی یعنی زندگی کے آخری ایام۔ دونوں مرادیں اس شعر میں صحیح ہیں۔ اگر حقیقی شام مراد لی جائے تو شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ صبح کے مقابلے میں شام کی رونق ماند ہوتی ہے۔ صبح سے دن کا عروج ہوتا ہے اور شام سے دن کو زوال ملتا ہے۔ اور جو طغیانی، طمطراق، رونق، چمک، دمک، روشنی، شباب، حسن، خوبی، رنگ و روپ اور تپش عروج میں ہے وہ زوال میں نہیں۔ صبح کو آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ تب اس کی شان و شوکت نرالی ہوتی ہے۔ اس کی روشنی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر ہم دیکھ نہیں سکتے۔ ہماری نظر خیرہ ہو جاتی ہے۔ لیکن شام کے وقت آفتاب کی وہ آن، بان شان باقی نہیں رہتی۔ صبح کے وقت آفتاب کی روشنی میں جو سپیدی ہوتی ہے، وہ شام کے وقت زرد ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تپش ماند اور مدھم ہو جاتی ہے۔ اس کی طرف نظر جما کر دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کے چہرۂ جمال کے آفتاب کا یہ عالم ہے کہ ان کی شام کی درخشانی بھی صبح کی رونق پر غالب آ جاتی ہے۔ ان کی شام ماند اور مدھم ہو کر بھی رونق و روشنی میں کم نہیں بلکہ بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی شام صبح کو بھی نور کا صدقہ عطا فرما کر صبح کو بھی ''نور بار'' بنا دیتی ہے۔

اگر لفظ ''شام'' سے مراد ''شام زندگی'' یعنی کہ زندگی کے آخری ایام ہوں تو شعر اور بھی جاندار ہو جاتا ہے۔ زندگی کے آخری ایام میں آدمی معذور و مجبور ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ساٹھ سال کی عمر کے بعد اس کے اعضاء جسم میں ضعف آ جاتا ہے، اور آدمی نڈھال ہو جاتا ہے اس

کے جسم میں چستی اور پھرتی کے بجائے سستی اور کاہلی آجاتی ہے، قوت و طاقت کم ہوجاتی ہے۔ کام میں تھکان محسوس ہوتی ہے، یادداشت بھی کمزور ہوجاتی ہے۔ بینائی بھی کم ہوجاتی ہے، لکھنے اور پڑھنے کا کام بھی مشکل سے ہوتا ہے، بوڑھاپے میں آدمی کا جسم جواب دے جاتا ہے اور کام کا نہیں رہتا۔ اسے ہر وقت آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنا اکثر وقت بستر کی آغوش پناہ میں بسر کرتا ہے۔ اپنے ذاتی کام میں بھی وہ دوسروں کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن بقول حضرت رضا بریلوی سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی قدس سرہٗ کی ظاہری زندگی کے آخری ایام ''شام'' کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ ''صبح نور بار'' کی طرح تھے۔ آپ نے بحالت پیری ذکر و اشغال، تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت، عبادت و ریاضت، خلق کی حاجت روائی، کتب بینی، تعلقات مع المسلمین، بدمذہبوں کی تردید، ذاتی، خاندانی اور خانقاہی امور میں جس جسارت اور انہماک سے کام لیا ہے، وہ جوانوں کے لیے بھی مشعل راہ و نمونۂ عمل ہے۔ ان تمام اشغال کی تفصیلی معلومات نیز آپ کی تصنیفی خدمات، عبادت و ریاضت، کشف و کرامت اور علم دین کی نشر و اشاعت میں آپ کی مصروفیت و مشغولیت کی حقیقت اس کتاب کے اشعار نمبر 116، 128 اور 162 میں ملاحظہ فرمائیں۔

(61)

خلق تمہاری جمیل خُلق تمہارا جلیل
خلق تمہاری گدا تم پہ کروروں درود

حل لغت:

خلق: خلقت، دنیا کے لوگ، مخلوق، آفرینش، پیدائش، پیدا کرنا، پیدا کیا ہوا۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۶ ☆ کریم اللغات، ص ٦٦)

جمیل: حسین، خوبصورت، سندر، شکیل۔ (فیروز اللغات، ص ۴۷۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۰)

خُلق: عادت، خو، خصلت، اخلاق، مروت دین، خوش مزاجی۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۶ ☆ کریم اللغات، ص ٦٦)

جلیل: بڑا، بزرگ، اعلیٰ، افضل، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص ۴۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۸ ☆ کریم اللغات، ص ۵۲)

گدا: فقیر، بھکاری، منگتا، مانگنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۰۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ٦۱۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۳)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''خلق'' ہے اس کا مطلب ''پیدائش'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''خلق'' ہے اس کا مطلب ''مخلوق'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک، آپ کے اخلاق و عادات اور اسوۂ حسنہ کی مدح

وثنا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! آپ کی پیدائش (خَلق) حسین وجمیل ہے۔ آپ کے اخلاق (خُلق) اعلیٰ وافضل ہیں۔ اور کائنات کی تمام مخلوق (خَلق) آپ کی بھیک کاری ہے۔ آپ پر کروروں درود ہوں۔ صلی اللہ علیک وسلم۔

اس شعر میں لفظ ''خَلق'' کا استعمال دو مرتبہ اور لفظ ''خُلق'' کا ایک مرتبہ کیا گیا ہے۔ لٰہذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل اور صنعت تجنیس ناقص کا باہم حامل ہے، خلق اور خلق کے استعمال کی وجہ سے تجنیس کامل اور خلق اور خلق کے استعمال کی وجہ سے تجنیس ناقص ہے۔ کل تین مساوی حروف والے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جن میں سے دو الفاظ بہ اعتبار اعراب مساوی ہیں یعنی خَلق اور خلق لیکن تیسرا لفظ بہ اعتبار اعراب متفرق ہے۔ یعنی خُلق۔ تینوں الفاظ، خلق، خلق اور خُلق الگ الگ معنی میں ہیں۔ مصرع اول میں لفظ خلق ہے وہ پیدائش کے معنی میں اور مصرع ثانی میں لفظ خلق ہے وہ مخلوق یا دنیا کے لوگ کے معنی میں ہے۔ اور مصرع اول میں خلق ہے وہ اخلاق کے معنی میں ہے۔

ابتدائے کائنات سے اب تک اور اب سے لے کر قیامت تک لاکھوں اور کروروں، اربوں، کھربوں انسان پیدا ہوئے اور ہوں گے۔ لیکن تمام کی پیدائش سے اعلیٰ وافضل، حسین و خوبصورت پیدائش حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہوئی ہے۔ ایسی پیدائش نہ کسی کی ہوئی ہے نہ ہوگی۔

● بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ میری والدہ نے بتایا کہ میں اس رات آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھی، جس رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ میں گھر میں ہر طرف روشنی اور نور پاتی اور محسوس کرتی تھی گویا ستارے قریب سے قریب تر ہو رہے ہوں۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ ستارے میرے اوپر گر پڑیں گے۔ پھر جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وضع حمل کیا۔ تو ایک نور برآمد ہوا۔ جس کی وجہ سے ہر شئے روشن ہوگئی یہاں تک کہ میں نور کے سوا کچھ نہ دیکھتی تھی۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۱۱۸)

● ابونعیم نے بہ روایت عطاء بن یسار ام مسلمہ سے اور انہوں نے حضرت آمنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتی ہیں کہ شب ولادت جب مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو میں نے ایک نور دیکھا جس سے محلات شام روشن ہوگئے اور میں نے ان کو دیکھا۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۱۱۹)

● حضرت صفیہ بنت عبد المطلب فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے وقت میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی، میں نے دیکھا کہ آپ کا نور چراغ کی روشنی کو مات کر رہا ہے۔ اس رات میں نے چند علامات کا مشاہدہ کیا۔ اول: یہ کہ جب حضور پیدا ہوئے تو آپ نے سجدہ فرمایا۔ دوم: جب آپ نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا تو بزبان فصیح وبلیغ فرمایا کہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' سوم: پورے گھر کو میں نے آپ کے چہرۂ انور کے نور سے روشن اور منور پایا۔ چہارم: میں نے چاہا کہ آپ کو نہلاؤں لیکن ہاتف غیبی نے آواز دی، اے صفیہ! اپنے آپ کو زحمت نہ دے، کیوں کہ ہم نے اپنے محبوب کو پاک وصاف پیدا کیا ہے۔ پنجم: پھر جب میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ مولود لڑکی ہے یا لڑکا۔ تو میں نے دیکھا کہ حضور ختنہ کئے ہوئے اور ناف بریدہ پیدا ہوئے ہیں۔

(شواہد النبوۃ، از: علامہ جامی، اردو، ص۶۸)

● ابن عمر نے بروایت عمر بن عاصم کلابی روایت کی ہم سے ہمام بن یحییٰ از اسحاق بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ حضور پاک وصاف پیدا ہوئے یعنی آپ کے جسم اقدس کے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی آلودگی نہ تھی، اور جب آپ کو زمین پر رکھا تو آپ اپنے دست مبارک کے سہارے بیٹھ گئے۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۱۲۰)

● حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ اسی وقت سجدہ ریز ہوگئے ''فَوَضَعَتُ مُحَمَّدًا فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا

هُوَ سَاجِدٌ قَدْ رَفَعَ اُصْبُعَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ كَالْمُتَضَرِّعِ اَلْمُبْتَهِلِ ''یعنی جب حضور کی ولادت ہوئی تو میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ سجدہ کی حالت میں تھے، دونوں شہادت کی انگلیاں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور آپ پر تضرع وانکساری کی حالت طاری تھی۔

(انوار المحمدیہ، عربی، ص۴۳)

بعض روایات میں اس پہلے سجدے کی حالت میں امت کے لئے بخشش کی دعا بھی منقول ہے:

● ابن عدی اور ابن عساکر نے بہ روایت عطاء بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناف بریدہ اور مختون (ختنہ کئے ہوئے) پیدا ہوئے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۱۳۶)

مذکورہ واقعات کے علاوہ دیگر بہت سے واقعات کتب احادیث وسیر وتاریخ وغیرہ میں موجود ہیں۔ جو بخوف طوالت تحریر مذکور نہیں کئے گئے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان تمام واقعات کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ خلق تمہاری جمیل، اور اس کے بعد بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلق تمہارا جمیل، جو اخلاق آپ کے ہیں وہ ایسے افضل واعلیٰ ہیں کہ ان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ نے دشمنوں کو بھی مطیع وفرماں بردار بنادیا ہے۔ نوع انسانی کو آپ ہی کے طفیل اخلاق حسنہ حاصل ہوئے۔ شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہے کہ ''خلق تمہاری گدا''، یعنی پوری کائنات آپ کا بھکاری ہے۔ جس کو جو کچھ بھی ملا ہے، مل رہا ہے اور ملے گا۔ وہ سب کچھ آپ ہی کے طفیل اور آپ کی نگاہ عنایت سے مل رہا ہے۔ اس کی تفصیل شعر نمبر 15 اور شعر نمبر 74 میں ملاحظہ فرمائیں۔

(62)

اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی
اِنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہ ہی جان ہے

حل لغت:

رخ: رخسار، منھ، گال، طرف، جانب، سمت، کنارہ، حاشیہ، افق، توجہ، التفات، سامنا، رجحان، آگاہ، ایک تاج جو شاہان ایران پہنا کرتے تھے، شطرنج کا ایک مہرہ، رو، چہرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۷۰۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۱ ☆ کریم اللغات، ص ۷۸)

روشنی: نور، چمک، بصارت، رونق، آبادی، چراغاں، چمکتا۔
(فیروز اللغات، ص ۷۲۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۵ ☆ کریم اللغات، ص ۸۲)

چین: راحت، آرام، سکھ، اطمینان، قرار۔ (فیروز اللغات، ص ۵۵۸)

دو جہاں: دنیا وآخرت، دنیا اور دین۔
(فیروز اللغات، ص ۶۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۷۴)

اِنس: انسان، آدمی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۵)

اُنس: محبت، پیار، اختلاط، رغبت، میل، جول، سکون۔
(فیروز اللغات، ص ۱۳۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸)

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب وتواں، جوہر، مغز، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، معشوق، خوبی، خوبصورتی، زیب وآرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔ (فیروز اللغات، ص ۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''جان'' ہے اس کا مطلب ''روح'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''جان'' ہے اس کا مطلب ''حیات'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امامِ عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخِ انور کی نورانیت وروشنی کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کے رخِ انور کی روشنی سے دو جہاں چین پا رہے ہیں۔ آپ کے رخِ انور کی روشنی کے طفیل نوعِ انسان کو سکون ہے اور انسان کی روح کی حیات بھی اسی کے طفیل ہے۔ اس شعر میں دو تجنیسات ہیں ایک تجنیس کامل اور دوسری تجنیس ناقص۔

شعر کے مصرع ثانی کے آخر میں لفظ ''جان'' دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''جان'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے وہ دونوں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر تجنیس کامل کا ہے۔ شعر کے مصرع ثانی میں ابتداء میں ''اِنس'' اور ''اُنس'' الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ بھی باعتبار حروف مساوی ہیں۔ لیکن بہ اعتبار اعراب الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ صنعت تجنیس ناقص ہوئی۔ ایک ہی شعر میں بلکہ ایک ہی مصرع میں دو تجنیسات کا حسین انداز میں استعمال کرنا یہ صرف حضرت رضا بریلوی کا خاصہ ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مصرع اول میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخِ انور کی روشنی کا ذکر کیا ہے۔ وہ چہرۂ انور جس کی نورانیت اور روشنی کے سامنے آفتاب و ماہتاب کی روشنی کی بھی کوئی بساط نہیں۔ بلکہ چاند اور سورج میں جو روشنی ہے وہ بھی اسی رخِ انور کی روشنی کا صدقہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور خصوصاً آپ کا چہرۂ انور جمال الٰہی کا مظہر اور ید اللہ کا سب سے بہترین شاہکار تخلیق ہے۔ یہ

وہی رخِ انور ہے جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور توجہ کا مرکز ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پارہ ۳۰ / سورۂ والشّمس میں جو سورج کی قسم یاد دلائی ہے اس سے بعض مفسرین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور مراد لیتے ہیں۔

حضرت رضا فرماتے ہیں:

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم

- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس جمال ونور الٰہیہ کا مظہر اتم ہے، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ ''یعنی جس شخص نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔ امام نبہانی نے احمد بن ادریس کے حوالے سے مذکور حدیث میں ''الحق'' کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ تَعَالیٰ '' یعنی جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔

- عاشق رسول، حجۃ اللہ فی الہند، محقق علی الاطلاق، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے چہرۂ انور کو جمال الٰہی کا آئینہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اما وجہ شریف وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرآت جمال الٰہی ومظہر انوار نامتناہی وے بود'' یعنی آپ کا چہرۂ انور اللہ تعالیٰ کے جمال کے لئے آئینہ اور اس مقدس انوار الٰہیہ کا مظہر ہے کہ اس کی حد نہیں۔

(مدارج النبوۃ، فارسی، جلد ۱، ص ۳)

- حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت کے بعد اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں کہ ''رَاَیْتُ رَجُلًا ظَاھِرَ الْوَضَّاءِ مُبْتَھِجَ الْوَجْهِ '' یعنی آپ کے چہرۂ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور درخشندگی تھی۔ (سبل الہدیٰ، جلد ۲، ص ۵۶)

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ

رَّسُوْلِ اللّٰہِ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ ''یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا آپ کے چہرۂ اقدس میں آفتاب محوخرام تھا۔

● ایک مرتبہ حضرت عباس بن یاسر کے پوتے ابوعبیدہ نے حضرت ربیعہ بنت مسعود جو صحابیہ تھیں ان سے عرض کیا کہ آپ مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کے بارے میں کچھ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ''یَا بُنَیَّ لَوْ رَاَیْتَہٗ لَقُلْتَ الشَّمْسُ طَالِعَۃٌ'' یعنی اے بیٹے! اگر تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس دیکھتا تو پکار اٹھتا کہ جیسے سورج چمک رہا ہے۔ (الدارمی، جلد۱، ص۳۳)

● ابن عساکر نے حضرت ام المومنین محبوبۂ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ میں سحری کے وقت سی رہی تھی کہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ چراغ کی روشنی میں اسے بہت تلاش کی مگر نہ ملی۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کے چہرہ کی روشنی سے پورا کمرہ روشن ہوگیا اور اس روشنی میں میں نے اپنی سوئی دیکھ لی۔ (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۱۵۹)

اسی کو حضرت رضا بریلوی کے برادر اصغر حضرت حسن رضا بریلوی علیہما الرحمۃ و الرضوان فرماتے ہیں:

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب چودھویں رات کا چاند پورے شباب پر تھا۔ میں چودھویں رات کے چاند کے حسن و جمال کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے چاند کے چہرے سے نظر ہٹا کر حضور کے چہرۂ انور پر ڈالی۔ پھر میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ زیبا سے نظر ہٹا کر چاند کے چہرہ پر ڈالی ایسا میں نے چند

مرتبہ کیا۔ میں تقابل و موازنہ کر رہا تھا کہ دونوں میں سے کس کا چہرہ زیادہ چمک دار اور روشن ہے؟ بار بار کے تجزیہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن اور منور ہے۔ کیوں کہ چاند کے چہرہ میں سیاہ دھبہ ہے۔ لیکن حضور کا چہرۂ انور صاف اور درخشاں ہے۔ اسی واقعہ کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے قصیدہ نوریہ میں اس طرح بیان کیا ہے:

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

مذکورہ واقعات کے علاوہ کئی واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں کہ چہرۂ اقدس کے حسن و جمال کا وہ اعجاز تھا کہ چہرۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے عمر بھر کا کفر ٹوٹ گیا اور دولت ایمان نصیب ہوئی علاوہ ازیں اجلہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور کے چہرۂ انور کا دیدار کر کے دل کا چین و سکون پاتے ہیں۔ شعر نمبر 92 ''جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر'' کی تشریح میں اس طرح کے واقعات کا مطالعہ کریں۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''اِنس کا اُنس اسی سے ہے'' یہ جملہ اتنا جامع اور معنی خیز ہے کہ صرف اسی کی تشریح میں دفاتر لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہاں پر اختصاراً صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سبب تخلیق کائنات اور وجہ بقائے نوع انسانی ہے۔ تمام انسان صرف اسی بارگاہ کے صدقہ و طفیل باقی ہیں۔ اور اپنی آسائش زندگی پاتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت نے پورے عالم کو عموماً اور ملت اسلامیہ کو خصوصاً یہی پیغام دیا ہے کہ اسی مقدس بارگاہ سے سب کچھ ملتا ہے اسی بارگاہ میں پناہ اور چین و سکون ہے۔

● حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''وَھُوَ اَمَانُ الدُّنْیَا وَسِرَاجُ اَھْلِھَا'' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام دنیا کی

پناہ اور اہل عالم کے سورج ہیں۔ (الامن والعلی، از: امام احمد رضا بریلوی، فصل دوئم، حدیث ص ۲۱، ۲۸)

- طبرانی نے کبیر میں حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''لَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ اِلَّا اَنَا مُمۡسِکٌ لِحِجۡرَتِهٖ اَنۡ یَّقَعَ فِیۡ النَّارِ '' یعنی تم میں ایسا کوئی نہیں کہ میں اس کا کمر بند پکڑے روک نہ رہا ہوں کہ کہیں آگ میں نہ گر پڑے۔

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ مومن کو جہنم کا ڈر ہمیشہ لگا رہتا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے وہ بے چین رہتا ہے اس کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی قلوب مومنین کو چین و سکون عطا کرتا ہے۔

- احمد، طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمایا ہے کہ جب سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے یتیم بچوں کو خدمت اقدس میں یاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے اور میری والدہ نے حاضر ہو کر حضور پناہ بیکساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہماری یتیمی کی شکایت عرض کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ان پر محتاجی کا اندیشہ کرتی ہو؟ ''اَنَا وَ لِیُّهُمۡ فِیۡ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ '' یعنی میں ان کا ولی اور کارساز ہوں، دنیا اور آخرت میں۔

- حضرت ایاس بن سلمہ نے اپنے والد سلمہ بن اکوع سے اور یزید بن ابی عبید نے بھی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ غزوۂ خیبر شریف میں خیبر کو جاتے ہوئے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور رجز یعنی آپ کی تعریف اور آپ کے مرتبہ عالیہ کی شان و شوکت بیان کرنے والے اشعار پڑھتے ہوئے چلے وہ اشعار اس طرح ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَوۡ لَا اَنۡتَ مَا اهۡتَدَیۡنَا
وَ لَا تَصَدَّقۡنَا وَ لَا صَلَّیۡنَا

●

فَاغۡفِرۡ فِدَاءً لَّكَ مَا اَبۡقَیۡنَا
وَاَلۡقَیَنۡ سَکِیۡنَةً عَلَیۡنَا

●

وَ ثَبِّتِ الۡاَقۡدَامَ اِنۡ لَا قَیۡنَا
وَ نَحۡنُ عَنۡ فَضۡلِكَ مَا اسۡتَغۡنَیۡنَا

ترجمہ: خدا گواہ ہے یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ زکوٰۃ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔

ہم حضور پر قربان جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں وہ بخش دیجئے، اور ہم پر حضور سکینہ اتاریں

اور جب ہم دشمنوں کے مقابل ہوں تو حضور ہم کو ثابت قدم رکھیں۔ ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند احمد وغیرہا میں سلمہ بن اکوع سے بطریق جیدہ ہے۔ اور پچھلا مصرع زیادات صحیح مسلم اور امام احمد سے ہے۔

(الامن والعلیٰ، ص ۸۳)

- مذکورہ حدیث کے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون اونٹوں کو رواں کرتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! عامر بن اکوع ہیں مسند احمد و صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تیرا رب تیری مغفرت فرمائے

اور ایسی جگہ جب کسی شخص کا نام لے کر آپ دعائے مغفرت فرماتے تو وہ شخص شہید ہو جاتا تھا۔
صحیح مسلم میں ابن اسحٰق نے بروایت محمد بن ابراہیم بن الحارث نے ابی ہیثم بن نصر بن دہر اسلمی سے یہ روایت کی ہے کہ ''فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ وَجَبَتْ وَ اللّٰہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ اَمْتَعْتَنَا بِهٖ فَقُتِلَ یَوْمَ خَیْبَرٍ شَهِیْدًا ''یعنی حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ خدا کی قسم! عامر بن اکوع کی شہادت واجب ہوگئی۔ یارسول اللہ! کاش حضور ہمیں ان کی زندگی سے بہرہ یاب رکھتے وہ روز خیبر شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث کے ان الفاظ پر قارئین کرام غور فرمائیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! عامر بن اکوع کو زندہ رکھئے ہم کو ان کی زندگی سے فائدہ اٹھانے دیجئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو چاہیں اس کو زندہ رکھنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ اگر یہ عقیدہ شرک ہوتا تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی اس طرح کی خواہش نہ رکھتے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر فاروق اعظم کی اس خواہش پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ اے عمر کیسی خواہش مجھ سے رکھتے ہو میرے ساتھ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ بلکہ کچھ بھی نہ فرمایا۔ اگر شرک ہوتا تو حضور ضرور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔

طبرانی نے اوسط میں، ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں، ابوالحسن نے فوائد میں، خطیب نے تلخیص میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ''کَفَاكَ اللّٰہُ اَمْرَ دُنْیَاكَ وَ اَمَّا

اَمْرُ اٰخِرَتِكَ فَاَنَا لَهَا ضَامِنٌ ''یعنی اللہ تیرے دنیا کے کام درست کر دے اور تیری آخرت کے معاملہ کا تو میں ذمہ دار ہوں۔

امام جلیل حضرت علامہ جلال الدین سیوطی صاحب تفسیر جلالین شریف، رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب ''جمع الجوامع'' میں اس حدیث کی نسبت فرمارہے ہیں کہ ''سَنَدُهٗ صَحِیْحٌ ''یعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مذکورہ تمام واقعات اور دیگر اسی قسم کے واقعات کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا کہ ''اِنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہی جان ہے'' مزید تفصیل کے لئے شعر نمبر 125 کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

❁......❁......❁

(63)

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں

وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

حل لغت:

نثار: صدقے، قربان، فریفتہ، واری، بکھیرنا، نچھاور کرنا، تصدق کرنا، وہ چیز جو کسی کے سر پر سے اتار کر نچھاور کی جائے۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۵۲☆لغات کشوری، ص۷۶۹☆ کریم اللغات، ص۱۸۰)

کلام: سخن، بات، گفتگو، شعر وسخن، نظم، مقولہ، قول، ملفوظات، تصنیف، مضمون، اعتراض، عذر، بات کرنا، اصطلاح علم نحو میں وہ عبارت جو مرکب ہو دو کلموں سے۔

(فیروز اللغات، ص۷۸۴☆لغات کشوری، ص۳۷۳☆ کریم اللغات، ص۸۹)

سخن: بات، گفتگو، کلام، قول، عہد، شعر، مقولہ، اعتراض۔ (فیروز اللغات، ص۷۸۴)

بیان: صاف، روشن، واضح، وعظ، تقریر، گفتگو، ذکر، اظہار، شہادت، گواہی، اطلاع، بات، کلام، خبر، ظاہر کرنا، کہنا، لیکچر، رپورٹ، مقولہ۔ (فیروز اللغات، ۲۵۰)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''سخن'' ہے اس کا مطلب ''کلام'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''سخن'' ہے اس کا مطلب ''اعتراض'' ہے۔

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''بیاں'' ہے اس کا مطلب ''وعظ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''بیاں'' ہے اس کا مطلب ''اظہار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و

مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام وعظ، سخن اور بیان کے اعجاز اور ان کی بے مثالی کی مدح وثنا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کے کلام پر قربان جاؤں کیوں کہ آپ کا کلام بے مثل ومثال ہے۔ حالاں کہ کلام کرنے کے لئے اللہ نے سب کو زبان دی ہے لیکن آپ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ کیوں کہ آپ کا جو سخن یعنی کلام ہے اس میں کسی کو بھی سخن یعنی اعتراض کی گنجائش ہی نہیں اور آپ کا جو بیان یعنی وعظ وخطبہ ہے اس کی بے مثالی کا تو ہم بیان یعنی اظہار نہیں کر سکتے۔ اس شعر میں کلام، سخن اور بیان الفاظ کو حضرت رضا بریلوی نے استعمال فرمایا ہے۔

کلام، سخن اور بیان یہ تینوں الفاظ اسم ہیں۔ علاوہ ازیں لفظ سخن اور بیان کو تکرار کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا کلام، سخن، اور سخن، سخن اور بیان، بیان کل پانچ الفاظ اس شعر میں ہیں۔ پانچوں کی اصل کلام، سخن اور بیان تین الفاظ ہے اور تینوں الفاظ بہ اعتبار لغت قریب قریب ہم معنی ہیں۔ یہ تینوں الفاظ بوجہ تکرار کے پانچ الفاظ ہو گئے۔ اور اس شعر میں ان پانچ الفاظ کے معنی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل دو مرتبہ ہے۔ سخن اور سخن دونوں حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن بہ اعتبار معنی متفرق ہونے کی وجہ سے ایک تجنیس ہوئی۔ اسی طرح بیان اور بیان کی دوسری تجنیس ہوئی۔

اب ہم کلام، سخن اور بیان میں کیا فرق ہے؟ اسے دیکھیں۔ کلام کا اطلاق جامع گفتگو پر ہوتا ہے۔ یعنی جس میں الفاظ تو کم تعداد میں ہوں لیکن معانی کے اعتبار سے اس میں علم و عرفان کے سمندر موجیں مارتے ہوں۔ اس کائنات میں سب سے اعلیٰ جامع کلام اللہ رب العالمین کا مقدس کلام یعنی قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو عام اور خاص اصطلاحات میں ''کلام اللہ'' اسی لئے کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید ''سخن اللہ'' یا ''بیان اللہ'' نہیں کہا جاتا۔ کیوں کہ ان لفظوں میں اس مقدس کتاب کی شان اور کلام کی جامعیت کا کما حقہٗ اظہار نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک

وتعالیٰ کے کلام کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام شان جامعیت کا حامل ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اِنِّـی قَدْ اُعْـطِیْـتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ'' یعنی مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا ہے۔ سخن اس گفتگو کو کہتے ہیں کہ آدمی عام طور سے اپنے متفرق حال اور امور میں بات چیت کرتا ہے۔ بیان اس کو کہتے ہیں کہ آدمی برائے نصیحت اور دیگر امور مثلاً: تعلیم احتجاج وغیرہ کے طور پر وعظ، تقریر یا خطبہ کے انداز میں بولے۔ لیکن ان تینوں صورتوں میں اہم شرط یہ ہے کہ کلام، سخن اور بیان کی آواز انسان کی زبان سے ادا ہو۔ اور اس آواز کے طور پر جو الفاظ اس کی زبان سے نکلیں ان کا کچھ نہ کچھ معنی ضرور ہو۔ پھر وہ چاہے اچھے معنی پر مشتمل ہوں۔ یا برے معنی پر۔ اسی لئے تو حضرت رضا نے شعر کے مصرع اول میں لفظ زبان کا استعمال فرمایا ہے کیوں کہ زبان کا اطلاق بولی یا بھاشا یا لسان یا (Language) پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً: اردو زبان، فارسی زبان، ہندی بھاشا، انگلش زبان وغیرہ۔ اسی لئے جانور کے بولنے کو کلام، سخن یا بیان نہیں کہتے۔ یوں ہی انسان کی زبان کے علاوہ کسی عضو سے نکلی ہوئی آواز کو بھی کلام، سخن یا بیان نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً: کسی نے اپنے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں چٹکائی، یا تالی بجائی یا زور سے ریح خارج کی۔ اور اس کے نتیجے میں جو آواز سنائی دی اس کو بھی کلام، بیان یا سخن نہیں کہا جائے گا۔ یوں ہی انسان کی زبان یا منھ سے بے معنی یا لغو آواز نکلی مثلاً: کھانسی آئی، خوب زور سے چھینک آئی اور گلے سے بھی آواز نکلی، سیٹی بجائی اور کسی کو روکا، بیل یا گھوڑے کا ہانکنے کے لئے ڈور یا ہوڑ کی آواز نکالی تو اس کو بھی کلام، سخن یا بیان میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ یوں ہی اگر گونگا شخص اپنی زبان سے اب اب یا ہو ہو کی آواز نکالے وہ بھی کلام، سخن یا بیان نہیں، کیوں کہ اس پر عربی زبان کے لفظ ''نطق'' کا اطلاق نہیں ہوگا۔ نطق کا لغوی معنی ہے بولنا یا بات کرنا، اسی لئے انسان کو ''حیوان ناطق'' کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کلام، سخن اور بیان کی مختصر تعریف ذہن نشین کرنے کے بعد اب حضرت رضا بریلوی

علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کو احادیث کی روشنی میں پرکھیں۔ ایک حدیث تو مندرجہ بالا ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں میں عربی زبان ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں اس کے مقابل ماند ہیں۔ عربی زبان کی ابتداء حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام سے ہوئی۔ لیکن آپ کے بعد وہ ہر زمانہ میں دیگر زبانوں کی طرح ترمیم واضافہ کا شکار ہوتی رہی جس سے وہ زبان خالص نہ رہ کر مخلوط زبان بن گئی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں عربی زبان کو حیات نو ملی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو خالص عربی زبان کی تعلیم سے سرفراز فرما کر اس دنیا میں بھیجا۔

● امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان ہی رہے لیکن آپ کی زبان سب سے فصیح و بلیغ ہے۔ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا ''کَـانَـتْ لُـغَۃُ اِسْمَاعِیْلَ قَدْ دَّرَسَتْ فَجَاءَ بِھَا جِبْرِئِیْلُ فَحَفِظْتُھَا'' یعنی اسماعیل کی زبان مٹ چکی تھی۔ جبرئیل میرے پاس وہ لے کر آئے میں نے اسے محفوظ کر لیا۔

● حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سرکار کی فصاحت اور بلاغت دیکھی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایک ہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ لیکن آپ ہر زبان کے لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو فرما لیتے ہیں۔ حالاں کہ ہم ان کی بات تک نہیں سمجھ پاتے۔ آپ نے فرمایا، اے علی! ''اَدَّبَـنِـیْ رَبِّی فَـاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ'' یعنی میری تربیت میرے رب نے کی ہے اور بہت ہی خوب کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو پوری کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور رسول کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوتے ہیں اس کی زبان سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

’’وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ۔‘‘

ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں بتائے۔

(پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۴، کنز الایمان)

تو جب آپ پوری کائنات کے لئے رسول ہیں تو لازم ہے کہ آپ کو کائنات کی ہر زبان کا علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی بھی کسی ملک کا باشندہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا، آپ اس کی زبان میں اس سے گفتگو فرماتے اور یہ دیکھ کر خود صحابۂ کرام بھی حیرت میں پڑ جاتے۔

- حضرت کعب بن عاصم اشعری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اہل یمن کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو اپنی زبان میں گفتگو کی، آپ نے بھی ان سے انہیں کی زبان میں گفتگو فرمائی۔
- حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کسی دوسری زبان میں گفتگو فرماتے تو صحابہ سمجھ نہ پاتے۔ (وفاء الوفاء، ص ۴۵۶)

یہاں تک تو قرآن واحادیث کی روشنی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اللسان کے متعلق روایات مذکور ہوئیں۔ لیکن ایک امر کی وضاحت کردینا ضروری ہے کہ ہر ذی علم کے لئے لازم نہیں کہ وہ فصیح اللسان ہو اور علم بلاغت یعنی تقریر کرنے میں مہارت رکھتا ہو، بارہا کا مشاہدہ ہے کہ وہ عالم جو علم کا بہتا سمندر ہوتا ہے۔ جس کے علم کا لوہا سب مانتے ہیں لیکن تقریر کرنے کے لئے جب میدان میں آتا ہے تو ناکام رہتا ہے۔ لوگوں کو اس کا انداز بیان پسند نہیں آتا۔ اور اٹھ کے چلے جاتے ہیں۔ لیکن جو علم کے معاملہ میں صف آخر کی بھی حیثیت نہ رکھتا ہو، مگر فن بلاغت کی وجہ سے مجمع پر چھا جاتا ہے اور اس کی تقریر میں مجمع ٹھاٹھیں مارتے

ہوئے سمندر کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ (تقریر اور بیان) کی کیفیت کیا تھی؟ وہ صحابۂ کرام کی مقدس زبانی سماعت فرمائیے۔

- خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں یہاں تک عرض کیا کہ ’’لَقَدۡ طُفۡتُ فِیۡ الۡعَرَبِ وَ سَمِعۡتُ فَصَاحَتَهُمۡ فَمَا سَمِعۡتُ اَفۡصَحَ مِنۡكَ‘‘ یعنی میں سارا عرب گھوما ہوں اور عرب کے فصحاء کو بھی سنا ہے مگر آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔
- حضرت برہ بن عامر ثقفیہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر فصیح عرب میں پہلے پیدا ہوا نہ پیدا ہوگا۔
- حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے اور وہ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے تو محسوس ہوتا کہ ہم ان کا مشاہدہ کررہے ہیں۔
- حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی نصیحت اور وعظ فرمایا کہ جس سے دل پگھل گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ پڑے۔
- حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجلس کے درمیان کھڑے ہوکر خطبہ دیا، دوران خطبہ آپ نے قبر کے احوال کا تذکرہ فرمایا، جو کسی مرنے والے کو پیش آئیں گے۔ پس آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو تمام اہل مجلس میں چیخ وپکار شروع ہوگئی۔
- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ اس طرح کا خطبہ کبھی پہلے نہیں سنا گیا تھا۔ جب آپ نے یہ کلمات

ارشاد فرمائے ''کہ اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنسنا چھوڑ دو اور روتے ہی رہو'' یہ سن کر صحابۂ کرام نے اپنی اپنی چادروں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

مذکورہ تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام، سخن اور بیان پر قربان ہونے کی خواہش اور جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ''میں نثار تیرے کلام پر'' پھر مصرع ثانی میں سخن اور بیان کی مدح وثنا کی ہے۔ لیکن اس مصرع میں حضرت رضا بریلوی نے ''وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں'' فرما کر شعر میں ایک نئی جان ڈال دی ہے۔ حالاں کہ یہ شعر اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ ''وہ بیاں ہے جس میں سخن نہ ہو وہ سخن ہے جس کا بیاں نہیں'' لیکن اس طرح سے کہنے میں اور حضرت رضا نے جس طرح کہا ہے اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیوں کہ حضرت رضا نے ''وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو'' یعنی یہ وہ سخن ہے کہ جس میں جائے اعتراض نہیں۔ اور اگر اس کو ''وہ بیاں ہے جس میں سخن نہ ہو'' میں تبدیل کر دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ عظ وخطبہ ہے جس میں جائے اعتراض نہیں۔ بظاہر تو کوئی فرق نہیں۔ حقیقت میں گہرا فرق ہے۔ ایک ہے سخن میں اعتراض ہونا، اور ایک ہے وعظ میں وخطبہ میں اعتراض ہونا۔ دونوں میں عظیم فرق ہے۔ کیوں کہ سخن کی ہم آگے تعریف کر چکے ہیں کہ آدمی عام طور پر اپنے متفرق احوال اور امور میں جو بات چیت کرتا ہے اس کو سخن کہتے ہیں۔ اس کی ایک مزید وضاحت یہ بھی ہے کہ پھر چاہے وہ گفتگو جلوت میں ہو یا خلوت میں اور بیان کی تعریف یہ ہے کہ کسی مجلس میں مجمع کے سامنے بحیثیت واعظ، خطیب، یا مقرر کے بولے۔ دونوں صورتوں میں اس کے بولنے کی کیفیت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب کوئی مقرر یا خطیب کسی مجمع کے سامنے بولتا ہے تو بہت احتیاط سے بولتا ہے۔ کیوں کہ مجمع میں

مختلف علمی حیثیت رکھنے والے سامعین ہوتے ہیں۔ اگر بولنے میں ذرا بھی چوک یا لغزش ہو گئی تو فوراً گرفت ہو گی۔ اور اعتراض ہو جائے گا۔ اس لئے وہ ہر لفظ و ہر جملہ تول تول کر محتاط ہو کر ہی گفتگو کرتا ہے۔ لہٰذا وعظ وخطبہ میں اعتراض ہونے کے امکان بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ بمقابل سخن کے کہ اس کی بات چیت یا گفتگو کے وقت اس کے ارد گرد معدودے چند حضرات اور وہ بھی اس کے خاص الخاص احباب ہی موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ بے تکلف اور غیر محتاط ہو کر بات چیت کرتا ہے، کبھی ہنسی مذاق کی باتیں بھی صادر ہوتی ہیں۔ کیوں کہ اس کو گرفت یا اعتراض کا خوف نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ بے دھڑک بے لگام ہو کر بولتا ہے۔ یہ ذہنیت انسانوں میں اکثریت کی ہے۔

الحاصل! عام انسانوں کے سخن میں بے احتیاطی کی ایسی بہت سی باتیں ہوتی ہیں کہ اس پر بہت سارے اعتراضات قائم ہو سکتے ہیں۔ لیکن بیان میں اس کے بہت ہی کم امکان ہوتے ہیں۔ یہ تو ہوئی عام انسانوں کی بات اسی بات پر حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں کہ عام انسانوں کے سخن میں تو سخن (اعتراض) کی بہت گنجائش ہے۔ لیکن میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سخن (کلام) تو اتنا مقدس ہے کہ اس میں سخن (اعتراض) کا امکان ہی نہیں ان کی گفتگو چاہے انداز سخن میں ہو، چاہے انداز بیان میں ہو، چاہے بھری محفل میں ہو، چاہے چند اشخاص کے روبرو ہو، چاہے دینی امور ہوں، چاہے دنیوی امور ہوں، جلوت ہو، چاہے خلوت، ہر حال میں ان کی گفتگو پاک اور منزہ، مجلّا اور مبرا ہی ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى''

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے

(پارہ ۲۷، سورۃ والنجم، آیت ۳، کنزالایمان)

جس مقدس زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو خالق کائنات ہی جب وحی الٰہی فرمارہا

ہے۔اس زبان اقدس سے نکلے ہوئے کسی بھی سخن میں سخن (اعتراض) کی گنجائش وامکان ہو ہی نہیں سکتا۔ مصرع ثانی کے آخر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں'' کا جو جملہ استعمال فرمایا ہے وہ بھی سخن والے جملے کی طرح معنی خیز ہے اس پر بھی تفصیل سے بحث کی جاسکتی ہے، لیکن طوالت مضمون کے خوف سے اختصاراً صرف ایک ہی جملہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ (بیان) کی وہ بلند شان وعظمت ہے کہ جس کا بیان (تذکرہ، اظہار) کرنا کما حقہ ممکن ہی نہیں۔

❖……❖……❖

(64)

جو تیرے در سے یار **پھرتے** ہیں
در بدر یوں ہی خوار **پھرتے** ہیں

حل لغت:

در: دروازہ، پھاٹک، آستانہ، اندر، بیچ، نیک کام، نیکی، خوبی، مینھ کا بہت برسنا۔

(فیروز اللغات، ص ۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۳)

پھرنا: ٹہلنا، گھومنا، چہل قدمی کرنا، سیر کرنا، گردش میں آنا، چکر لگانا، تبدیل ہونا، بدل جانا، متوجہ ہونا، براز کی حالت رفع کرنا، ٹیڑھا ہونا، مکرنا، پلٹنا، چکر آنا۔

(فیروز اللغات، ص ۳۱۵)

پھر جانا: لوٹ جانا، واپس ہوجانا، پلٹ جانا، مڑنا، لچکنا، ٹیڑھا ہونا، قائم نہ رہنا، بے وفائی کرنا، باغی ہونا، منحرف ہونا، حالت غیر ہوجانا، ہوکر چلا جانا، چکر لگانا، گردش کرنا، گھومنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۱۵)

در بدر: در در، دروازہ بہ دروازہ، جگہ جگہ۔ (فیروز اللغات، ص ۶۱۸)

خوار: ذلیل، رسوا، آوارہ، سرگرداں، پریشان، خراب، خستہ، بے اعتبار، مرکبات میں کھانے والا مثلاً: غم خوار، پینے والا مثلاً: خوں خوار، مے خوار، نام ایک موضع کا عراق میں کہ وہاں کی زمین بہت سخت اور کم زراعت ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۰ ☆ کریم اللغات، ص ۶۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' اس کا مطلب ''باغی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' اس کا مطلب ''گھومنا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ، مالک کائنات، مختارکل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار عالی وقار کی عظمت وشان وجلال ودبدبہ اور ہیبت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اپنے آقا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کا دربار وہ دربار ہے کہ آپ کے دربار سے باغی ہوکر جو بھی پھرتا ہے اس کا حشر یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل وخوار مارا مارا پھرتا ہے۔ اس کا کہیں بھی ٹھکانہ نہیں وہ اپنی تمام عزت و شان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ آپ کے در سے پھرنے والا در در بھٹکتا ہے۔ لیکن اسے ذلت و خواری سے ہی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تمام زندگی وہ دنیا میں رسوا ہوکر ہی جیتا ہے اور رسوائی کے عالم میں ہی وہ آخرت کا عذاب بھگتنے کے لئے ذلت کی موت مرتا ہے۔

اس شعر میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے عہد رسالت کے چند واقعات کا اشارہ کیا ہے، جن میں سے کچھ واقعات پیش خدمت ہیں۔

● بخاری شریف جلد اول کتاب المناقب میں ہے کہ ایک شخص کاتب وحی تھا، یعنی وحی لکھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی، لیکن اس پر کچھ ایسی پھٹکار پڑی کہ مرتد ہوگیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگانے لگا اور آپ کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہنے لگا۔ جب وہ مرتد مرگیا تو زمین نے اسے اپنے اندر سے باہر نکال کر پھینک دیا۔ اس مرتد کے دوست و احباب نے یہ سمجھا کہ شاید اصحاب رسول نے اس کی لاش زمین سے کھود کر باہر نکال دی ہے۔ اس لئے دوسری مرتبہ گہرا گڑھا کھود کر اس میں دفن کیا۔ لیکن زمین نے قبول نہ کیا، اور اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ اس مرتد کے احباب نے پھر دفنایا لیکن پھر وہی نتیجہ ہوا۔ غرض کئی بار دفن کیا گیا مگر ہر مرتبہ نعش باہر آگئی۔ ثابت ہوا کہ نبی کے در سے پھرنے والے کو زمین بھی قبول

نہیں کرتی۔ اور وہ وہاں سے بھی خوار کرکے ٹھکرایا جاتا ہے۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ، اور حضرت ام کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں کے نکاح میں تھیں، یہ نکاح صغرسنی میں ہوئے تھے اور رخصتی نہ ہوئی تھی۔ سیدتنا رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عتبہ بن ابولہب کی زوجیت میں اور سیدتنا ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا عتیبہ بن ابولہب کی زوجیت میں تھیں۔ جب ابولہب کی مذمت میں قرآن شریف میں ''تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ'' نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ ورنہ میں تم کو اپنی میراث سے محروم کردوں گا۔ چنانچہ عتیبہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر معذرت کرکے طلاق دے دی۔ لیکن جب عتبہ بارگاہ رسالت میں آیا تو گستاخی سے پیش آیا۔ اور کہا کہ ''میں کافر ہوا آپ کے دین سے، نہ آپ کا دین مجھے محبوب اور نہ ہی آپ مجھے پیارے ہیں'' اس کمبخت نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ زیادتی کی اور آپ کی قمیص مبارک کو چاک کردیا، اور اپنے ناپاک منھ کا تھوک حضور کی جانب پھینک کر کہا کہ میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق دی۔ عتبہ بن ابولہب کے اس گستاخانہ رویہ کے جواب میں حضور نے عتبہ کو کچھ بھی نہ کہا بلکہ اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی کہ ''اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَیْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ'' یعنی اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کردے۔ عتبہ یہ سن کر کانپ گیا۔ ابولہب نے بھی کہا کہ اب میرے بیٹے عتبہ کی خیر نہیں۔ کیوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی دعائے بد و دعائے ہلاکت اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ ابولہب ہر طرح اپنے بیٹے عتبہ کی حفاظت اور نگرانی کرنے لگا۔ ایک مرتبہ یہی عتبہ تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام گیا، ابولہب نے قافلہ کے غلاموں کو خاص تاکید کی کہ وہ عتبہ کی اچھی نگرانی کریں اور رات کو سوتے وقت عتبہ کو بیچ میں سلائیں۔ ایک رات جب کہ قافلہ والے سو رہے تھے کہ جھاڑی سے ایک شیر نکلا اور قافلہ کے ہر شخص کا منھ سونگھتا پھرا، سب کو چھوڑ دیا لیکن جب عتبہ کا منھ سونگھا تو عتبہ کو سینے کے حصہ سے پھاڑ ڈالا اور

ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کی گردن دبوچ دی اور اس کو جہنم رسید کر دیا۔

(مدارج النبوۃ، اردو، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جلد۲، ص۵۸۷)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی کرنے والے کے منھ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ جس سے جانور تک کو پتہ چل جاتا ہے کہ گستاخ رسول کا منھ ہے۔

● عتبہ بن ابولہب کی ہلاکت کے واقعہ کو بیہقی نے ابوقتادہ سے اور ابن اسحٰق و ابونعیم نے مرسلاً محمد بن کعب قرظبی وغیرہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ عتبہ جب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ملک شام کے سفر پر گیا تو شام میں ''زرقاء'' نامی ایک مقام پر قافلہ ٹھہرا، رات میں ایک شیر آیا اور چکر لگایا، عتبہ کو پکڑ لیا، جب شیر نے عتبہ کو پکڑا تب عتبہ چیختا تھا کہ ہائے، ستیاناس! یہ شیر خدا کی قسم مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے میرے لئے دعائے ہلاکت کی تھی اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی مجھے قتل کر دیا، پھر اس شیر نے لوگوں کے سامنے عتبہ کا سر دبوچ لیا اور چبا ڈالا۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو، جلد۱، ص۳۱۰)

● حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتبہ کے مذکورہ واقعہ کو قلم بند کرتے ہوئے کئی اشعار کہے ہیں، جنہیں امام اجل علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی، صاحب تفسیر جلالین نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ جلد اول میں نقل کیے ہیں۔ جو واقعی پڑھنے کے لائق ہیں۔

● ثعلبہ بن حاطب نام کے ایک شخص نے ایک مرتبہ زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ خاطر اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس انکار سے بہت ناگواری ہوئی، پھر چند دنوں کے بعد ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر عاجزی کرتا ہوا حاضر ہوا، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ثعلبہ بن

حاطب زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا، تو خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی منظور نہ فرمایا۔ پھر جب امیر المونین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا تو انہوں نے بھی زکوٰۃ لینے سے انکار فرما دیا، الغرض کسی بھی خلیفہ نے ثعلبہ کی زکوٰۃ قبول نہ کی اور یہ کہہ کر رد فرمایا کہ جس کی زکوٰۃ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رد فرما دی ہو، ہم میں یہ جرأت و ہمت نہیں کہ اس کو قبول کر لیں۔

(تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان)

● بیہقی اور ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ ''اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ (۱) ولید بن مغیرہ (۲) اسود بن عبد یغوث (۳) اسود بن مطلب (۴) حارث بن عیطل سہمی (۵) عاص بن وائل و دیگر کفار قریش حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات سے استہزاء کرتے تھے۔ ان تمام کی ذلت آمیز اور عبرتناک موتیں واقع ہوئیں۔ جس کی تفصیلی بحث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تفسیر مسند میں فرمائی ہے۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۳۱۰)

انہیں تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا ہے کہ:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

(65)

لو وہ آیا مرا حامی مرا غمخوار امم
آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

حل لغت:

حامی: حمایتی، مددگار، حمایت کرنے والا، نگاہ رکھنے والا، سوزاں، نہایت گرم، جلتا ہوا۔

(فیروز اللغات، ص ۵۶۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۲۴ ☆ کریم اللغات، ص ۵۵)

غم خوار: ہمدرد، دکھ درد کا شریک، یار، دوست، جو اپنا غم کھائے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۱۷ ☆ لغات کشوری، ص ۵۲۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۴)

امم: امت کی جمع، امتیں، آدمیوں کے گروہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۲ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶)

جاں: جان، روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، ہمت، حوصلہ، تاب وتواں، جوہر، مغز، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، معشوق، خوبی، خوبصورتی، زیب و آرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔

(فیروز اللغات، ص ۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

تن: جسم، پنڈا، شخص، آدمی، فرد، آلائش نفسانی، کدورت بشری۔

(فیروز اللغات، ص ۳۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۱۶۴ ☆ کریم اللغات، ص ۴۱)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''جاں'' ہے اس کا مطلب ''حیات'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''جاں'' ہے اس کا مطلب ''روح'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان آپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت اور مدد پر ناز کرتے ہوئے، مچلتے ہوئے اور فرط و خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو! دیکھو! وہ کون آرہے ہیں؟ ہاں! ہاں، وہ تو میرے حامی یعنی حمایت کرنے والے میرے غم خوار بلکہ تمام امتیوں کے غم دور کرنے والے آگئے ہیں۔ جب وہ آگئے ہیں تو اب مجھے کوئی فکر وتشویش نہیں، ارے وہ کیا آئے؟ ان کے آتے ہی میری بے کیف زندگی میں بہار آگئی اور یہ سب ان کے آنے کی بدولت ہوا ہے۔ کتنا مبارک ہے ان کا تشریف لے آنا۔

اس شعر میں لفظ ''جاں'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے دونوں مرتبہ لفظ ''جاں'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف۔ اس لئے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

یہ شعر امام رضا محدث بریلوی کی مشہور نعت:

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

کا بیسواں شعر ہے۔ اس نعت میں آپ نے میدان محشر کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور اتنے دلکش انداز میں ولولہ خیز الفاظ میں نعت کہی ہے کہ پڑھتے وقت آنکھوں سے اشک رواں ہوجاتے ہیں۔ اسی نعت کا ایک شعر:

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

جو اس کتاب میں شعر نمبر 19 ہے، اس کی تشریح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر ہے۔ جو میں نے بہت ہی اختصار کے ساتھ کیا ہے۔ علاوہ ازیں شعر نمبر 37، 78 اور 79 میں حضور اکرم، سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ کا ذکر خیر کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ قارئین سے مودبانہ التماس ہے کہ مذکورہ اشعار کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت واعانت اور دستگیری کا ذکر کیا ہے، لیکن اس شعر کے مصرع اول میں ''غم خوار امم'' یعنی تمام امتیوں کے غم خوار کا جملہ استعمال فرما کر شعر کی معنویت اور جامعیت میں انوکھا اضافہ کیا ہے۔ لفظ امم جمع ہے امت کی اس کے معنی ہوئے بہت سی امتیں۔ تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف اپنی امت یعنی امت محمدیہ کے غم خوار نہیں ہیں۔ بلکہ تمام امتیوں کے غم خوار ہیں۔ اور بے شک یہ حق ہے اور اس کی حقانیت وصداقت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا'' (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۴۱)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ اپنی اپنی امتوں پر گواہ بنا کر لائے گا کہ وہ اپنی امت کے ایمان وکفر ونفاق اور تمام افعال پر گواہی دیں۔ کیوں کہ انبیاء اپنی امتوں کے افعال سے باخبر ہوتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام انبیاء کی

گواہی درست ہونے کی گواہی دیں گے۔ کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ اور سارا عالم حضور کی امت ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس سلسلے میں ایک اور آیت پاک کی تلاوت کا شرف حاصل کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔'' (پارہ ۲، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۴۳)

ترجمہ: اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آخرت میں جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے اور کفار سے فرمایا جائے گا کہ تمہارے پاس میری طرف سے ڈرانے اور احکام پہنچانے والے نہیں آئے؟ تو وہ کفار انکار کریں گے کہ کوئی نہیں آیا۔ حضرات انبیائے کرام سے دریافت کیا جائے گا تو وہ عرض کریں گے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم نے انہیں تبلیغ کی ہے۔ اس پر دلیل طلب کی جائے گی اس پر انبیائے کرام عرض کریں گے کہ امت محمدیہ ہماری گواہ ہے۔ اس پر یہ امت انبیائے کرام علیہم السلام کی موافقت میں گواہی دے گی۔ اور امت کی گواہی کی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصدیق فرمائیں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اسی سلسلہ میں اس آیت کریمہ کی مزید تفسیر و وضاحت کرتے ہوئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ''ہر نبی کو ان کی امت کے احوال پر مطلع کیا جاتا ہے تا کہ روز قیامت وہ شہادت دے سکیں۔ چوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہادت عام ہوگی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہیں۔'' (تفسیر خزائن العرفان)

● امام اجل صاحب تفسیر جلالین شریف حضرت علامہ عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ''ایک یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اس کا مطلب ہم نے بیشک یہ لیا تھا کہ اس سے مراد وہ امت ہے جو آپ کے زمانے سے قیامت تک ہوگی مگر اب یہ علم ہوا کہ تمام انواع انسانی آپ کے

حلقۂ رسالت میں شامل ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ عہد ماقبل میں گزر چکی ہے یا زمانہ مابعد میں آئے۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱/۷)

مذکورہ بالا اقتباسات سے ثابت ہوا کہ صرف امت محمدیہ ہی نہیں بلکہ حضرت آدم سے حضرت عیسٰی تک، تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی تمام امتیں اپنے اعمال کی گواہی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کی حاجت مند ہوں گی۔ اور حضور کی شہادت وشفاعت کے طفیل اگلی امتوں کے اعمال بھی شرف قبولیت سے نوازے جائیں گے۔ بلکہ اولوالعزم انبیائے کرام بھی قیامت کے دن حضور کی دعا کے خواہش مند ہوں گے۔

● صحیح مسلم شریف میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسند احمد اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''وَاِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَيَرْغَبُ فِيْ دُعَائِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ '' یعنی قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری دعا کے خواہش مند ہوں گے۔

(تجلی الیقین، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص۱۱۲)

● احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا فَخْرَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ''

ترجمہ: میں روز قیامت تمام آدمیوں کا سردار ہوں اور یہ کچھ فخر سے نہیں کہتا اور میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ کچھ فخر سے نہیں کہتا اور اس دن حضرت آدم اور ان کے سوا جتنے نبی ہیں سب میرے زیر لواء (جھنڈے کے نیچے) ہوں گے۔ (تجلی الیقین، ص۸۸)

ان تمام حقائق وشواہد کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ''غم خوار امم'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ قیامت کے دن تمام امتوں کی غم خواری اور حمایت ہمارے پیارے نبی،

شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں گے یہ وہ ذات گرامی ہے کہ قیامت کے دن تمام نوع انسانی افسردہ حال ہوگی۔ اور تمام کے تمام حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوں گے۔

● بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے اور بخاری، مسلم وابن ماجہ نے حضرت انس سے اور ترمذی وابن خزیمہ نے حضرت ابوسعید سے اور احمد بزار نے وابن حبان و ابویعلی نے حضرت صدیق اکبر سے اور احمد وابویعلی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً اور عبد اللہ بن مبارک وابن ابی شیبہ وابن ابی عاصم وطبرانی نے بسند صحیح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے موقوفاً روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ پریشانی سے تنگ آکر آپس میں کہیں گے کہ دیکھتے نہیں تم کس آفت میں ہو۔ کس حال کو پہنچے۔ کوئی ایسا کیوں نہیں ڈھونڈھتے جو رب کے پاس شفاعت کرے۔ پھر خود ہی تجویز کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام ہمارے باپ ہیں ان کے پاس چلنا چاہیئے۔ پس حضرت آدم کے پاس جائیں گے۔ عرض کریں گے اے حضرت آدم! علیہ الصلاۃ والسلام آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا ہے۔ اور اپنی روح آپ میں ڈالی ہے، اور اپنے ملائکہ سے آپ کو سجدہ کرایا ہے، اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا، اور سب چیزوں کے نام آپ کو سکھائے، اور آپ کو اپنا صفی کیا۔ آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمیں اس آفت سے نجات دے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس آفت میں ہیں اور کس حال کو پہنچے، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے۔ ''لَسْتُ هُنَاكَ اِنَّهُ لَا يَهُمُّنِى الْيَوْمَ اِلَّا نَفْسِىْ اِنَّ رَبِّىْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَ لَنْ يَغْضِبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ نَفْسِىْ نَفْسِىْ اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ''

ترجمہ: میں اس قابل نہیں مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں، آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا نہ ایسا پہلے کبھی غضب فرمایا نہ آئندہ کبھی ایسا غضب فرمائے۔ مجھے اپنی

جان کی فکر ہے۔ نفسی نفسی تم اور کسی کے پاس جاؤ۔

لوگ عرض کریں گے پھر ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے اپنے پدر ثانی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ، کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا وہ خدا کے شاکر بندے ہیں۔

لوگ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے نوح، اے نبی اللہ! آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔ اللہ نے عبد مشکور آپ کا نام رکھا، آپ کو برگزیدہ کیا اور آپ کی دعا قبول فرمائی کہ زمین پر کسی کافر کا نشان باقی نہ رکھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمارا فیصلہ کردے۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا جو نہ اس سے پہلے کیا اور نہ اس کے بعد کرے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ نفسی نفسی تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ عرض کریں گے پھر ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے تم خلیل الرحمٰن ابراہیم کے پاس جاؤ۔

نوٹ: یہ حدیث شریف بہت ہی طویل ہے، لہٰذا اختصاراً عرض ہے کہ:

پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے، وہ بھی ان کو وہی جواب دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ و السلام بھی یہی جواب مرحمت فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پاس بھیجیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام لوگوں کو محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں بھیج دیں گے۔ جب یہ مصیبت کے مارے لوگ حضور کے پاس جائیں گے تو حضور ارشاد فرمائیں گے:

''اَنَا لَهَا وَ اَنَا صَاحِبُكُمْ'' یعنی میں شفاعت کے لئے ہوں میں تمہارا صاحب (مطلوب) ہوں۔

پھر حضور اپنے رب کی جناب میں شفاعت فرمائیں گے۔

(تلخیص حدیث، ماخوذ: تجلی الیقین، از: امام احمد رضا، محدث بریلوی، ص۱۱۵ تا ۱۲۳ ☆ کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، از: قاضی عیاض مالکی اندلسی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۳۳۴ تا ۳۳۹ ☆ مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۴۸۷ تا ۴۹۱)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس طرح اور کتنے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ اس کی تفصیل شعر نمبر 37، 78 اور 79 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان اشعار کی تشریح سے حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کے مصرع ثانی:

آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

کی وضاحت ہو جائے گی۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی حکمت جلیلہ سے اہل محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیائے عظام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا۔ شروع ہی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے کا کسی کو خیال نہیں آئے گا، اگر شروع میں ہی آجاتے تو شفاعت پاتے اور اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کی تکلیف سے بچ جاتے۔ سوائے حضرت عیسیٰ دیگر انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی حضور کی خدمت میں نہیں بھیجتے۔ مثلاً: حضرت آدم نے حضرت نوح کے پاس، حضرت نوح نے حضرت ابراہیم کے پاس، حضرت ابراہیم نے حضرت موسیٰ کے پاس، حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہم الصلاۃ والسلام) کے پاس بھیجا۔ علاوہ ازیں میدان محشر کے ان آفت زدوں میں لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگ ہوں گے جن کے کان اس حدیث سے آشنا ہوں گے۔ مثلاً: صحابہ، تابعین، تبع تابعین ائمہ دین اولیائے کاملین ائمہ محدثین علماء و عاملین سبھی ہوں گے۔ پھر کیوں کر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے بھلا دی جائے گی کہ کسی کو یاد نہ آئے گا۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے تب لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ صرف یہی وجہ ہے تا کہ اہل محشر پر

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی عظمت و وجاہت، شوکت ومحبوبیت کا اظہار فرمائے کہ تم ہر جگہ گئے تمہارا کام کہیں بھی نہ بنا۔لیکن میرے محبوب کی خدمت میں آتے ہی تمہارا مقصد حل ہوگیا۔

بقول حضرت رضا:

خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہیں کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے

❁......❁......❁

(66)

تانوں کی بینوں میں پھر لہرا بجا
گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چکیں

(حدائق بخشش، حصہ۳،ص۵۱)

حل لغت:

تانوں: تان کی جمع، گیت، سر، تال، آلاپ، پلنگ، پالکی، گاڑی وغیرہ کی آہنی سلاخ، ایک درخت، تاننا کا صیغۂ امر۔ (فیروز اللغات، ص۳۳۹)

بینوں: بین کی جمع، منھ سے بجانے کا ایک ساز۔ (فیروز اللغات، ص۲۵۸)

لہرا: چلتی ہوئی لے، طبیعت میں جوش پیدا کرنے والی سر، سارنگی کی ایک گت، سر، آواز، لے، ترانہ، نغمہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۷۱)

گیسو: سر کے لمبے بال، کٹ، زلف، کاکل، لپٹے ہوئے لمبے بال۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۳۷☆لغات کشوری، ص۲۶۸☆کریم اللغات، ص۱۳۵)

ناگنیں: جمع ہے ناگن یا ناگنی کی، ناگ کی مادہ، گدی کے بالوں بھونری، پانی کا لہریں لینا، لہلہانا، ہلنا، حسین عورت۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۴۴)

لہرا: لہرانا مصدر کا صیغہ فعل ماضی ہے، سانپ کا چلنا، موج مارنا، پانی کا لہریں مارنا، لہلہانا، ہلنا، جنبش کرنا، اڑنا، خراٹے بھرنا، للچانا، مائل ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۷۱)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''لہرا'' ہے اس کا مطلب ''نغمہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''لہرا'' ہے اس کا مطلب ''لہرانا (سانپ کا چلنا)'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ سر کی بانسری میں پھر لہرا (نغمہ) بجا اور بالوں کی ناگنیں لہرانے لگیں ۔اس شعر کو ملاحظہ فرما کر قارئین کرام! شاید یہ سوچ رہے ہوں گے کہ حضرت رضا بریلوی نے کیا مرزا غالبؔ یا جگرؔ مرادآبادی کی طرح عشق مجازی کا شعر کہا ہے؟ یا اردو ادب کے دیگر شعراء کے مد مقابل آ کر محبوبہ کی زلف کو ناگنی سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے اپنی محبوبہ کی زلفوں کے متعلق کہا ہے:

اس زلف کا کیا کہنا جو دوش پہ لہرائی
سمٹی تو بنی ناگن پھیلی تو گھٹا چھائی

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت رضا کی کوئی محبوبہ تھی ہی نہیں، اور نہ ہی اس کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے تو صرف ایک ذات گرامی کو ہی اپنا محبوب، مقصود، مطلوب اور اپنی مراد بنایا تھا، اور وہ ذات گرامی محبوب رب العالمین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ تو کیا حضرت رضا بریلوی نے اپنے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ شعر کہا ہے؟ اس کا جواب ہے ہرگز نہیں کیوں کہ اس شعر میں گیسوؤں کو ناگنیں یعنی سانپ کی مادہ ناگنی یا ناگن کی جمع یعنی بہت ساری ناگن کہا گیا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس گیسوؤں کو ناگنی سے تشبیہ دینا آپ کی شان عالی میں گستاخی و بے ادبی ہے۔ تو یہ ایک معمہ ہو گیا کہ آخر حضرت رضا بریلوی نے کس کے تعلق سے فرمایا؟ ایک اہم امر کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے کبھی بھی اس دنیا یا دنیادار کی تعریف میں اشعار نہیں کہے۔ حاکم، امراء، نواب یا کسی

بھی صاحب اقتدار کی تعریف میں آپ نے کبھی ایک شعر تو درکنار بلکہ ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اور جب بھی لکھا ہے تو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں، یا اپنے آقا سے نسبت غلامی رکھنے والے اولیائے کرام کی شان میں، یا اپنے آقا سے نسبت ظاہری و باطنی رکھنے والی اشیاء وغیرہ کی منقبت وتعریف وتوصیف میں لکھا ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی، جب کبھی بھی جہاں کہیں بھی، جتنا کچھ بھی اور جس طرز سے بھی لکھا ہے وہ صرف اور صرف عشق رسول کے تقاضا کے تحت لکھا ہے۔ دنیوی عشق وشوق کا تو آپ کے یہاں گزر ہی نہ تھا۔ یہاں گتھی سلجھانا دشوار ہو گیا ہے۔ کیوں کہ یہ شعر حضرت رضا کا ہے اور یقیناً آپ نے دنیوی الفت کے جذبے سے تو قطعاً نہیں لکھا اور اپنے آقا کی شان میں اس قسم کا شعر کہہ نہیں سکتے۔ البتہ حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گیسوؤں کے بارے میں ایک مستقل نعت شریف ۱۸؍اشعار پر مشتمل لکھی ہے۔ وہ نعت کیا ہے؟ ایمان ومحبت رسول کے پھولوں کا گلدستہ ہے۔ جس نعت کا مطلع (پہلا شعر) یہ ہے کہ:

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

●

کعبۂ جاں کو پنھایا ہے غلاف مشکیں
اڑ کر آئے ہیں جو ابرو پہ تمہارے گیسو

●

سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں
سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو

●

دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو

پس جو عاشق صادق اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس گیسوؤں کی تعریف وتوصیف میں مذکورہ بالا ایمان وخلوص اور محبت وتعظیم سے لبریز اشعار کے ایمانی موتی نچھاور کررہا ہو وہ عاشق صادق کبھی بھی اپنے آقا و مولیٰ کی معنبر زلفوں کو ناگنیں سے تشبیہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ ایسا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ تو پھر اب دوبارہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت رضا نے یہ شعر کس تعلق سے لکھا ہے؟ جواب ہے عشق رسول کے تعلق سے۔ اب اس جواب سے تو معاملہ مزید پیچیدہ ہوگیا۔ کہ عشق رسول کے تعلق سے شعر اور گیسوؤں کو ناگنیں سے تشبیہ دینا؟ جواباً عرض ہے کہ ہاں! لیکن ناگنیں سے تشبیہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زلفوں کو نہیں دی گئی، اور نہ ہی کسی معظم دین کی زلفوں کی، بلکہ کسی بھی انسان کی زلفوں کو نہیں دی گئی۔ بلکہ خوشنما اور دلفریب ماحول سے مثال دی گئی ہے۔ کیوں کہ یہ شعر اس قصیدہ کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے بطرز تشبیب ماہ ربیع الاول شریف کی آمد کے بیان میں مرقوم فرمایا ہے۔

- تشبیب یعنی شعراء کی اصطلاح میں قصیدے کی ابتداء میں عاشقانہ مضامین میں نظم کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۶۱)

یہ شعر جس قصیدے کا ہے اس کی سرخی ہے۔ ''متفرق اشعار تشبیب قصیدہ در بیان آمد بہار ماہ ربیع الاول شریف'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ قصیدہ تشبیب کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ اور تشبیب کے انداز میں جو قصیدہ لکھا جاتا ہے اس کی ابتداء میں عاشقانہ مضامین نظم کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا حضرت رضا بریلوی نے اس قصیدہ کی ابتداء عاشقانہ مضامین سے کی ہے۔ جس کا اندازہ اس قصیدہ کے ابتدائی اشعار سے ہوجائے گا۔

(67)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہے
اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

سر: کھوپڑی، کسی چیز کے اوپر کا حصہ، چوٹی، ابتداء، فکر، خیال، زور، طاقت، سردار، خلاصہ، خواہش، ارادہ، کنارہ، عنوان، عشق، دماغ، برابر، بالکل، مقدم۔
(فیروز اللغات، ص ۷۸۶ ☆ لغات کشوری، ص ۳۷۴ ☆ کریم اللغات، ص ۸۹)

سرور: سردار، بادشاہ، امیر۔
(فیروز اللغات، ص ۷۹۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۸۲ ☆ کریم اللغات، ص ۹۱)

خم: ٹیڑھ، جھکاؤ، کجی، ترچھاپن، بل، پیچ، موڑ، حلقہ، پھیر، گھماؤ، اوپر کا بازو۔
(فیروز اللغات، ص ۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۷ ☆ کریم اللغات، ص ۶۶)

تاج: شاہی ٹوپی، مکٹ، افسر، پروں کا طرہ، کلغی، پرند کی چوٹی جیسے تاج ہدہد، فقیروں کی ایک خاص قسم کی ٹوپی، دیوار کی کنگنی، وہ گمٹی دار برجی جو کسی دیوار یا مکان کے اوپر بناتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۳۰ ☆ کریم اللغات، ص ۳۲)

رفعت: بلندی، اونچائی، ترقی، بزرگی، عزت، شان، رتبے کی بلندی، عروج، بالائی۔
(فیروز اللغات، ص ۷۱۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۸ ☆ کریم اللغات، ص ۸۰)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''سر'' ہے اس کا مطلب ''سر'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''سر'' ہے اس کا مطلب ''اوپر کا حصہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ سرور کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر اقدس کی مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر اقدس وہ ذیشان ہے جس کی عظمت، موزونیت، ہیبت، سطوت، شان وشوکت، جاہ وحشمت اور رعب و دبدبہ کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے سر اس کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ یہ مقدس سر تمام بلند اور عزت وشان والے سروں کا تاج وافسر ہے اس کی بلندی پر لاکھوں سلام ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''سر سروراں خم رہے'' یعنی ''سرداروں کے سر جھکے رہے'' کا جملہ استعمال فرما کر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عالم گیر سلطنت وقاہر حکومت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہنشاہ کونین کے مرتبۂ عالیہ پر فائز فرما کر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے سروں کو اپنے محبوب کے آگے خم ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وہ رعب اور دبدبہ عطا فرمایا ہے کہ اس محبوب کی ہیبت کا یہ عالم ہے :

جس کے آگے کھینچی گردنیں جھک گئیں
اس خدا داد شوکت پہ لاکھوں سلام

دنیوی بادشاہ تو درکنار، اس محبوب کی تعظیم وتکریم تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ و السلام بھی بجالاتے ہیں۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

انبیاء تہہ کریں زانو ان کے حضور
زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

اور اس محبوب کا وہ دبدبہ اور وہ وجاہت کیوں نہ ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو جو مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ نہ کسی کو دیا ہے اور نہ کسی کو دے گا۔ بقول حضرت رضا:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا، تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کی اس نعمت عظمیٰ کا ذکر بارہا فرمایا ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔

- امام احمد اور ابوبکر بن ابی شیبہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''اُعْطِيتُ مَا لَمْ يُعْطَ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْاَرْضِ'' یعنی مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملا۔ رعب سے میری مدد فرمائی گئی (کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام سن کر کانپ اٹھا) اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، حدیث ۶۲، ۵۷، از: امام احمد رضا محدث بریلوی)

- حافظ ابوزکریا یحییٰ بن عائذ نے اپنے مولد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ والدہ محترمہ مکرمہ معظّمہ حضور اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد خازن جنت نے حضور کو اپنے پروں میں لے لیا اور گوش اقدس (کان شریف) میں عرض کی کہ ''مَعَكَ مَفَاتِيحُ النَّصْرِ قَدْ اُلْبِسْتَ الْخَوْفَ وَ الرُّعْبَ لَا يَسْمَعُ اَحَدٌ بِذِكْرِكَ اِلَّا وَجَلَ فُوَادُهُ وَ خَافَ قَلْبُهُ وَاِنْ لَّمْ يَرَكَ يَا خَلِيفَةَ اللّٰهِ''

ترجمہ: حضور کے ساتھ نصرت کی کنجیاں ہیں، رعب و دبدبہ کا جامہ حضور کو پہنایا گیا، جو حضور کا چرچا سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا۔ اور جگر کانپ اٹھے گا اگرچہ حضور کو نہ دیکھا ہو، اے اللہ تعالیٰ کے نائب۔ (الامن والعلیٰ، ص ۶۰)

اور یہی وجہ تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور اہل سلطنت حضور اقدس کا اسم شریف سنتے ہی اپنا سر نیاز خم کردیا کرتے تھے۔

(۱) شاہ حبشہ نجاشی (۲) ہرقل شاہ روم (۳) کسریٰ شاہ فارس (۴) مقوقس شاہ مصر اور اسکندریہ (۵) فروت بن عمر والی عمان وغیرہ کے حالات شعر نمبر 28 ''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم'' کی تشریح میں مذکور ہوئے۔ عرب کے بڑے بڑے قبائل جو اپنی بہادری وشجاعت میں یکتائے زمانہ تھے۔ مثلاً:

(۱) قبیلۂ بنی ثقیف (۲) قبیلۂ عبدالقیس (۳) قبیلۂ دوس (۴) قبیلۂ بنی تمیم (۵) قبیلۂ بنی سلیم (۶) قبیلۂ بکار (۷) قبیلۂ طے (۸) قبیلہ نخع (۹) قبیلۂ حضرموت (۱۰) قبیلۂ نجران (۱۱) قبیلۂ بنواشعر (۱۲) قبیلہ حمیر (۱۳) قبیلہ مزینہ (۱۴) قبیلہ شیبان (۱۵) قبیلۂ بنی عامر (۱۶) قبیلہ عذرہ (۱۷) قبیلہ اہل جرش (۱۸) قبیلہ بنی فزارہ (۱۹) قبیلہ مرہ (۲۰) قبیلہ دار (۲۱) قبیلہ تجیب (۲۲) قبیلہ سلامان (۲۳) قبیلہ محارب کے سرداروں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے ''سر سروراں خم رہے'' کا مظاہرہ کیا ہے۔ صرف ملک عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کے دیگر ممالک کے بادشاہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہنشاہیت کا اعتراف کرتے ہوئے سر تسلیم خم کئے اور بہت کثیر تعداد میں داخل اسلام ہوئے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

اس سرتاج رفعت پہ لاکھوں سلام

یعنی سلام ہو اس سر مبارک پر جو رفعت کا تاج ہے۔ جس کے مرتبہ کی بلندی، مقام کی اونچائی، رتبے کی ترقی، اس کی عظمت کی بزرگی، بارگاہ الٰہی میں اس کی عزت ومرتبت، اس کی اعلیٰ شان، اس کے درجات کی بالائی اور اس کی وجاہت کے عروج کا اظہار روز قیامت تمام اولین وآخرین پر ہوجائے گا۔ اس سر اقدس کی رفعت دیکھ کر تمام رشک کریں گے۔ اور تمام پر

یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اللہ کے حضور جو وجاہت اس ذات اقدس کی ہے وہ کسی کی نہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچنے کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اسی محبوب کا خاصہ ہے۔ اس عنوان کے ضمن میں چند احادیث کریمہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کریں۔

● احمد، بزار، ابویعلیٰ اور ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت جناب افضل الاولیاء الاولین و الآخرین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شفاعت روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے تب حضور والا حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے رب کے پاس اذن لینے کے لئے بھیجیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اذن دے گا۔ حضور حاضر ہوکر ایک ہفتہ ساجد رہیں گے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

''اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ''

ترجمہ: سر اٹھاؤ اور عرض کرو سنی جائے گی اور شفاعت کرو قبول ہوگی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر اٹھائیں گے۔ تو رب عظیم کا وجہ کریم دیکھیں گے۔ فوراً سجدے میں گر جائیں گے، ایک ہفتہ اور ساجد رہیں گے، رب تبارک وتعالیٰ پھر وہی کلمات لطف فرمائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اٹھائیں گے اور تیسری مرتبہ سجدہ کرنے کا ارادہ فرمائیں گے۔ تو حضرت جبرئیل امین حضور کا بازو تھام کر روک لیں گے۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کریم سبحانہ سے عرض کریں گے:

''اِیْ رَبِّ جَعَلْتَنِیْ سَیِّدَ وَلَدِ آدَمَ وَ لَا فَخْرَ'' یعنی اے رب میرے! تو نے مجھے اولاد آدم کا سردار کیا اور کچھ فخر نہیں۔ (الیٰ آخر الحدیث)

(تجلی الیقین، بان نبینا سید المرسلین، از: اعلیٰ حضرت، ص۹۲)

● امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت کیا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اَنَا الْحَاشِرُ يَحْشُرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِىْ ''ترجمہ: میں ہی وہ حاشر ہوں کہ تمام لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے۔یعنی اولین وآخرین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ہوں گے۔

(تجلی الیقین ،ص ۱۰۶)

اب ایک حدیث وہ بیان کرتا ہوں کہ جس سے اہل ایمان کا ایمان تازہ ہوجائے گا۔ اور بارگاہ رسالت کے گستاخوں کا سینہ غیظ میں جل جائے گا۔

- ''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَ اَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ قَرَءَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُوْدًا قَالَ يُقْعِدُهُ عَلَى الْعَرْشِ.''

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل بنایا۔ اور بے شک تمہارے آقا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے خلیل ہیں اور تمام خلق سے زیادہ اس کے نزدیک عزیز وجلیل ہیں۔ پھر آیت پڑھی۔ ''عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُوْدًا'' تلاوت کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت انہیں عرش پر بٹھائے گا۔

- حضرت عبد اللہ بن حمید وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تلمیذ رشید حضرت مجاہد سے روایت کی کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ''يُجْلِسُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَعَهُ عَلَى الْعَرْشِ ''یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عرش پر اپنے ساتھ بٹھائے گا۔ یعنی معیت تشریف وتکریم عطا فرمائے گا۔ وہ سبحانہ وتعالیٰ جلوس اور مجلس سے پاک اور متعال ہے۔

(تجلی الیقین ،ص ۵۶)

- امام احمد بن محمد المصری القسطلانی اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' میں علامہ سید الحفاظ

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ مجاہد کا یہ قول از روئے نقل مرفوع، نہ از جہت نظر ممنوع ہے۔ یعنی کہ امام مجاہد کا یہ قول قابل قبول ہے اور نقاش نے امام ابو داؤد صاحب سنن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا کہ ''مَنْ اَنْكَرَ هٰذَا الْقَوْلَ فَهُوَ مُتَّهِمٌ'' یعنی جو اس قول سے انکار کرے وہ متہم ہے۔ یعنی تہمت لگانے والا۔

اسی طرح امام دار قطنی نے اس قول کی تشریح فرمائی اور اس کے بیان میں چند اشعار نظم کیے اور اسی کی مثل امام العلام احمد شہاب الدین خفاجی کی کتاب ''نسیم الریاض'' میں ہے۔ ان اشعار میں صرف ایک شعر قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

وَ لَا تُنْكِرُوْا أَنَّهُ قَاعِدُ
وَلَا تُنْكِرُوْا أَنَّهُ يُقْعِدُهُ

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش پر بیٹھیں گے، اس کا انکار مت کرو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں عرش پر بٹھائے گا اس کا بھی انکار مت کرو۔

- ابو الشیخ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ ''اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَجْلِسُ عَلٰى كُرْسِىِّ الرَّبِّ بَيْنَ يَدَىِ الرَّبِّ'' یعنی بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز قیامت رب کے حضور رب کی کرسی پر جلوس فرمائیں گے۔ (تجلی الیقین ،ص ۵۹)

- امام محی السنۃ، علامہ البغوی اپنی کتاب ''معالم التنزیل'' میں حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ''يُقْعِدُهُ عَلَى الْكُرْسِىِّ ''ترجمہ: اللہ انہیں کرسی پر بٹھائے گا۔

- امام ترمذی نے بافادۂ تحسین وتصحیح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاُكْسٰى حُلَّةً مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ اَقُوْمُ

عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِیْ ''

ترجمہ: میں سب سے پہلے زمین سے باہر آؤں گا۔ پھر مجھے جنت کے جوڑوں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا۔ میں عرش کی ایک جانب ایسی جگہ کھڑا ہوں گا جہاں مخلوق الٰہی میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہو سکے گا۔

- امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ '' اُكْسٰى حُلَّةً مِنَ الْجَنَّةِ لَا يَقُوْمُ لَهَا الْبَشَرُ ''

ترجمہ: مجھے وہ بہشتی لباس پہنایا جائے گا کہ تمام انسان جس کی قدر وعظمت کے لائق نہ ہوں گے۔

- امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''افضل القریٰ'' میں امام شیخ الاسلام سراج بلقینی سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ''اَبْشِرْ فَاِنَّكَ خَيْرُ خَلْقِهٖ وَ صَفْوَتِهٖ مِنَ الْبَشَرِ حَبَاكَ اللّٰهُ بِمَا لَمْ يَحْبُ بِهٖ اَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ لَا مَلَكًا مُقَرَّبًا وَلَا نَبِيًّا مُرْسَلًا ''

ترجمہ: مژدہ ہو کہ حضور بہترین خلق خدا ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام آدمیوں میں سے حضور کو چن لیا اور وہ دیا جو سارے جہاں میں سے کسی کو نہ دیا۔ نہ کسی مقرب فرشتے کو نہ کسی مرسل نبی کو۔

- عثمان بن سعید دارمی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اِنَّ اللّٰهَ دَفَعَنِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِیْ اَعْلٰى غُرْفَةٍ مِنْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ لَيْسَ فَوْقِیْ اِلَّا حَمَلَةَ الْعَرْشِ ''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن جنت نعیم کے سب غرفوں (بالا خانوں) سے اعلیٰ غرفہ میں بلند فرمائے گا کہ مجھ سے اوپر بس خدا کا عرش ہوگا۔

ثابت ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر تاج رفعت کی وہ بلندی ہے کہ آپ تمام خلق خدا سے سر بلند اور افضل و اعلیٰ ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر اقدس قیامت میں اتنا بلند ہوگا کہ آپ کے اوپر صرف عرش الٰہی ہوگا اور آپ تمام مخلوق سے بلند ہوں گے اسی بلندی اور رفعت کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ رسالت کے عاشق صادق حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ہدیہ سلام محبت نچھاور کیا ہے:

جس کے آگے سر سروراں خم رہے
اس سرتاج رفعت پہ لاکھوں سلام

❖......❖......❖

(68)

خوب مسعیٰ میں بامید صفا دوڑ لیے
رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو

حل لغت:

مسعیٰ: سعی کرنے کی جگہ، مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے قریب واقع صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان طواف کے بعد حاجی لوگ سعی کرتے ہیں وہ جگہ۔

سعی: دوڑ دھوپ، کوشش، جدوجہد، محنت، سفارش، مکے کی دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا، جلدی کرنا، کوشش کرنا، حاصل کرنا۔

(فیروز اللغات، ص۸۰۰☆ لغات کشوری، ص۳۸۴☆ کریم اللغات، ص۹۲)

صفا: پاک، پاکیزہ، مجلّا، صیقل کیا ہوا، صفائی، درستی، نرمل، سپاٹ، ہموار، کھرا، دوستی، خالص، مکہ کی ایک پہاڑی۔

(فیروز اللغات، ص۸۶۲☆ لغات کشوری، ص۴۴۶☆ کریم اللغات، ص۱۰۲)

رہ: راہ کا مخفف، راستہ، رتبہ، مرتبہ، دفعہ، بار، قاعدہ، قانون، آہنگ، نغمہ۔

(فیروز اللغات، ص۷۳۱☆ لغات کشوری، ص۳۳۷☆ کریم اللغات، ص۸۲)

جاناں: محبوب، محبوبہ، جانی، پیارا، بعض صوفی شعراء نے خدا تعالیٰ کے لئے بھی استعمال کیا ہے، جان، معشوق، پیارا۔

(فیروز اللغات، ص۴۴۷☆ لغات کشوری، ص۱۸۵☆ کریم اللغات، ص۴۶)

تماشا: باہم مل کر پیدل چلنا، سیر تفریح، دید، نظارہ، مزہ، لطف، کھیل، مجمع، ہجوم، ہنگامہ، مذاق، ٹھٹھا، عجیب بات، نمائش، دکھاوا، سوانگ، ناٹک، کرتب، لیلا۔

(فیروز اللغات، ص۴۷۹☆ لغات کشوری، ص۱۶۲☆ کریم اللغات، ص۴۱)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''صفا'' ہے اس کا مطلب ''درستی'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''صفا'' ہے اس کا مطلب ''پاکیزگی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیار اقدس مدینہ منورہ کی عظمت اور پاکیزگی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اور حج بیت اللہ ادا کر لینے والے حجاج کرام کو مخاطب بنا کر فرما رہے ہیں کہ اے فریضۂ حج سے فارغ ہونے والے حاجیو! تم اب اس دیار اقدس مدینہ طیبہ میں آرہے ہو جہاں پر وہ ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما ہیں جن کے طفیل تم کو حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اے فریضۂ حج سے فارغ ہونے والے خوش نصیب حاجیو! تم نے حج کے تمام ارکان ادا کر لیے اور ان میں سے یہ کہ طواف کعبہ کے بعد سعی کرنا یعنی کہ صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان چلنا اور دوڑنا۔ صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان جو جگہ ہے جہاں سعی کی جاتی ہے اس کو ''مسعیٰ'' کہتے ہیں۔ یعنی سعی کرنے کی جگہ۔ سعی کرنے والا مسعیٰ میں چلتا ہے لیکن ایک مخصوص جگہ آتے ہی وہ دوڑتا ہے۔ یہ دوڑنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت ہے۔ کیوں کہ آپ اپنے لخت جگر کے لئے صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان پانی ڈھونڈھنے کے لئے اِدھر سے اُدھر، اور اُدھر سے اِدھر آتی جاتی تھیں۔ اس آمد و رفت میں آپ کبھی آہستہ چلتی تھیں اور کبھی دوڑتی تھیں۔ لہٰذا آپ جس مقام پر آکر دوڑتی تھیں اس جگہ مسعیٰ میں نشان نصب ہے اور اس نشان کے آتے ہی سعی کرنے والا حاجی بھی دوڑتا ہے۔ اس طرح دوڑنا سعی کے ارکان میں شامل ہے۔ اور عبادت میں شمار ہے۔ مسعیٰ میں دوڑنے والا حاجی صرف ثواب کے حصول کی نیت سے دوڑتا ہے۔ کوئی

بھی شخص صحت بنانے کے لئے یا کھانا ہضم کرنے کے لئے ورزش کی نیت سے وہاں نہیں دوڑتا۔ بلکہ ثواب حاصل کرنے اور گناہوں سے پاک ہونے کے لئے دوڑتا ہے۔ اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے شعر میں بیان فرماتے ہیں کہ اے صفا اور مروہ کے درمیان پاک ہونے کی نیت اور امید سے دوڑنے والے حاجیو! مکہ معظّمہ میں صفا یعنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے تم نے دوڑنے کی زحمت، اور مشقت اٹھائی لیکن اب تم رحمۃ للعالمین اور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس شہر مدینہ طیبہ آرہے ہو۔ یہاں پر صفا یعنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے تمہیں تکلیف گوارانہیں کرنی پڑے گی کیوں کہ رہ جاناں یعنی محبوب کے درکا راستہ کہ جہاں تم چلو گے پھرو گے وہ راستہ یعنی پاکیزگی تمہارے ساتھ ساتھ اور باہم مل کر پیدل چلے گی۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''تماشا دیکھو'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ ''تماشا'' کے معنی ہوتے ہیں باہم پیدل چلنا۔ مطلب یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ میں آنے والے زائرین یا آنے والا زائر صفا کو اپنے ساتھ چلتی ہوئی دیکھے گا۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی، اب شعر کی تشریح کے لئے راقم الحروف جیسا بے علم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے فیض سے توسل کر کے کچھ لکھنے کی جرأت کرتا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا تقابلی جائزہ اور موازنہ پیش کر رہے ہیں۔ مکہ معظّمہ وہ مقدس شہر ہے جہاں خانۂ کعبہ ہے، لیکن مدینہ منورہ میں کعبہ کا بھی کعبہ ہے۔ مکہ میں جلال خداوندی کا مظاہرہ ہے تو مدینہ میں جمال محمدی کا نظارہ ہے۔ مکہ معظّمہ میں حصول ثواب کے لئے عبادت و ریاضت کی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، مگر مدینہ میں گنہگاروں کو رحمۃ للعالمین کی نوری چادر اپنی رحمت کی پناہ دے رہی ہے۔ مکہ میں آب زم زم کا مقدس چشمہ ابل رہا ہے، تو مدینہ میں حوض کوثر کے مالک کے جود و کرم کا دریا اچھل رہا ہے۔ مکہ میں میزاب کے نیچے کبھی کبھی بارش کرم کے چھینٹے نصیب ہو جاتے ہیں، لیکن مدینہ

میں ابر رحمت کی موسلا دھار بارش ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ مکہ میں نیک اور متقی لوگ بھی خوف خدا سے لرزتے ہیں، لیکن مدینہ میں گنہگار بھی دامن مصطفیٰ پہ مچلتا ہے۔ بے شک مکہ معظّمہ کی عظمت اپنی جگہ مسلم اور برقرار ہے، لیکن مدینہ منورہ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ مدینہ میں کونین کا دولھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما ہے اور اسی دولھا کے طفیل اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، رحمتیں اور برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب اعظم کا وہ آستانہ ہے جہاں گناہ صیقل ہوتے ہیں اور توبہ قبول ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (پارہ۵، سورۃ النسآء، آیت ۶۴)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تیرے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے بخشش چاہیں اور رسول ان کے لئے معافی مانگیں تو بیشک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (ترجمہ ماخوذ از: الامن والعلیٰ، ص ۲۰)

اس آیت کریمہ میں صاف ارشاد ہے کہ اگر گناہ ہو جائے تو حضور پرنور رؤف ورحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار کریں اور حضور بھی ان کے لئے معافی چاہیں تو اللہ تعالیٰ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔ غور فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کتنی بلند فرمارہا ہے۔ اگر بندے سے اللہ کی نافرمانی ہوگی اور بندے نے ارتکاب گناہ کیا، پھر اس گناہ پہ نادم ہو کر بندہ اپنے رب سے معافی چاہے، توبہ واستغفار کرے، تو رب تبارک وتعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اپنے بندے کی توبہ قبول فرمالے۔ لیکن رب کو یہ زیادہ پسند ہے کہ اے بندو! اگر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہو تو میرے محبوب کی خدمت میں جاؤ، میرے محبوب کے حضور حاضر ہو کر مجھ سے استغفار کرو اور یہ کوشش کرو کہ میرا محبوب بھی تمہارے گناہوں کی مجھ سے بخشش

چاہے تو بے شک میں تمہارے گناہوں کی توبہ قبول فرما کر تم پر مہربانی فرماؤں گا۔

● شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حافظ ابوعبداللہ مصباح الظلام میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دفن کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا اور قبر انور پر گر پڑا۔ وہ اعرابی قبر انور کی خاک اپنے سر پر ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے جو کچھ اپنے رب سے سنا وہ میں نے آپ سے سنا۔ اور آپ نے جو کچھ خدا سے یاد کیا میں نے آپ سے یاد کیا اور وہ آیت یہ ہے کہ ''وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَاءُ وْکَ'' (الآیۃ) میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ قبر شریف سے ایک آواز آئی کہ ''قَدْ غُفِرَلَکَ'' یعنی تیری مغفرت ہوگئی۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو، ص۲۶۶)

● شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ محمد بن حرب ہلالی کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کر کے آپ کے سامنے بیٹھا ہی تھا کہ ایک اعرابی نے آکر زیارت کی اور کہنے لگا کہ یا خیر الرسل! حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ پر جو سچی کتاب نازل فرمائی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ ''وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَاءُ وْکَ'' (الآیہ) میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے بخشش کا طالب آیا ہوں۔ آپ میرے لئے استغفار کریں۔ یہ کہہ کر وہ اعرابی رونے لگا اور یہ بیت پڑھا:

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ لِقَاعِ اَعْظَمُہٗ
فَطَابَ بِطِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

●

نَفْسِیْ الْفِدَاءُ بِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ
فِیْہِ الْعَفَافُ وَ فِیْہِ الْجُوْدُ وَ الْکَرَمُ

حضرت محمد بن حرب ہلالی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں سو گیا، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا آپ مجھ سے فرماتے ہیں کہ اس شخص کو بلا کر خوش خبری سنا دو کہ حق تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ بخش دیئے۔

(جذب القلوب، اردو، ص۲۲۵)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا دوسرا مصرع انہیں سب واقعات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وہ مقدس بارگاہ ہے کہ جہاں آنے والے گناہ گار اس کریم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ لطف وعنایت سے صیقل ہو جاتے ہیں اور ''رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو'' کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ اسی لئے تو حضرات صالحین اس دربار سے ہمیشہ ربط قائم رکھتے آئے ہیں۔ اگر کسی مجبوری کی بناء پر خود حاضر نہیں ہو سکتے تھے تو اپنے قاصد کو بھیج دیا کرتے تھے۔

● حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے مدینہ منورہ کو قاصد بھیجا کرتے تھے تا کہ ان کا سلام رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کرے، ان کا یہ فعل تابعین کے وسط زمانے میں تھا۔ اس خبر کی روایت مشہور ہے۔

(جذب القلوب، اردو، ص۲۳۲)

(69)

مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں نہ ہے نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے

حل لغت:

من مانتی: حسب منشا، دل کے مطابق، خود اختیاری یعنی جو جی چاہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۸۸)

منھ مانگی: دلی خواہش، دلی تمنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۰۶)

مراد: ارادہ، مطلب، مقصد، غرض، خواہش، تمنا، آرزو، منت، نذر، بھینٹ، مفہوم، منشاء۔
(فیروز اللغات، ص ۱۲۲۳ ☆ لغات کشوری، ص ۶۸۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۵۰)

نہ: حرف نفی، نہیں، نا، مت، انکار۔
(فیروز اللغات، ص ۱۳۸۷ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۸)

منگتا: بھیک مانگنے والا، بھکاری، فقیر، گدا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۹۷)

کیا ہے؟: کیا بات ہے، کیا معاملہ ہے، کیا کہتے ہو، کون ہے، کیوں ہے، بیکار ہے، نکما ہے، بے حقیقت ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۷۱)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''نہ'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

دوسرے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''نہ'' ہے اس کا مطلب ''انکار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں آخر میں جو لفظ ''نہ'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و

مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود و کرم اور فیاضی وسخاوت کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وکرم پر اعتماد کامل رکھتے ہوئے پختہ یقین کے ساتھ بلا کسی قید و پابندی کے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ اے دربار رسالت کے سائل یہ وہ دربار ہے کہ جہاں تو من مانتی یعنی جو چاہے مانگ، تجھے منھ مانگی یعنی جو تیری دلی خواہش ہے وہ تمام مرادیں ضرور ملیں گی۔ کیوں کہ یہ اس شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربار ہے کہ جہاں پر ''نا'' ہے ہی نہیں۔ اور مانگنے والوں سے یہ نہیں کہا جاتا کہ کیا ہے؟ یعنی کیا بات ہے کہ اتنا بڑا سوال کرتے ہو۔ تمہارا سوال کرنا بے کار ہے۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''نہ'' دو متفرق معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی اور تیسری مرتبہ جو لفظ ''نہ'' ہے وہ ''نہیں'' کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''نہ'' ہے وہ انکار کے معنی میں ہے۔ یعنی شعر کے لفظی معنی یہ ہوں گے کہ ''یہاں انکار نہیں ہے'' اس شعر میں لفظ ''نہ'' دو متفرق معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ حالاں کہ حروف واعراب کے اعتبار سے غیر متفرق ومساوی ہے۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں ''من مانتی'' اور ''منھ مانگی'' مراد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''من مانتی'' اور ''منھ مانگی'' میں بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو یوں سمجھیں کہ زید اور بکر دونوں دوست ہیں۔ لیکن زید بہت مالدار ہے اور بکر مالی اعتبار سے تنگ دست ومفلس ہے۔ ایک دن زید کو اپنے دوست بکر کے حال پر ترس آیا اور اس نے بکر سے کہا کہ تمہاری مالی حالت بہت خستہ ہے اور مجھ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ دیا ہے۔ لہٰذا میں ایک دوست ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ تم کو جو بھی ضرورت ہو بلا تکلف کہو میں پوری کر دوں گا۔ زید کی یہ درخواست سن کر بکر شش و پنج میں پڑ گیا کہ کیا مانگوں؟ بکر کو اپنا قرض ادا کرنے اور دیگر ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، لیکن اتنی بڑی رقم مانگتے ہوئے وہ جھجھکتا ہے۔ خجالت وشرم مانع ہوتی ہے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ مانگوں،

لیکن ڈر رہے کہ اتنی بڑی رقم مانگنے پر زید نے انکار کر دیا تو میرا کیا منہ رہ جائے گا۔ اس لئے من ہی من میں سمجھوتہ کر کے اس نے صرف پچیس ہزار روپیہ مانگے۔ من مانتی رقم تو ایک لاکھ تھی لیکن منہ مانگی رقم پچیس ہزار ٹھہری۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بکر نے سوچا کہ اگر میں نے زید سے ایک لاکھ کی رقم مانگی تو زید کہیں یہ نہ کہہ دے کہ کیا ہے؟ کیا کہتے ہو تم، اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہو؟ میں نے ہمدردی کا اظہار کیا تو بس گویا سونے کی چڑیا ہاتھ لگی ہو اس طرح اتنا بڑا مطالبہ کرنے لگے۔ تمہارا یہ مطالبہ بے کار ہے۔ اس سے خوفزدہ ہو کر بکر نے من مانتی کا مطالبہ نہیں کیا۔ لیکن یہاں شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربار وہ سخی دربار ہے کہ یہاں من مانتی اور منہ مانگی، تمام مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ کیوں کہ یہاں کسی بھی سائل کے کسی بھی سوال کے جواب میں ''نہیں'' کہہ کر انکار کرنا اس دربار کی شان کے خلاف ہے۔ بڑے سے بڑا سوال کرنے والے کو ''نہیں'' اور ''کیا'' کہہ کر ٹھکرایا نہیں جاتا۔ یہاں کا منگتا بھی مایوس ہو کر خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ بلکہ ''من مانتی'' اور ''منہ مانگی'' مرادیں حاصل کرتا ہے۔

● شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسا سوال نہیں کیا گیا اور نہ کوئی چیز ایسی مانگی گئی جس کے جواب میں حضور نے ''لا'' یعنی ''نہیں'' فرمایا ہو۔ ہر شخص آپ سے جو کچھ مانگتا قبول کرتے اور عطا فرماتے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۹۲)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود و کرم کے تعلق سے کچھ تفصیل شعر 15 ''میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا'' اور شعر نمبر 27 واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا۔ کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جود و سخا حد شمار اور اندازہ و قیاس سے باہر تھا۔ جو کچھ موجود تھا اسی پر آپ کا جود و سخا منحصر نہ تھا۔ بلکہ لاکھ در لاکھ گنا بھی ہوتا تو بھی ان کا یہی حال ہوتا۔ حضور جب بھی کسی ضرورت مند محتاج کو ملاحظہ فرماتے تو اپنا کھانا پینا تک اٹھا کر

عنایت فرما دیتے حالاں کہ اس کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی۔ لیکن دوسروں کی ضرورت کو آپ اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے۔ آپ عطا اور تصدق میں تنوع فرمایا کرتے، کسی کو ہبہ فرماتے، کسی کو حق دیتے، کسی کو بار قرض سے چھڑاتے، کسی کو صدقہ دیتے اور آپ عطا اور تصدق میں کسی کو ہدیہ فرماتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آپ کپڑا خریدتے اور اس کی قیمت ادا کر کے اس کپڑے والے کو ہی کپڑا تحفہ دے دیتے۔ کبھی ہدیہ قبول فرماتے اور پھر اس سے کئی گنا زیادہ بطور انعام عطا فرماتے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے زمانے میں جس طرح آپ کے دربار میں سائلوں کے سوال پورے ہوتے تھے اسی طرح آج بھی باحیات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار سے سوال کرنے والوں کو عطا ہوتا رہتا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ کچھ واقعات مستند اور معتبر کتب سے پیش خدمت قارئین ہیں۔

● محمد بن المکمندر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس ۸۰/اسی دینار امانت رکھے تھے اور اجازت دی کہ اگر ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ بھی کر لینا۔ یہ کہہ کر وہ شخص جہاد پر چلا گیا۔ میرے والد ضرورت کے وقت اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ پھر جب وہ شخص واپس آیا تو میرے والد سے اپنی رقم طلب کی۔ میرے والد وہ رقم ادا کرنے سے قاصر رہے اور اس شخص سے کہا کہ کل آنا تب جواب دوں گا۔ اب میرے والد نے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رات گزاری۔ تھوڑی دیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس کے پاس اور تھوڑی دیر منبر کے سامنے فریاد کی۔ یکا یک رات کی تاریکیوں میں ایک شخص ظاہر ہوا اور اسی دینار کی ایک تھیلی میرے والد کے ہاتھ میں تھما دی۔ صبح کے وقت والد صاحب نے جس کی امانت اپنے پاس رکھی تھی اس کو بلا کر وہ تھیلی دے دی اور مطالبہ کی زحمت سے نجات پائی۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۳۹)

● امام ابوبکر بن مقری کہتے ہیں کہ میں اور طبرانی اور ابوالشیخ تینوں حرم مصطفوی میں تھے، کہ بھوک نے غلبہ کیا اور دو روز اسی حالت میں گزر گئے جب عشاء کا وقت آیا تو میں قبر شریف کے سامنے گیا، اور عرض کی کہ ''یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْجُوْعُ'' یعنی اے اللہ کے رسول! بھوک لگی ہے۔ یہ کلمہ کہہ کر میں واپس چلا آیا اور میں اور ابوالشیخ سو گئے۔ طبرانی بیٹھے ہوئے کسی چیز کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ایک علوی شخص آیا، اور دروازہ کھٹکھٹایا، اس کے ساتھ دو غلام تھے ہر ایک کے ہاتھ میں زنبیل اور اس میں کھجور کے ساتھ بہت سے کھانے تھے، انہوں نے ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر کھایا، اور جتنا باقی بچا اس کو بھی ہمارے پاس چھوڑ دیا، اس علوی شخص نے رخصت ہوتے وقت ہم سے کہا کہ اے لوگو! شاید تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی ہے، کیوں کہ میں نے تھوڑی دیر پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ تم ان لوگوں کے لئے کھانا حاضر کرو۔

(جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۰)

● ابن جوزی نے روایت کیا کہ ایک زمانہ میں اہل مدینہ سخت قحط زدہ ہو گئے۔ لوگوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آ کر قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس چلو۔ اس میں ایک کھڑکی ہے اس کو آسمان کی طرف کھول دو، تاکہ آپ کی قبر اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا اور بارش ہوئی۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۳۸)

● احمد محمد صوفی کہتے ہیں کہ میں تین مہینہ تک جنگل میں پھرتا رہا، میرے بدن کی کھال پھٹ گئی۔ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر سلام عرض کر کے میں سو گیا، میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں اے احمد! تو آ گیا، کیا

حال ہے؟ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں بھوکا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ ہاتھ کھولو۔ میں نے ہاتھ پھیلائے آپ نے چند درہم میرے ہاتھ میں دیئے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو وہ درہم میرے ہاتھ میں تھے، میں بازار گیا، گرم روٹیاں اور فالودہ خریدا اور پھر جنگل میں چلا گیا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۱)

● ابن الجلا کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا۔ ابھی مجھ پر ایک دو فاقے ہی گزرے تھے کہ میں نے قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر عرض کی کہ ''اَنَا ضَیْفُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' یعنی یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر میں سو گیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی، آدھی میں نے خواب میں ہی کھالی۔ جب بیدار ہوا تو بقیہ نصف روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۰)

● ابوبکر اقطع فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا۔ مجھے پانچ دن ہو گئے کہ غذا نہیں چکھی تھی۔ چھٹے روز میں نے قبر شریف پر جا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر دائیں جانب اور حضرت عمر بائیں طرف اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم آگے تھے۔ مجھ سے کہتے تھے کہ اٹھو! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ میں آگے بڑھا اور آپ کے دونوں ابروؤں کے درمیان بوسہ دیا، حضور نے مجھ کو ایک روٹی دی میں نے کھائی، جب بیدار ہوا تو ایک ٹکڑا روٹی کا ہاتھ میں بچا ہوا تھا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۰)

(70)

رُسُل و ملک پہ درود ہو وہی جانے ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے

حل لغت:

رُسُل: رسول کی جمع ہے۔

(فیروز اللغات، ص۷۱۰☆ لغات کشوری، ص۳۲۳☆ کریم اللغات، ص۷۹)

ملک: فرشتہ، جمع ملائک، ملائکہ، جمدوت، وہ چیز جس سے کوئی کام قائم ہو۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۸۳☆ لغات کشوری، ص۳۶۷☆ کریم اللغات، ص۱۶۶)

شمار: گنتی، تعداد، حساب، تخمینہ۔ (فیروز اللغات، ص۸۴۷)

روزشمار: انصاف کا دن، اعمال کا بدلہ ملنے کا دن، قیامت کا دن۔ (فیروز اللغات، ص۷۴۷)

شفیع: شفاعت کرنے والا، سفارش کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۸۴۴☆ لغات کشوری، ص۴۲۴)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''شمار'' ہے اس کا مطلب ''گنتی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''شمار'' ہے اس کا مطلب ''قیامت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان انبیائے کرام اورفرشتوں پر درود بھیج رہے ہیں اور پھر ان کی تعداد کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ ''وہی جانے ان کے شمار کو'' یعنی کہ انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام اور فرشتوں کی صحیح تعداد ان کا بھیجنے

والا رب ہی جانے، یہ اس لئے فرمایا کہ انبیائے کرام کی صحیح تعداد متعین نہیں۔ ان کی تعداد کے بارے میں کئی قول ہیں لیکن سارے اقوال میں راجح اور اصح قول ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش ہے۔ حالاں کہ یہ تعداد بھی یقینی متعین نہیں، اس لئے علمائے اسلام کا ہمیشہ دستور رہا ہے کہ جب وہ انبیائے کرام کی تعداد شمار کرتے ہیں تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے ساتھ کم وبیش یعنی اس سے کم یا زیادہ ضرور کہتے ہیں اور یہ کہنا لازمی اور ضروری بھی ہے۔ کیوں کہ عقائد میں سے ہے کہ کسی نبی کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح کسی غیر نبی کو نبی ماننا بھی کفر ہے۔ اگر انبیائے کرام کی تعداد قطعی طور پر کسی نے ایک لاکھ چوبیس ہزار متعین کر لی اور انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ایک ہے تو ایک نبی کی نبوت کا انکار ہوا جو کفر ہے۔ اور اگر انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ تئیس ہزار نوسو ننانوے (۱۲۳۹۹۹) ہے تو ایک غیر نبی کو نبی تسلیم کرنے کا کفر عائد ہوگا۔ اس لئے احوط واسلم طریقہ علمائے اسلام میں یہی رائج ہے کہ انبیائے کرام کی تعداد کے ساتھ ''کم و بیش'' بولنا چاہیئے۔ تا کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار یا کسی غیر نبی کی نبوت کا اقرار نہ ہو جائے۔ اسی نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کے شمار کو علم الٰہی پر منحصر کیا ہے۔ رہی تعداد فرشتوں کی تو ان کا شمار ممکن ہی نہیں کیوں کہ ان کا شمار علم الاعداد میں آ ہی نہیں سکتا۔ عدد ہی ختم ہو جائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کے انتظام کی الگ الگ خدمات پر فرشتوں کو مامور کیا ہے، صرف اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس آرام گاہ کی حاضری اور سلامی کے لئے روزانہ ایک لاکھ چالیس ہزار (۱,۴۰,۰۰۰) فرشتوں کو مامور کیا ہے۔ حدیث کے ارشاد کے مطابق بارگاہ رسالت کی حاضری کے لئے روزانہ صبح ستر ہزار، اور روزانہ شام کو ستر ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور جو فرشتہ بھی ایک مرتبہ شرف حاضری سے مشرف وفیضیاب ہو جاتا ہے قیامت تک اسے دوبارہ حاضری کا موقع نہیں ملے گا۔ اس حساب سے صرف ایک مہینہ میں بیالیس لاکھ (۴۲,۰۰,۰۰۰) فرشتے صرف دربار

رسالت کی حاضری کے لئے متعین ہیں۔ اس حساب سے ایک سال میں پانچ کروڑ چار لاکھ (۵,۰۴,۰۰۰۰۰) فرشتے ہوئے تقریباً چودہ سو سال سے یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا تو ان کا میزان لگانا ہی ناممکن ہے۔ ارب اور کھرب سے بھی کئی گنا عدد تجاوز ہو جائے گا تو جب صرف ایک خدمت پر مامور فرشتوں کا شمار غیر ممکن ہے تو تمام فرشتوں کی تعداد کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے انبیاء وملائکہ کے شمار کو علم الٰہی پر موقوف رکھا، لیکن ان بے شمار معصومین کی عظمت وحرمت کے آداب کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وشان کتنے بہترین انداز میں بیان کر رہے ہیں ''مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے'' کہہ کر فرماتے ہیں کہ انبیاء ومرسلین میں اولوالعزم انبیاء بھی ہیں۔ فرشتوں میں بھی عالی مرتبہ ملائکہ ہیں۔ وہ سب صحیح ان کی عظمت، رفعت، مرتبہ، شان، منزلت سب تسلیم۔ لیکن ان تمام میں سے کوئی ایسا دکھا تو دو جو میرے آقا ومولیٰ مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح ''روز شمار'' یعنی کہ قیامت کے دن شفاعت کرنے والا ہو۔ شعر کے دونوں مصرعوں میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ شمار کو کتنے بہترین انداز میں نبھایا ہے۔

- شفیع روز شمار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت ہر عام وخاص کو شامل ہے۔ عامۃ المومنین تو درکنار اس دن حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی محبوب کبریاء کی طرف ملتفت ہوں گے، اور کیوں نہ ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ روز قیامت رضوان جنت اہل محشر سے مخاطب ہو کر پکارے گا۔

''اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَدْفَعَ مَفَاتِیْحَ الْجَنَّةِ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' (مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۲۶۶)

مجھے اللہ تعالیٰ نے جنت کی چابیاں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔

- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لِوَاءُ الْکَرَامَةِ وَ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ وَ لِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ'' (الترمذی ۴، ص ۳۶)

ترجمہ: کرامت وبزرگی، حمد کا جھنڈا اور جنت کی چابیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

- قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

''عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' یعنی عنقریب اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں مقام محمود عطا فرمائے گا۔

- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ:

''فَذٰلِكَ یَوْمٌ یَبْعَثُهُ اللّٰهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ۔'' یعنی پس اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے گا۔ (بخاری شریف)

- یہ مقام محمود کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنے مزار اقدس سے نکلوں گا۔ مجھے جنتی لباس پہنایا جائے گا۔ ''ثُمَّ اَقُوْمُ عَلٰی یَمِیْنِ الْعَرْشِ لَیْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ یَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَیْرِیْ'' یعنی پھر میں عرش الٰہی کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور یہ مقام میرے علاوہ مخلوق میں کسی کو حاصل نہ ہوگا۔ (الترمذی)

سچ فرمایا حضرت رضا بریلوی نے کہ شفیع روز شمار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا کوئی نہ تو انبیائے سابقین میں ہے اور نہ ہی فرشتوں میں ہے۔

❁......❁......❁